صحیفۂ فقہ اسلامی

مجلس شرعی کے

پہلے فقہی سیمینار

کی مفصل روئداد یعنی الکحل آمیز دواؤں کا استعمال،
بیمۂ زندگی اور بیمۂ اموال کے عنوانات پر اہم مقالات
اور علمی مذاکرات و مباحثات اور شرعی فیصلوں کا دل آویز گلدستہ

ترتیب

مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی و مفتی محمد معراج القادری مصباحی

ناشر
برکاتی پبلشرز
پہلی منزل، نیک محمد بلڈنگ،
چھاگلہ اسٹریٹ، کھارادر، کراچی۔

نزهة القاری

شرح صحیح البخاری

سات جلدوں پر مشتمل نادر نسخہ

چار جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں

جبکہ بقیہ جلدوں پر کام جاری ہے

مصنف

نائب مفتی اعظم ہند شیخ الحدیث حضرت علامہ مفتی

محمد شریف الحق امجدی صاحب

برکاتی پبلشرز

پہلی منزل، نیک محمد بلڈنگ،

چھاگلہ اسٹریٹ، کھارادر، کراچی ۷۴۰۰۰۔

۱۱۴۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ (النساء ۴ آیت ۸۳)

تو ضرور ان سے اس کی حقیقت جان لیتے یہ جو بعد میں کاوش کرتے ہیں (کنز الایمان)

صحیفۂ فقہ اسلامی

مجلس شرعی کے "پہلے فقہی سیمینار" کی مفصل روداد یعنی الکحل آمیز دواؤں کا استعمال، بیمہ زندگی اور بیمہ اموال کے عنوانات پر اہم مقالات اور علمی مذاکرات و مباحثات اور شرعی فیصلوں کا دل آویز گلدستہ

ترتیب

مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی

مفتی محمد معراج القادری مصباحی

ناشر

مجلس شرعی، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکپور، ضلع اعظم گڈھ ۲۷۶۴۰۴

مکتبہ غوثیہ بدول ...

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب ______ صحیفۂ فقہ اسلامی
ترتیب ______ مفتی محمد نظام الدین ، مفتی محمد معراج القادری
کتابت ______ شمس الحسن محمد کوثر قادری
طباعت ______
صفحات ______ ۳۵۰

برکاتی پبلشرز
پہلی منزل، نیک محمد بلڈنگ چھاگلہ
اسٹریٹ کھارادر کراچی۔

صحیفہ نما

پیش لفظ	۱ تا ۵	حضرت نائب مفتی اعظم ہند مدظلہٗ
مجلس شرعی کا قیام	۶ تا ۷	ادارہ
عرض مدعا	۸ تا ۱۱	حضرت سربراہ اعلیٰ صاحب قبلہ دام ظلہم
خطبۂ استقبالیہ	۱۲ تا ۱۶	حضرت نائب مفتی اعظم ہند دام ظلہم
چار روزہ فقہی سیمینار کی ایک جھلک	۱۷ تا ۲۸	حضرت مولانا محمد احمد صاحب مصباحی

فیصلے

الکحل آمیز دواؤں اور رنگین چیزوں کا حکم	۳۰	فیصل بورڈ
بیمۂ زندگی سے متعلق تنقیح طلب امور اور فیصلہ	۳۱ تا ۳۲	فیصل بورڈ
جبری بیمۂ اموال، و اختیاری بیمۂ اموال	۳۳	فیصل بورڈ
استدلال کے چند اصول	۳۴ تا ۳۶	مفتی محمد نظام الدین صاحب رضوی
سوالنامہ (مسئلۂ الکحل)	۳۸ تا ۵۶	مفتی محمد نظام الدین صاحب رضوی
ایتھائیل الکحل	۵۷	پروفیسر سہیل احمد

مقالات اور فتاوے

الکحل	۵۹	حضرت مولانا قاضی عبدالرحیم صاحب
الکحل	۶۰ تا ۶۱	حضرت مولانا عبدالحکیم شرف قادری
الکحل	۶۲ تا ۶۳	حضرت مولانا زین العابدین صاحب
الکحل	۶۴ تا ۶۷	حضرت مفتی مجیب الاسلام صاحب
الکحل آمیز دواؤں کا حکم شرعی	۶۸	حضرت مفتی محمد ایوب و مولانا محمد ہاشم صاحبان

دواؤں میں الکحل، اسپرٹ کا استعمال اور اسکا حکم	۶۹ — تا — ۷۰	مولانا رحمت حسین کلیمی
جواب مسئلہ الکحل	۷۱	مفتی اختر حسین صاحب
علاج کی شرعی حیثیت	۷۲ — تا — ۸۵	مولانا عزیز احسن صاحب
الکحل	۸۶ — تا — ۱۰۱	مولانا عبدالحق صاحب
الکحل واسپرٹ کا شرعی استعمال	۱۰۲ — تا — ۱۱۳	مفتی محمد معراج القادری صاحب
الکحل	۱۱۴ — تا — ۱۲۴	مولانا شمس الہدیٰ صاحب
الکحل	۱۲۵ — تا — ۱۳۵	مفتی بدر عالم صاحب
الکحل	۱۳۶ — تا — ۱۵۸	مولانا آل مصطفےٰ مصباحی
الکحل اسپرٹ آمیز دواؤں کا حکم	۱۵۹ — تا — ۱۶۱	مولانا محمد نسیم صاحب
الکحل، اسپرٹ آمیز دواؤں کا حکم	۱۶۲ — تا — ۱۶۳	مولانا صدر الوریٰ صاحب
الکحل اسپرٹ آمیز دواؤں کا حکم	۱۶۴ — تا — ۱۸۴	مولانا نور علی نظامی صاحب
الکحل	۱۸۵ — تا — ۱۸۷	مولانا قاضی فضل احمد مصباحی

مباحثہ

مباحثہ برمسئلہ الکحل	۱۸۸ — تا — ۲۱۲	سمٹر کا سیمینار
تکملہ	۲۱۳ — تا — ۲۱۵	مفتی محمد نظام الدین رضوی

جان و مال کا بیمہ

سوالنامہ	۲۱۷ — تا — ۲۳۳	مفتی محمد نظام الدین رضوی

مقالات اور فتاویٰ

بیمۂ زندگی و بیمۂ مال	۲۳۵ — تا — ۲۳۹	حضرت مولانا قاضی عبدالرحیم صاحب

بیمہ کی شرعی حیثیت	۲۳۷ - تا - ۲۳۹	حضرت مولانا عبدالحکیم شرف قادری صاحب
جان و مال کا بیمہ اور اسکی شرعی حیثیت	۲۴۰ - تا - ۲۵۱	مفتی محمد نظام الدین صاحب رضوی
زندگی بیمہ	۲۵۲ - تا - ۲۵۷	مولانا عزیز احسن صاحب
بیمۂ زندگی و بیمۂ مال	۲۵۸	مفتی محمد ایوب و مولانا محمد ہاشم صاحبان
بیمۂ زندگی و بیمۂ مال	۲۵۹	مفتی اختر حسین صاحب
بیمۂ اموال و بیمۂ زندگی کا شرعی حکم	۲۶۰ - تا - ۲۶۲	مولانا رحمت حسین صاحب کلیمی
بیمہ	۲۶۳ - تا - ۲۶۷	مولانا شمس الہدیٰ صاحب
جنرل انشورنس	۲۷۷ - تا - ۲۸۵	مولانا عبدالحق صاحب
حیوان بیمہ	۲۸۶ - تا - ۲۹۶	مفتی محمد معراج القادری صاحب
جنرل انشورنس	۲۹۷ - تا - ۳۱۱	مفتی بدر عالم صاحب
بیمۂ زندگی اور بیمۂ اموال کی شرعی حیثیت	۳۱۲ - تا - ۳۲۸	مولانا آل مصطفیٰ صاحب
جان و مال کا اور ان کی شرعی حیثیت	۳۲۹ - تا - ۳۳۱	مولانا نسیم احمد صاحب
جان و مال کا بیمہ اور اسکی شرعی حیثیت	۳۳۲ - تا - ۳۳۵	مولانا انور علی نظامی
بیمۂ زندگی و بیمۂ اموال کی شرعی حیثیت	۳۳۶ - تا - ۳۴۰	مولانا محمد حسین صاحب

مباحثہ بر مسئلہ بیمۂ زندگی

مباحثہ بر مسئلہ بیمۂ زندگی ۳۴۲ - تا - ۳۵۲ شرکائے سیمینار

فتاوی افریقہ

امام اہلسنت مولانا شاہ

امام احمد رضا خاں صاحب

رحمۃ اللہ علیہ

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ رحمہ کے مایہ ناز علمی تحقیقی فتاوی کا مجموعہ

امام اہلسنت مولانا شاہ امام احمد رضا خانصاحب رحمۃ اللہ علیہ

برکاتی پبلشرز
پہلی منزل، نیک محمد بلڈنگ
چھاگلہ اسٹریٹ
کھارادر کراچی

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فقیہ عصر شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی دامت برکاتہم القدسیہ

سرپرست مجلس شرعی و صدر شعبۂ افتا و ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ مبارکپور

مجلس شرعی کا قیام ——— جس کو آج ... ہوا اس اثنا میں اس مجلس کے زیر اہتمام دو اجتماعات ہوئے جن میں ہماری جماعت کے تقریباً پچاسیوں معتمد مفتیان کرام اور علمائے عظام نے شرکت فرمائی۔

ہر اجتماع میں آٹھ آٹھ نشستیں ہوئی تھیں اور ہر نشست چار چار گھنٹے کی صبح ۹ بجے سے ایک بجے تک اور بعد مغرب ۲ سے ... تک اس طرح ہر اجتماع میں بتیس گھنٹے مذاکرات ہوتے رہے اب تک مجلس شرعی میں مندرجہ ذیل کئی موضوعات زیر بحث آچکے ہیں۔

- ——— الکحل آمیز دواؤں کا استعمال۔
- ——— بیمہ پالیسی کے دونوں شعبے۔ (بیمۂ اموال، بیمۂ زندگی)
- ——— مشترکہ سرمایہ کاری کا نظام اور اس کی شرعی حیثیت۔
- ——— چیک کی خرید و فروخت
- ——— دوامی اجارہ۔ (پگڑی کا مسئلہ)
- ——— دیون اور ان کے منافع پر زکوٰۃ۔

ان میں سے کئی موضوع پر فیصلے بھی ہو چکے ہیں جس کی پوری تفصیل اس صحیفے میں آپ مطالعہ کریں گے۔

جس وقت مجلس شرعی کا قیام عمل میں آیا تھا ہم کچھ لوگ اس تشویش میں مبتلا تھے کہ معلوم نہیں کہ ہمارے مفتیان کرام علماء عظام ہمارا ساتھ دیں گے یا نہیں، لیکن مجلس شرعی کے دو اجتماع نے ثابت کر دیا کہ مجلس شرعی کا قیام وقت کی بہت اہم

ضرورت تھی اور یہ ہمارے علمائے اہلسنت و خواص اہلسنت کے دل کی آواز تھی ہماری دعوت پر جس حوصلہ اور تیاری کے ساتھ ملک کے طول و عرض سے مندوبین نے شرکت کی وہ ہمارے لئے بہت ہی حوصلہ افزا ہے اس سلسلے میں دو بنیادی باتیں بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ ایک اخراجات کا بار کون اٹھائے دوسرے موضوع کی تعیین اور سوالات کی ترتیب و ترسیل لیکن خوشی ہے کہ پورے ملک میں یہ قرعۂ فال بھی جامعہ اشرفیہ ہی کے نام نکلا کہ سارے مندوبین کے آمد و رفت کے اخراجات کے علاوہ ان سب کے شایان شان طعام وغیرہ کا بھی بندوبست اپنے سر لے لیا اس سلسلے میں کسی قسم کی کوئی دقت نہیں پیش آئی اور آئندہ بھی جامعہ اشرفیہ اسی حوصلے اور وسعت قلبی کے ساتھ اس خدمت کو انجام دینے کو آمادہ ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ آمادہ رہے گا۔

سوالات کی ترتیب و ترسیل کا مسئلہ بظاہر بہت آسان معلوم ہوتا ہے کیونکہ مشہور یہی ہے کہ سوال کرنا کچھ مشکل نہیں ایک عامی کے لئے یہ بات تو صحیح ہے: وہ بھی ایک عام بات کیلئے مگر جب اس کا تعلق حکم شرعی سے ہو اور وہ بحث کیلئے علماء کی مباحث میں پیش کیا جانے والا ہو تو سوال مرتب کرنے والے کی پیشانی پر پسینہ پھوٹنے لگتا ہے۔ اس قسم کے مباحث کے لئے جو سوالات مرتب کئے گئے ان میں اس کا خاص لحاظ رکھا گیا کہ اس موضوع کے کسی گوشے کو تشنہ چھوڑا جائے ایک موضوع میں کتنے احتمالات نکلتے ہیں اس کی تفصیل پر اہل علم غور کریں گے تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کتنی ذہنی بیداری درحقیقت کو پیدا ہوتا ہے مگر یہ بھی ضروری تھا کہ ہر احتمال کے متعلق مثبت اور منفی۔ پہلو پر روشنی بھی ڈال دی جائے اور جیسے ہو اگر کچھ جواب ہیں تو انھیں بھی درج کر دیا جائے اس تفصیل کی روشنی میں سوالات کی ترتیب کے وقت صرف خود بشکل ہی کافی نہیں تھا بلکہ کافی مطالعہ اور ہزاروں صفحات کی ورق گردانی ضروری تھی اس سلسلے میں ہمیں خوشی ہے کہ اس کام کو عزیز اسعد جناب مولانا محمد نظام الدین صاحب نے بہت حسن و خوبی کے ساتھ انجام دیا ہر موضوع کے متعلق ان کے ترتیب دیئے ہوئے سوالات کو پڑھئے تو آپ خود دنگ رہ جائیں گے۔ پھر ان سوالات کی ترتیب میں صرف کتب فقہ کا مطالعہ کافی نہیں تھا بلکہ دوسری جدید معلوماتی کتابوں کا بھی مطالعہ ضروری تھا۔ مثلاً انگریزی دواؤں میں اسپرٹ ہوتی ہے الکحل ہوتا ہے اسپرٹ الکحل کی حقیقت کیا ہے؟ بیمہ کمپنی کے اصول و ضوابط کیا ہیں؟ شیئر بازاری کس دستور کے مطابق رائج ہے جب تک یہ ساری تفصیلات بہم نہ ہوں سوال کا صحیح مرتب نہیں ہو سکتا تھا مگر موصوف نے اس منزل کو بھی بہت خوبی سے طے کیا ان کی مہیا کی ہوئی معلومات کی روشنی میں بحث کرنا پھر حکم لگانا زیادہ مشکل نہیں رہا۔

مقالات آپ حضرات کے پیش نظر ہیں ہمارے علمائے کرام نے مقالات کے لکھنے میں کتنی عرق ریزی کی ہے اس کو آپ حضرات خود ملاحظہ کر سکتے ہیں، بادی النظر میں مقالوں کو پڑھنے کے بعد ایسا محسوس ہوگا کہ انھوں نے جو کچھ لکھا ہے اس میں انگلی رکھنے کی جگہ نہیں یہ اس کی دلیل ہے کہ ہمارے مقالہ نگاروں نے ایک حکم شرعی معلوم کرنے میں جتنی وسعت تھی اس میں کوئی کمی نہیں کی ہے یہ دوسری بات ہے کہ بمصداق فوق کل ذی علم علیم اور بمصداق رب حال

تفقہ الی من ھو افقہ منہ ممدوحت حال کچھ اور ہو ۔

فقہائے کرام نے اپنی خداداد بصیرت قوت اجتہاد و استنباط سے قرآن و حدیث سے ہزاروں کلیات اور ہزاروں جزئیات استخراج کر کے تحریر فرما دیئے ہیں جو فقہ کی سیکڑوں کتابوں میں درج ہیں، یہی وجہ ہے کہ ایک شخص جب دیانتداری سے کتب فقہ کا مطالعہ کرتا ہے تو انگشت بدنداں رہ جاتا ہے کہ ان حضرات نے کتنی جانفشانی اور کتنی کد و کاوش کے بعد اس خدمت کو سرانجام دیا ہے جس کی وجہ سے بعد میں آنیوالوں کے لئے کتنی آسانیاں ہوگئی ہیں اس کے باوجود نئے واقعات کا حکم اخذ کرنا اب بھی جوئے شیر لانے سے کم نہیں، کلیات سے جزئیات کا استخراج پھر جزئیات کا کلیات پر انطباق پھر جزئیات کا آپس میں اشتباہ اور اشتباہ کے ازالہ کی وجوہ معلوم کرنا آسان کام نہیں ان سب کو وہی سمجھ سکتا ہے جو خدمت افتاء میں مصروف ہے ۔

پھر اس سلسلے میں کئی باتیں اور بھی ہیں تمام کلیات یا جزئیات کسی ایک ہی کتاب میں درج نہیں ہر مصنف نے کوشش یہی کی کہ اپنی کتاب کو کامل اور جامع بنائے مگر انسان بہرحال انسان ہے کامل استقصاء کون کر سکتا ہے پھر سب کو یہ توفیق نہیں کہ فقہ کی متداول کتابوں کا بالاستیعاب مطالعہ کرے اور اگر کوئی بالاستیعاب مطالعہ کرے بھی تو اس کو فقہ کی کتنی کتابیں میسر ہیں کسی بھی چیز پر حکم لگانے کیلئے ضروری ہے کہ پہلے اسے متقدمین متاخرین کی تصانیف جتنی مل سکیں سب کا مطالعہ کرے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی مسئلے کا ذکر اس باب میں نہیں ہوتا جو اسکے مناسب ہے کسی غیر مناسب باب میں ذکر ہوتا ہے خود میرے ساتھ یہ حادثہ پیش آیا ہے ۔

مجدد اعظم اعلیحضرت قدس سرہ نے لمعۃ الضحیٰ فی اعفاء اللحی کے سلسلے میں فتح القدیر کی یہ عبارت نقل فرمائی ہے :

اما الاخذ منها وهی دون ذلک فلم یبحه احد کتب فقہ میں اس کو کتاب الحظر والاباحۃ یا کتاب الکراہیۃ میں ملنا چاہئے میرے پاس سوال آیا کہ یہ عبارت فتح القدیر میں کہاں ہے میں نے فتح القدیر کی پوری کتاب الکراہیۃ پڑھ ڈالی اس میں نہیں ملی پھر خیال آیا کہ ہوسکتا ہے کہ جنایات احرام میں مذکور ہو میں نے کتاب الحج کا باب الجنایات پورا پڑھا پھر پوری کتاب الحج پڑھ ڈالی مگر نہیں ملا ۔

کام اتنا زیادہ میرے سر رہتا ہے کہ دوبارہ نئے سرے سے پھر فتح القدیر پڑھنے کی فرصت نہیں پا رہا تھا، سوچتا رہا کہ آخر یہ مسئلہ کہاں ہوسکتا ہے خیال آیا کہ ہدایہ کی کتاب الصوم میں السنۃ فیہا القبضۃ میں یہ عبارت ہے یہ خیال آتے ہی فتح القدیر اس مقام پر دیکھا تو یہ عبارت ملی اب سوچئے کہ داڑھی کا روزے سے کیا تعلق کسی کا ذہن جا سکتا ہے کہ داڑھی کتنی مقدار میں مسنون ہے اس کا ذکر کتاب الصوم میں ہوگا اس قسم کے بہت سے مسائل ہیں جو اپنے باب کے سوا دوسرے ابواب میں مذکور ہیں اس لئے کسی حکم شرعی کو معلوم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ دستیاب کتب فقہ کا بالاستیعاب مطالعہ کرے یا اسے کے ذہن میں محفوظ رہے ۔

حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ نے ایک بار فرمایا کہ میں نے شامی اور عالمگیری کو پانچ بار مطالعہ کیا ہے اور کنز کی شروح

بحر الرائق النہر الفائق تبیین الحقائق کا دو بار اور ہدایہ کا مع اس کے تمام شروح کے بشمول بنایہ ایک بار۔ مزید تقریباً پچاس کتب فقہ کا بالاستیعاب بغور مطالعہ کیا ہے یہ کتابیں مختصر سی نہیں ان میں صرف مبسوط امام سرخسی کی تیس جلدیں ہیں۔ جب کہ حضرت صدر الشریعہ کے حافظے کا عالم یہ تھا کہ فرماتے تھے جس کتاب کو یاد کرنے کی نیت سے ایک بار بغور مطالعہ کر لیا تو زندگی بھر اس کے مضامین محفوظ رہے ایسا قوی الحافظہ بزرگ جب شامی اور عالمگیری کا پانچ پانچ بار مطالعہ کرے گا تو اس کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ وہ ان کتابوں کے ابحاث اور جزئیات اور کلیات پر ایسا کامل احاطہ رکھے کہ بوقت ضرورت استحضار میں دشواری نہ ہو۔

آپ اس زمانے میں تلاش کریں گے تو شاید ہی کوئی بزرگ ملیں جس نے شامی اور عالمگیری وغیرہ کا ایک بار بھی کامل مطالعہ کیا ہو پھر ہر ذہن اخاذ نہیں اور اگر کوئی ذہن اخاذ ہے تو دوسرے کا ذہن اس سے بڑھ کر اخاذ ہے نصوص کی دلالت ہمیشہ صریح نہیں ہوتی بعض دفعہ ایسی خفی ہوتی ہے کہ اس تک رسائی شاید و باید کسی کو ہوتی ہے۔ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ واقعہ مشہور ہے کہ حضرت قتادہ جب کوفہ تشریف لائے تو ان کے گرد طالبین کی بھیڑ لگ گئی حضرت امام اعظم بھی تشریف لے گئے لوگ سوال کر رہے تھے حضرت قتادہ جوابات دے رہے تھے حضرت امام اعظم نے بھی ایک سوال کیا کہ جس چیونٹی نے حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھ کر اور چیونٹیوں سے کہا تھا اپنی بلوں میں چلی جاؤ کہیں سلیمان اور ان کا لشکر تم کو کچل نہ دے۔ یہ چیونٹی نر تھی کہ مادہ یہ سوال سن کر حضرت قتادہ کچھ دیر خاموش سوچتے رہے پھر فرمایا میں نہیں جانتا تم بتاؤ کون تھی نر تھی کہ مادہ حضرت امام اعظم نے فرمایا وہ مادہ تھی پوچھا کیسے معلوم فرمایا قرآن نے اس کیلئے مؤنث کا صیغہ استعمال کیا ہے فرمایا گیا۔ قالت نملۃ کیا حضرت قتادہ نے قرآن مجید کی آیت نہیں پڑھی تھی کیا انہیں معلوم نہیں تھا کہ قالت مؤنث کا صیغہ ہے لیکن یہ قوت اخذ کی بات ہے اسی کو حدیث میں فرمایا گیا۔

فلیبلغ الشاھد الغائب فرب مبلغ اوعیٰ من سامع ورب حامل فقہ غیر فقیہ ورب حامل فقہ الیٰ من ھو افقہ منہ۔

جو لوگ حاضر ہیں میری بات غائب تک پہونچا دیں بسا اوقات سننے والے کے بہ نسبت جس تک بات پہونچائی جاتی ہے زیادہ یاد رکھنے والا ہوتا ہے اور بہت سے اصحاب فقہ فقیہ نہیں ہوتے ہیں مگر جس تک وہ بات پہونچاتے وہ زیادہ فقیہ ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں کبھی کسی مسئلے کا حل مختلف ہوتا ہے بعض پر عمل کرنا آسان اور بلا جھجک قابل قبول ہوتا ہے بعض پر عمل کرنا دشوار ہوتا ہے یا اس میں کچھ جھجک ہوتی ہے۔

مثلاً سیدنا امام اعظم ہی کا واقعہ ہے کہ ایک بار ایک شخص نے اپنے بیٹوں کی شادی کے موقع پر کوفہ کے سربرآوردہ علماء کرام کی دعوت کی سب حضرات تشریف لے گئے جن میں سفیان ثوری جیسے فقیہ اور محدث بھی تھے دستر خوان بچھ گیا کھانا چن دیا گیا تو صاحب خانہ حواس باختہ پریشان ہو کر یہ عرض کرنے لگا کہ حضرت سخت دشواری پیش آگئی ہے میرے دونوں بیٹوں کی شادیاں دو حقیقی بہنوں

سے ہوئی تھیں عورتوں کی غلطی سے دلہن بدل گئی ہیں اب کیا ہوگا۔ حاضرین میں اس وقت سب سے بزرگ اور مستند حضرت سفیان ثوری تھے۔ انھوں نے فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایسا ہی حادثہ پیش آیا تھا انھوں نے یہ فیصلہ فرمایا تھا کہ ان میں سے ہر ایک اپنی بیوی سے تا عدت الگ رہے اور ہر ایک مہر مثل اور مہر معین میں جو اقل ہو وہ ادا کرے یہ حکم شرعی اپنی جگہ پر بالکل حق ہے مگر اسمیں عمل کرنے میں دشواری بھی ہے کہ شادی کے بعد بھی میاں بیوی، میاں بیوی ہوتے ہوئے ایک دوسرے کے قریب نہ جائیں کیونکہ شب باشی کے بعد ہر ایک کا دل دوسرے کے ساتھ وابستہ ہو چکا ہوتا ہے۔ پوری مجلس پر سناٹا چھایا تھا حضرت امام اعظم خاموش تھے آپ کا ابتدائی عہد تھا مگر آپ کے علم کے انوار پھیلتے جا رہے تھے لوگوں نے حضرت امام اعظم سے پوچھا کہ آپ کیا کہتے ہیں حضرت امام اعظم نے فرمایا کہ دونوں لڑکوں کو بلاؤ دونوں لڑکے حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے پوچھا کہ تم نے جس عورت کے ساتھ رات گذاری ہے وہ تمہیں پسند ہے دونوں نے کہا ہاں فرمایا دونوں ایک دوسرے کو طلاق دیدیں اور فوراً نکاح کردیا جائے اس صورت میں عدت نہیں اسلئے کہ اس کی بیوی اس کیلئے مدخولہ تھی۔

ناظرین غور کریں دونوں حکم شرعی اپنی جگہ پر درست لیکن حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی خداداد قوت اجتہاد سے جو صورت استخراج کی وہ کتنی آسان اور بلا جھجک قابل قبول ہے۔

ہماری ان گذارشات کا مطلب یہ ہے کہ کتب فقہ میں ہزاروں کلیات لاکھوں جزئیات کے اندراج کے بارجود کسی نئے واقعے کا حکم ان سے استخراج کرنا ہوئے شیر لانے سے کم نہیں یہ انھیں کا کام ہے جنھیں اللہ نے تفقہ فی الدین عطا فرمایا ہے۔

بحمدہ تبارک وتعالیٰ ہماری مجلس شرعی جہاں ایک طرف اہلسنت کے سواد اعظم کی نمائندہ جماعت ہے وہیں وہ اس ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے اپنی طاقت وسعت اور وسائل کی فراہمی کے دائرے میں رہ کر مذکورہ بالا موضوعات پر پوری دیانتداری خدا ترسی کے ساتھ بحث کرکے اور پھر تحقیق و تنقیح کرکے فیصلہ کیا ہے۔ اور ہمیں خوشی ہے کہ مجلس شرعی کے فیصلے کو سبھی مستند ذمہ دار حضرات کی تائید حاصل ہے مجلس شرعی کے دوسرے اجتماع میں جو موضوعات پیش ہوئے تقریباً سب پر فیصلے ہوگئے لیکن شیر بازاری کا مسئلہ اتنا پیچیدہ اور الجھا ہوا ہے کہ اس کے باوجود کہ پہلے اجتماع میں بھی اس پر بحث ہو چکی تھی دوسرے اجتماع میں مقالات کے پڑھنے کے بعد جو وقت بچا وہ اس کی نذر ہوکر رہ گیا اور کوئی فیصلہ نہیں ہو سکا انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ پھر اس پر غور وخوض ہوگا اور اللہ عزوجل اسکے حل کی کوئی سبیل نکالے گا۔ میری دعا ہے کہ مولیٰ عزوجل ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم نے ایک اہم دینی ضرورت کی تکمیل کیلئے جس خلوص کے ساتھ مجلس شرعی قائم کیا ہے ہم آئندہ بھی اسی تندہی اور لگن کے ساتھ کام کرتے رہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ مجلس شرعی کے بنیادی اعضاء بھی خلوص ونیت کے ساتھ اپنی اپنی متعلقہ خدمات انجام دیتے ہیں اور اپنی وسعت بھر کوئی کمی نہیں کرتے مولیٰ تعالیٰ ہم سب کو ہمیشہ اس قسم کے دینی خدمات کی توفیق عطا فرماتا رہے۔ اور مجلس شرعی کو دوام واستحکام عطا فرمائے۔ اور اس سے مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ نفع پہونچائے۔ (آمین)

مجلس شرعی کا قیام

(ادارہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصلیاً و مسلماً

دار العلوم اشرفیہ کی مجلس شوریٰ منعقدہ ۳ر ذیقعدہ ۱۴۱۲ھ کی قرار داد کی روشنی میں ۲۳ر جمادی الآخرہ ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۹ر دسمبر ۱۹۹۲ء بروز شنبہ عزیز ملت حضرت مولانا عبد الحفیظ صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ کی دعوت پر درج ذیل علمائے کرام کی ایک "مجلس مشاورت" منعقد ہوئی۔

(۱) عزیز ملت حضرت مولانا عبد الحفیظ صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ سربراہ اعلیٰ دار العلوم اشرفیہ مصباح العلوم مبارکپور

(۲) نائب مفتی اعظم ہند و شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی دامت برکاتہم العالیہ صدر شعبۂ افتاء دار العلوم اشرفیہ۔

(۳) ممتاز الفقہاء محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ قادری دامت برکاتہم العالیہ شیخ الحدیث و صدر المدرسین دار العلوم اشرفیہ۔

(۴) حضرت مولانا محمد احمد صاحب قبلہ مصباحی مدظلہ استاذ دار العلوم اشرفیہ۔

(۵) حضرت مولانا نظام الدین صاحب رضوی استاذ و مفتی دار العلوم اشرفیہ

(۱) اس نشست میں ایک مجلس علماء قائم کی گئی جس کا نام "مجلس شرعی" تجویز کیا گیا۔

(۲) مجلس شرعی کے ارکان حسب ذیل علمائے کرام منتخب ہوئے۔

(۱) عزیز ملت حضرت مولانا عبد الحفیظ صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ ———— سرپرست

(۲) نائب مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی دامت برکاتہم القدسیہ ———— سرپرست

(۳) محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ قادری دامت برکاتہم العالیہ ———— صدر مجلس

(۴) حضرت مولانا محمد احمد صاحب قبلہ مصباحی استاذ دار العلوم اشرفیہ ———— رکن

(۵) حضرت مولانا محمد نظام الدین صاحب رضوی استاذ و مفتی " " ———— رکن

(۶) حضرت مولانا محمد معراج القادری صاحب استاذ و مفتی " " ———— رکن

(۷) جناب مولانا محمد نسیم صاحب شعبۂ دار الافتاء دار العلوم اشرفیہ ———— رکن

(۹) جناب مولانا محمد آل مصطفیٰ صاحب استاذ دارالعلوم امجدیہ گھوسی ———— رکن

صدر دفتر:- اس کا صدر دفتر، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکپور میں ہوگا۔

ارکان مجلس:- اس مجلس کے ارکان صرف علماء ہوں گے ان تمام شرائط کے ساتھ جو دارالعلوم اشرفیہ کے غیر مبدل اصول میں مصرح ہیں۔

مجلس شرعی کے اغراض و مقاصد (۱) سراج الامہ، امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ والرضوان اور آپ کے اصحاب کی "سنت تدوین فقہ" کا احیاء اور جدید تقاضوں کے مطابق فقہی احکام کی جامع کتابوں کی تالیف (۲) نو پیدا مسائل کے شرعی حل تلاش کرنا اور اس کے لئے مجلس مذاکرہ کا انعقاد (۳) نوجوان علماء کی فقہی تربیت، تاکہ مستقبل قریب میں بالغ نظر فقہاء کا گروہ تیار ہو سکے (۴) مجلس کے تحت تالیف شدہ کتب و رسائل، حل شدہ مسائل، منتخب مقالات و مباحث اور اس کے کاموں سے متعلق مفید معلومات کی اشاعت۔

قرآن
حدیث
تفسیر
اور دیگر
علمی و ادبی کتابوں کا
مرکز
برکاتی پبلشرز پہلی منزل، نیک محمد بلڈنگ چھاگلہ اسٹریٹ کھارادر کراچی ۔۔۔۔

عرضِ مدعا

از

عزیز ملت حضرت علامہ عبد الحفیظ صاحب مدظلہ سرپرست مجلس شرعی و سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً

معزز علمائے کرام و مقتدر ہستیاں کرام! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

سب سے پہلے تو میں آپ حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ مجلس شرعی کی دعوت پر آپ نے سفر کی صعوبت برداشت کی، مسائل کی نزاکت و اہمیت کو محسوس کیا، اور اپنے معروف ترین وقت کی قربانی دے کر شرعی مسائل پر غور و خوض کے لئے یہاں تشریف لانے کی زحمت گوارہ فرمائی۔ شکر اللہ سعیکم و جزاکم خیراً۔

میں آپ حضرات کی موجودگی کو غنیمت جانتے ہوئے مجلس شرعی کی تاسیس کے محرکات اور اس کے مقاصد و غایات کو چند لفظوں میں یہاں واضح کر دینا چاہتا ہوں۔

حضرات! آپ کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ اقتصادی و تجارتی میدانوں میں مغرب کی پیش رفت اور ہر روز و شب سے اس کی آزادی نے آج اہل اسلام کے لئے بہت سے مسائل پیدا کر دیئے ہیں۔ وہ مال و دولت کی افزائش کے لئے جو کوئی بھی منصوبہ وضع کرتا ہے اندر پوری دنیا میں بشمول مسلم ممالک اسے رائج کرتا ہے۔ وہ منصوبہ اور اس کا طریقہ کار دوسرے ممالک کے اہل اقتدار اور مسلم و غیر مسلم عوام تیزی سے اپنا لیتے ہیں۔ اور یہ دیکھنے کی زحمت نہیں کرتے کہ یہ طریقے پاکیزہ ہیں یا نہیں؟ اور ان کا متبادل پاک و صاف طریقہ کیا ہو سکتا ہے؟ اس صورت حال میں علمائے اسلام کو زیادہ باخبر اور چوکنا رہنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس طرح کہ وہ منصوبوں کے رائج ہونے سے پہلے ان سے آگاہ ہو کر ان کے شرعی حسن و قبح کو واضح کر دیں تاکہ جو حکام اور عوام پابند اسلام ہیں وہ علما کی دی ہوئی ہدایات کی روشنی میں ہی کوئی اقدام کریں۔

ہمیں اس پر ہمیشہ غیر متزلزل یقین رہنا چاہیے کہ اسلام کا دستور و قانون ہر شعبۂ زندگی کو حاوی ہے اور وہ ہر بات میں صحیح ہدایات اور ہر دور میں دنیا کی رہنمائی کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن اس عقیدے کو عوام کے دلوں میں راسخ کرنے

کے لئے علماء کو ہمہ وقت تیار رہنا اور ان کے ہر شعبۂ زندگی کے لئے مناسب ہدایات فراہم کرنا لازم ہے۔
مگر ہم دیکھتے یہ ہیں کہ آج بہت سے مسائل ہیں جن کا کوئی منقح جواب عوام کے سامنے نہیں اور وہ جیسے چاہتے ہیں اپنی تجارتی، اقتصادی اور عام زندگی کی گاڑی کھینچے چلے جاتے ہیں نہ وہ علماء کی جانب رجوع کرتے ہیں نہ علماء انھیں قریب پاکر یا قریب لاکر کوئی ہدایت فرماتے ہیں۔
مزید وضاحت کے لئے عرض ہے کہ مثلاً آج بینک اور کمپنیوں کا نظام پوری دنیا میں رائج ہے لیکن یہ نظام کہاں تک اسلامی اصولوں کے موافق ہے اور کہاں اس سے متصادم ہے۔ اس سے متعلق بہت سے جزئیات ہیں جن میں سے ہر ایک پر واضح ہدایت کی ضرورت ہے۔ یقیناً آج امام احمد رضا قدس سرہ کی فکر رسا ہوتی تو مبسوط رسائل کی شکل میں پورے بینکنگ نظام کا ایسا جواب ہمارے ہاتھوں میں ہوتا جو اس کے تمام جزئیات کی تنقیح کرتا ہوا نظر آتا۔ ساتھ ہی ایسا متوازن نظام بھی بتاتا جو اس کا بہتر بدل اور زیادہ قابل عمل ہوتا۔ مگر آج بالعموم اس باب میں تشنگی ہی تشنگی نظر آتی ہے۔
(۲) یوں ہی علاج کے سلسلے میں بھی جدید ٹکنالوجی نے بڑی پیش رفت کی ہے جس میں مریض کو خون چڑھانا، خون کی خرید و فروخت ہونا، اعضاء کی پیوندکاری کرنا۔ وغیرہ ایسی بہت سی شکلیں سامنے آتی ہیں جن میں مسلم عوام بھی مبتلا ہیں۔ جو دوائیں بنتی ہیں ان کے اجزاء کیا ہیں؟ اور ان کی حلت، حرمت، نجاست، طہارت سے متعلق شرع اسلامی کا فیصلہ کیا ہے اور عوام و خواص کا عمل کیا ہے؟ یہ ساری چیزیں حل طلب ہیں۔
میں نے صرف اشارہ کیا ہے ایسے بیسیوں مسائل ہیں جن میں عوام کو رہبری کی ضرورت ہے مکمل فہرست آپ حضرات خود تیار کر سکتے ہیں۔
حضرات سامعین! یہ علماء کرام کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ ہر پیدا شدہ مسئلہ میں حکم شرعی بھی دریافت کریں اور عوام کو صحیح راہ دکھانے کی کوشش بھی کریں نہ یہ کہ جائز و ناجائز جو بھی طریقہ رائج ہو جائے اس پر چلنے کے لئے عوام کو آزاد چھوڑ دیں۔ بلکہ خود علماء بھی اس میں مبتلا ہو جائیں۔ والعیاذ باللہ
لیکن ہم دیکھتے یہ ہیں کہ علماء کی ایک جماعت وہ ہے کہ مساجد کی امامت سے وابستہ ہے دوسری وہ جو تقریر کے جلسوں سے متعلق ہے۔ تیسری وہ جو درسگاہوں کے اندر تعلیم و تدریس میں مصروف ہے اور چوتھی وہ جو دوسرے مختلف دینی و دنیاوی کاموں سے منسلک ہے اور عموماً حال یہ ہے کہ اپنے دائرہ کار سے باہر کچھ کرنے کی یا تو بالکل فرصت ہی نہیں یا اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔ ہاں ایک مختصر جماعت وہ ہے جو افتاء کے کام میں مشغول ہے مگر صورت حال یہ ہے کہ ان مسائل کے جوابات تو بڑی آسانی سے مل جاتے ہیں جن سے متعلق کتابوں میں صریح جزئیات موجود ہیں لیکن نئے مسائل کے متعلق واضح فتاویٰ سامنے نہیں آتے۔
اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جوابات مختلف نظر آتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ دنیا کے رائج طریقوں سے

پوری واقفیت، پھر اسلامی شریعت کی رو سے ان کے احکام کا استخراج اور غلط طریقوں کے متبادل جائز، آسان اور قابل عمل، بلکہ زیادہ منفعت بخش اور دلکش طریقوں کی تجویز بڑا طویل، محنت طلب اور مشکل عمل ہے جس کے لئے کافی علم، آگہی، مسلسل غور و خوض اور مکمل تنقیح و توضیح کی ضرورت ہے مگر روز بروز جو عملی انحطاط ہوتا جا رہا ہے اس کے پیش نظر یہ کام اور زیادہ مشکل ہو جاتا ہے۔

ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ بہت سے ذی صلاحیت علماء افتاء کے بجائے تدریس یا اور کسی کام میں لگے ہوئے ہیں اور نئے مسائل کی جانب یا تو ان کی توجہ نہیں یا ان کا حل تلاش کرنے کا موقع نہیں۔ ان حالات میں یہ ضرورت محسوس کی گئی کہ مختلف قوتیں مل کر کام کریں اور بکھری ہوئی توانائیاں سمٹ کر سرگرم عمل ہوں تاکہ جو کام انفرادی طور پر نامکمل رہ جاتا ہے اجتماعی طور پر مکمل ہو اور عوام کے سامنے جو جواب آئے وہ تنقیح شدہ اور واضح ہو۔

اگر علماء نے عوام کو آزاد چھوڑ دیا تو ضرور ان سے اس کی باز پرس ہوگی۔ یوں ہی اگر عوام اپنے علماء کے یہاں حل نہ پا کر دوسروں کی رہنمائی پر غلط صحیح جیسے بھی ہو چلنے لگے تو اس کا وبال بھی عوام کے ساتھ علماء کے سر ضرور آئے گا۔ حالات سے یکلخت منہ موڑ لینا یا گھر بیٹھ کر یہ فیصلہ کر لینا کہ میدان میں سب خیریت ہے کوئی دانشمندی یا دلیری نہیں۔ نہ ہی خدا ترسی و احساس ذمہ داری۔ بلاشبہ عوام کی ہدایت و قیادت اور ان کی اصلاح و رہبری علماء کی اہم ذمہ داری ہے جس سے غفلت اپنے فرض منصبی سے غفلت ہے۔

مجلس شرعی کا قیام اسی احساس ضرورت کے تحت عمل میں آیا۔ اس کا طریقہ کار یہ ہوگا کہ پیدا شدہ مسائل میں اگر اکابر فقہاء خصوصاً امام احمد رضا قدس سرہ کی تصریحات سے کوئی فیصلہ مل جاتا ہے تو اسی کو لائحہ عمل بنایا جائے اور اگر اختلاف زمانہ کے باعث اس پر عمل دشوار ہو چکا ہے تو اس کا صحیح جائزہ لے کر شریعت کے اصولوں ہی کی روشنی میں کوئی راہ متعین کی جائے مزید تفصیل "رہنمائے اصول" کے تحت آپ حضرات ملاحظہ فرما چکے ہوں گے۔

میں ایک بار پھر ضرورت کی اہمیت کی جانب متوجہ کرتے ہوئے گذارش کروں گا کہ دیگر ارباب علم و فضل کو بھی آپ ان مسائل میں تعاون کے لئے آمادہ کریں مجلس شرعی کی جانب سے ذمہ داران مدارس کو بھی لکھا گیا ہے کہ اپنے علمائے کرام کے لئے ایسی سہولتیں فراہم کریں کہ وہ جدید مسائل کا حل تلاش کر سکیں۔ فقاہت کی ضرورت امت کو ہر دور میں رہی ہے اور آج بھی ہے اسی لئے قرآن کریم کا ارشاد ہے:

فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون (۱۲۲- توبہ)۔ تو کیوں نہ ہو کہ ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے تاکہ وہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس جا کر اپنی قوم کو ڈر سنائیں اس امید پر کہ وہ بچیں۔

اسلئے علماء کرام کو خود بھی مسائل کا حل تلاش کرنا ہے اور ایسی جماعت بھی ہمیشہ تیار کرنی ہے جو اپنے علم و استعداد کی بنیاد پر مسائل کا استخراج کر سکے۔

حضرات! یہ مجلس شرعی کا پہلا سیمینار ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ بھی ہوتا رہے گا۔ بشرطیکہ ہمارے اہل علم اور ذمہ دار حضرات اپنی دلچسپی اور فقہ و عمل کا ثبوت پیش کریں۔ اور یہ خود ان کی ذمہ داری ہے کیونکہ مجلس شرعی خود ان کی مجلس ہے اور اس کے مقاصد و مشاغل خود علماء کے مقاصد و مشاغل ہیں۔

مجلس شرعی کے اس چار روزہ سیمینار کا دعوت نامہ تقریباً ڈیڑھ سو علماء کے پاس بھیجا گیا لیکن جب کسی کام کی ابتدا ہوتی ہے تو عموماً یاس و امید کی کشمکش رہتی ہے اور کبھی لوگ انشراح صدر کے ساتھ پہلے پہل نہیں آتے مگر جوں جوں کام کو ترقی ملتی ہے اور اس کی افادیت عیاں ہوتی ہے اس کے دائرہ کار اور اس کے معاونین و شرکا میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

اس سیمینار میں شریک مندوبین کی تعداد سے ہم بہت پر امید ہیں اور توقع رکھتے ہیں کہ آئندہ شرکاء کی تعداد اور ان کی دلچسپی فزوں تر ہوگی۔ جو حضرات تشریف لائے ہیں ان کا ہم ایک بار پھر شکریہ ادا کرتے ہیں اور گذارش کرتے ہیں کہ آپ کی خدمت و ضیافت یا اعزاز و اکرام میں اگر میزبانوں کی جانب سے کوئی کوتاہی سرزد ہوئی ہو تو اس سے درگذر فرمائیں۔ بلند مقصد جب پیش نظر ہوتا ہے تو بہت سی صعوبتیں اٹھانی پڑتی ہیں۔ اور ارباب اخلاص ان کے لئے ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ مقصد کی اہمیت کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے اوقات کو آپ زیادہ سے زیادہ کارآمد بنانے کی کوشش کریں گے۔ اور پروگرام کے اوقات کا پورا پورا خیال رکھیں گے۔

والسلام — نیاز مند

عبد الحفیظ عفی عنہ

خطبۂ استقبالیہ

از فقیہ عصر حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی دام ظلہٗ سرپرست مجلس شرعی

(ناظم تعلیمات، صدر شعبۂ افتاء جامعہ اشرفیہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً۔

حضرات علمائے کرام، مفتیان عظام و جملہ حاضرین! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ آپ حضرات جہاں بھی رہیں وہاں اہم دینی خدمات میں مصروف رہتے ہیں اس کے باوجود ہم نے آپ حضرات کو صعوبت سفر برداشت کر کے تشریف لانے کی زحمت دی۔ جب تک حضرت مفتی اعظم ہند باحیات تھے ان کی ذات سارے علماء و مشائخ اور عوام و خواص کا مرجع تھی اور جب کسی بھی نئے پیدا شدہ حادثے کے بارے میں علماء اور مفتیان کرام کے مابین کوئی فرعی اختلاف ہوتا تو حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کا ارشاد قول فیصل ہوتا۔ ان کے فرمان کو سبھی بلاچون وچرا تسلیم کر لیتے۔ لیکن حضرت مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ہمارا کوئی مرجع اعظم نہیں رہا۔ اور کیفیت یہ ہے کہ ایک طوائف الملوکی سی پیدا ہو گئی ہے جس کے نتیجے میں عوام تو الجھن کے شکار ہو ہی گئے خواص میں بھی انتشار و افتراق نظر آتا ہے اور سب سے افسوسناک پہلو یہ ہے کہ اختلافات کی خلیج پاٹے جانے کے بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ اسلئے عزیز ملت حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ نے یہ مجلس شرعی قائم فرمائی تاکہ ہمارے مفتیان کرام اور بالغ نظر علمائے کرام اکٹھا بیٹھ کر آپس میں تبادلۂ خیال کر کے کسی بھی مسئلے میں متفقہ فتویٰ دیں۔

یہ حقیقت میں امام الائمہ سراج الامہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریقۂ کار کا احیاء ہے۔

حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے اصحاب و تلامذہ کی ایک جماعت مخصوص فرمائی تھی جو جزئیات پر مکمل غور و خوض بحث و تمحیص کرنے کے بعد کوئی فیصلہ کرتی۔ اس کے باوجود کہ فقہائے کرام نے بہت عرق ریزی، جانفشانی دقیقہ بینی سے کام لے کر سیکڑوں کلیات اور ہزاروں جزئیات اپنی مصنفات میں درج فرما دیئے ہیں جن کی روشنی میں قیامت تک پیدا ہونے والے حوادث کے احکام معلوم کئے جا سکتے ہیں۔

لیکن یہ کام آسان نہیں جزئیات کے کلیات کے تحت ہونے نہ ہونے یا ایک جزئیہ کے دوسرے جزئیہ کے ساتھ علت میں مشترک ہونے کا فیصلہ آسان کام نہیں اس کے لئے ذہانت و فطانت کے ساتھ ساتھ وسعت مطالعہ، قوت اخذ، قوت تنقید اور قوت تنقیح کا ہونا ضروری ہے اس کو آپ ان دو مثالوں میں سمجھئے۔ حضرت قتادہ، جو ایک عظیم فقیہ اور محدث تھے کوفہ تشریف لائے ساری خلقت استفادہ کے لئے ٹوٹ پڑی، ان کے علم و فضل کے غلغلے سے سارا کوفہ گونج اٹھا، حضرت امام اعظم کا ابتدائی دور تھا یہ بھی ان کی مجلس میں تشریف لے گئے ان سے ایک سوال کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کو دیکھ کر جس چیونٹی نے یہ کہا تھا کہ اے چیونٹیو! اپنی بلوں میں چلی جاؤ، کہیں سلیمان اور ان کا لشکر تم کو کچل نہ دے۔ یہ چیونٹی نر تھی یا مادہ؟ حضرت قتادہ نے لاعلمی ظاہر کی۔ حضرت امام اعظم نے فرمایا کہ مادہ تھی اس لئے کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا۔ قالت نملة، اس کے لئے مؤنث کا صیغہ آیا ہے۔ حضرت امام شعبی جو اجلہ تابعین میں محدث بھی ہیں فقیہ بھی ہیں اس کے قائل تھے کہ معصیت میں کفارہ نہیں۔ ایک دفعہ یہ اور امام اعظم کہیں کشتی پر جا رہے تھے یہی مسئلہ چھڑ گیا۔ حضرت امام اعظم نے فرمایا کہ گناہ میں بھی کفارہ ہے ظہار کے بارے میں ارشاد ہے:

اِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا (مجادلة آیت ۲) — اور بلاشبہ یہ لوگ بری اور بڑی جھوٹی بات کہہ رہے ہیں۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ ظہار گناہ ہے اور اس پر کفارہ ہے۔

قرآن مجید پھر احادیث پھر اسلاف کرام کے ارشادات میں سب کچھ ہے مگر اخذ کرنا تنقیح کرنا سب کا کام نہیں۔ اسی کو حدیث میں فرمایا گیا۔

رب حامل فقه غير فقيه ورب حامل فقه الى من هو افقه منه۔ — بہت سے فقہ کے حامل فقیہ نہیں اور بہت سے فقہ کے حامل اس تک بات پہنچاتے ہیں جو ان سے زیادہ فقیہ ہوتا ہے۔

ماضی قریب کے چند جدید مسائل کو لیجئے۔

جب انگریزوں نے منی آرڈر کا سلسلہ قائم کیا تو دیوبندیوں کے مقتدائے اعظم جناب گنگوہی صاحب سے سوال ہوا۔ انھوں نے فتویٰ دیا کہ منی آرڈر کرنا جائز نہیں، جو رقم بنام فیس دی جاتی ہے سود ہے۔

لیکن یہی سوال مجدد اعظم اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہ سے ہوا تو آپ نے اس مسئلے کے انتہائی پیچیدہ اور دقیق پہلو کو اجاگر کر کے مسئلے کی ایسی تنقیح فرمائی کہ گنگوہی صاحب کے شبہات کی

ے عقود الجمان باب الثامن

جڑ بھی کٹ گئی اور حکم واضح ہوگیا کہ منی آرڈر کی فیس سود نہیں۔ اجرت ہے اور یہ جائز ہے جس کے نتیجہ میں خود دیوبندی مذہب کے مفتی صاحبان کو بھی سوائے تسلیم کے اور کوئی چارہ کار نہ رہا۔

جب نوٹ چلنے لگا تو اس کے بارے میں یہ سوال اٹھ کھڑا ہوا کہ یہ چیک ہے یا ثمن اصطلاحی؟ یہ مسئلہ جب اعلم علماء مکہ مفتی حنفیہ حضرت مولانا جمال بن عبد اللہ بن عمر کی کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ نے باں جلالت علم یہ فرمایا علم علماء کی گردنوں میں امانت ہے مجھے اس کے جزئیے کا پتہ نہیں چلا کہ کچھ حکم دوں۔

(الملفوظ جلد ۲ ص ۱۸)

اور یہی مسئلہ جب فرنگی محل کے سرمایۂ افتخار حضرت مولانا عبدالحی صاحب کی خدمت میں پیش ہوا تو انھوں نے فرمایا کہ یہ چیک ہے ثمن اصطلاحی نہیں۔ اور گنگوہی صاحب نے بھی یہی فتویٰ دیا۔

لیکن جب اعلیٰحضرت قدس سرہ مکہ معظمہ حج کے لئے ۱۳۲۴ھ میں گئے تو آپ کی خدمت میں بھی مسئلہ پیش ہوا۔ اعلیٰحضرت قدس سرہ نے وہیں مستقل پورا رسالہ "کفل الفقیہ الفاہم" تحریر فرمایا جس میں دلائل تاہرہ سے ثابت فرمایا کہ نوٹ چیک نہیں ثمن اصطلاحی ہے۔ جس کے دلائل کو دیکھ کر اس وقت کے مفتی حنفیہ مولانا عبد اللہ بن صدیق بن عباس انگشت بدنداں رہ گئے تھے۔ دیوبندی برادری گنگوہی صاحب کی تقلید جامد میں یہی کہتی رہی کہ یہ چیک ہے مگر آج سے چار سال پہلے پوری برادری کو تسلیم کرنا پڑا کہ یہ چیک نہیں ثمن اصطلاحی ہے جیسا کہ اسی برادری کے ایک فرد کو کہنا پڑا کہ جو بات ہم نے آج سمجھی ہے ۷۰ سال پہلے مولانا احمد رضا خاں فرما چکے ہیں۔

مجھے عرض یہ کرنا ہے کہ قرآن و احادیث اور کتب اسلاف میں سب کچھ ہے مگر ان سے کسی خاص جزئیہ کا حکم اخذ کرنا سب کا کام نہیں۔ سمندر کی تہ میں لاکھوں سیپیاں قیمتی موتیوں سے بھری تیرتی رہتی ہیں مگر انھیں حاصل کرنا سب کا کام نہیں۔

اس وقت ہمارے سامنے ایسے مسائل ہیں جو لاینحل پڑے ہیں اور اب حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہ جیسا مستند و مستند مرجع نہیں۔ جو لوگ منظر عام پر ہیں ان پر غفلت اور کسل طاری ہے مطالعہ کی وسعت کا فقدان غور و تفکر کی عادت مفقود ہے جس کے نتیجے میں مفتیان کرام کے مابین اختلاف رائے ہو جاتا ہے مثلاً مجھ سے سوال ہوا کہ زید کے ذریعہ ہزار مرغیوں کو سالانہ پالتے ہیں کہ ان مرغیوں کو بھی بیچیں اور ان سے انڈے اور بچے بھی حاصل کریں اس پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ میں نے فتویٰ دیا کہ اس پر زکوٰۃ نہیں اس لئے کہ یہ مال نامی نہیں لیکن

؎ الملفوظ جلد ۲ ص ۱۰

ایک دوسرے مفتی صاحب نے فتویٰ دیا کہ اس پرند کو قے ہے سائل نے پریشان ہو کر پھر مجھے خط لکھا میں نے اسکی تھوڑی سی تفصیل؛ تنقیح کر کے اس کو بھیدیا۔ اس ماحول میں ضروری ہے کہ مفتیان کرام اکٹھا بیٹھ کر نئے مسائل میں بحث و تحقیص کے بعد متفقہ فتویٰ دیں۔

میرا اندازہ ہے کہ اب تک جو کچھ میں نے عرض کیا اس سے کسی کو اختلاف نہ ہوگا اس لئے یہ جانتے ہوئے کہ آپ حضرات اپنی اپنی جگہ اہم دینی خدمات میں مصروف ہیں آپ حضرات کو یہاں تشریف لانے کی زحمت دی۔ مجھے پر امید ہے کہ آپ حضرات کی تشریف آوری پوری ملت اسلامیہ کے لئے نتیجہ خیز اور بار آور ثابت ہوگی۔

اب چند باتوں کی آپ حضرات سے گذارش ہے۔

سوالات کے ہر پہلو کو ذہن نشین کرنے اور اس کے متعلق تمام اللہ وما علیہ کو ذہن میں رکھ کر کتب فقہ جتنی میسر آسکیں ان سب کا مکمل و کبھی عاضر دماغی سے مطالعہ کریں۔ اس کے لئے کافی محنت اور وقت کی ضرورت ہے۔ لیکن مسائل کی تنقیح کے لئے یہ ضروری ہے۔ صرف ۲، ۴ کتابوں میں اس مسئلے کے متعلق جزئیات دیکھکر کوئی حکم لگانا بہت جرأت کا کام ہے ______ مثلاً آج سے پندرہ[1] سال پہلے میرے پاس ایک سوال آیا کہ مردہ مرغی کے پیٹ سے جو انڈا نکلے وہ حلال ہے کہ حرام؟ یہ سائل خود ایک بہت بڑے مفتی ہیں میں نے بہت سی متداول کتابوں کا مطالعہ کیا لیکن کوئی حکم نہ ملا۔ اخیر میں بدائع الصنائع میں یہ مسئلہ ملا۔ ہماری کوشش یہی ہونی چاہئے کہ اسلاف نے جو کچھ فتویٰ دیا ہے اسے معلوم کرنے کی کوشش کریں اگر کسی جزئیہ کا صراحۃً کوئی حکم نہ ملے تو کلیات و جزئیات سے استخراج کیا جائے ______ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ذہین سے ذہین متبحر سے متبحر عبقری شخصیت کے ذہن میں بھی مسئلے کے بعض پہلو نہیں آتے ہیں مگر دوسرے حضرات کے ذہن میں آجاتے ہیں اس لئے آپس میں بیٹھ کر تبادلۂ خیال کر کے کوئی فیصلہ کرنا صواب کے زیادہ قریب ہوگا۔

اب میں یہ سمجھ رہا ہوں کہ ہم نے آپ حضرات کو سفر کی مشقت اٹھانے اور اپنے عزیز وقت کو صرف کرنے کی جو التماس کی ہے وہ وقت کی اہم ضرورت اور دین کا اہم فریضہ ہے۔

آپ حضرات ہمارے مہمان ہیں ہمیں یہ اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ ہم میزبانی کے فرائض کما حقہ انجام نہیں دے سکیں گے ہم آداب میزبانی سے ناواقف ہیں لیکن ہم اپنی وسعت کے مطابق یہی کوشش کریں گے کہ آپ حضرات کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو، اس کے باوجود اگر آپ حضرات کو کوئی تکلیف پہونچے تو اسے معاف فرمائیں گے۔

---

[1] بدائع ص ۲۳

اخیر میں تمام مندوبین حضرات کی خدمت میں یہ التماس کرتے ہیں کہ اجلاس کے لئے جو اوقات مقرر ہیں اس کی پوری پوری پابندی کریں، اسے ہندوستانی وقت نہ سمجھیں بلکہ معاملے کی اہمیت کو پیش نظر رکھ کر مقررہ اوقاتِ اجلاس سے ایک منٹ کے لئے بھی حتی الوسع مؤخر یا دیر نہ ہوں۔

آپ کا خادم
محمد شریف الحق امجدی

حضرت مولانا محمد احمد رضا مصباحی
نائب صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ

چار روزہ فقہی سیمینار کی ایک جھلک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ، حامداً ومصلیاً

اسلامی شریعت ہر شعبۂ زندگی میں رہنمائی کی ضامن ہے اور ہر دور میں اس نے یہ فریضہ انجام دیا ہے اگرچہ زمانہ کے انقلابات اور نت نئی ایجادات کے ساتھ گوناگوں اور پیچیدہ سوالات بھی پیدا ہوتے ہیں مگر حامئ اسلام نے اپنی فقیہانہ باریک نظری سے ہمیشہ ان سوالات کو حل کی کوشش کیا ہے لیکن یہ کوئی آسان کام نہیں جس سے ہر عالم عہدہ برآ ہو سکے اس کیلئے حالات زمانہ پر گہری نظر، اشیائے جدیدہ سے متعلق تحقیق، مطالعہ پھر شریعت اسلامیہ کے اصول و فروع سے پوری واقفیت، کمال استناد، قدرت استخراج، اور قوت فیصلہ کی ضرورت ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ اپنے گوناگوں علوم و فنون کی بنا پر تنہا ایک ایسی اکاڈمی کی حیثیت رکھتے تھے جو بہت سے علوم و فنون کے ماہرین پر مشتمل ہوا کرتی ہے ان کی بارگاہ میں جو سوال پیش ہوتا اس کا ایسا تنقیح شدہ جواب عطا فرماتے پھر کسی صاحب نظر کے لئے مجال اختلاف باقی نہ رہے۔

ان کے مجموعۂ فتاویٰ کے اندر یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ متعدد مفتیوں نے فتوے دیئے مگر اعلیٰحضرت کی خدمت میں وہ پیش ہوئے تو سب کی خامیوں کی مفصل نشاندہی کے ساتھ ایسا مفصل جواب رقم فرمایا جسے دیکھ کر اہل علم عش عش کرنے لگے۔ ریاست بہاولپور کے ہائی کورٹ میں پیش آمدہ ایک مقدمہ سے متعلق چیف جسٹس نے آٹھ مفتیوں سے رجوع کیا۔ مگر ان کے جوابات میں ایسا اختلاف و تضاد نظر آیا کہ انہیں سخت الجھن ہوئی۔ اور یہ لکھا کہ سوال ان تمام جوابات کے ساتھ بریلی حضرت مولانا احمد رضا خاں کی خدمت میں بھیجا جائے، اعلیٰحضرت نے ان جوابات کی علمی و شرعی غلطیاں ظاہر فرمائیں اور اس پیچیدہ سوال کا ایسا واضح جواب عنایت فرمایا جو صرف ایک نادر و محققانہ جواب ہے بلکہ ایک چیف جسٹس کا متوازن فیصلہ اور شرعی فیصلہ بھی ہے۔ اس کی بہت سی نظیریں فتاویٰ رضویہ میں موجود ہیں۔ اس سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

۱ ـــــ ان کے زمانے میں بہت سے قابل علماء جو خاصی شہرت واہمیت کے حامل تھے حکم شرعی کے استخراج میں خطا کر گئے اس لئے کہ اس کام کے لئے جس وسعت نظر، مہارت علوم اور عظیم بصیرت و دور رس فقاہت کی ضرورت تھی وہ لوگ اس کے حامل نہ تھے۔

۲ ـــ حکم شرعی کی دریافت کے لئے مختلف علوم و فنون میں مہارت بھی چاہئے اور وہ خاص نور فقاہت بھی جس سے امام احمد رضا قدس سرہٗ کو قدرت نے بڑی فیاضی کے ساتھ نوازا تھا۔

آج جب کہ نئے مسائل روز بروز پیش آتے رہتے ہیں اور ایسی جامع ہستیاں ہمارے درمیان ناپید ہیں تو ضرورت اس بات کی ہے کہ مختلف ماہرین فن کو مسائل کو واشگاف کریں اور ان کا ایسا علمی و شرعی حل قوم کے سامنے پیش کریں جس میں شک و تردد کی گنجائش باقی نہ رہے۔

دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور کی مجلس شوریٰ کو اس ضرورت کا شدت سے احساس ہوا۔ اور ۶ ر ذی قعدہ ۱۴۱۱ھ کی منعقدہ مجلس شوریٰ کی ایک قرارداد کی روشنی میں عزیز ملت حضرت مولانا عبد الحفیظ صاحب دام ظلہ سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ نے ۲۹ ر جمادی الآخرہ ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۰ ر دسمبر ۱۹۹۱ء دوشنبہ کو علمائے اشرفیہ کی ایک میٹنگ بلائی جس میں مجلس شرعی کا قیام عمل میں آیا۔

پھر ۲۰ ر جمادی الآخرہ ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۶ ر دسمبر ۱۹۹۲ء کو مجلس شرعی کے ارکان کی نشست ہوئی۔ جس میں مبادیات اور ضروری اصول و ضوابط طے کئے گئے اس کے ساتھ تقریباً پچاس جدید واہم مسائل بھی زیر نظر آئے جن سے متعلق یہ تجویز پیش ہوئی کہ سیمینار منعقد کر کے باضابطہ مذاکرہ و مباحثہ کے بعد ان کا شافی حل تلاش کیا جائے۔

مگر زیادہ مسائل پر یکبارگی بحث نہ ہو سکتی تھی اس لئے پہلی بار صرف تین مسائل سیمینار کے موضوع کی حیثیت سے مقرر ہوئے اور سیمینار کی تاریخ ۱۱ تا ۱۳ ر جون ۱۹۹۳ء رکھی گئی۔

سیمینار کے موضوعات

وہ تین مسائل درج ذیل ہیں:

۱ ـــ انگریزی دواؤں کا حکم۔

۲ ـــ زندگی بیمہ اور عام بیمہ کے احکام۔

۳ ـــ مشترک سرمایہ کمپنی میں شرکت اور اس کے حصوں کی خریداری۔

مجلس کی قرارداد کے مطابق حضرت مولانا مفتی نظام الدین رضوی نے ان سوالات کی مکمل تشریح، ماہرین کے بیانات کی روشنی میں مذکورہ چیزوں کی تفصیل، پھر ان سے متعلق کچھ فقہی جزئیات کی نشاندہی کرتے ہوئے علی الترتیب ۲۰ + ۴۴ + ۱۶ = (۸۰) صفحات پر مشتمل سوالنامہ بڑی محنت اور جانفشانی سے تیار کیا۔

اوائل شعبان ۱۴۱۳ھ میں یہ سوالات ملک کے معتمد مفتیان کرام اور علمائے عظام کی خدمات میں سیمینار کے دعوت نامے کے ساتھ ارسال کر دیئے گئے۔ مگر شعبان و رمضان کی تعطیلات کے زمانے میں اکثر حضرات کے وطن چلے جانے اور مناسب

وقت پر ڈاک موصول نہ ہونے یا دیگر مصروفیات میں لگ جانے کی وجہ سے ایک طویل عرصہ یوں ہی نکل گیا اور متوقع وقت تک موصول ہونے والے مقالات کی تعداد بہت کم نظر آئی اس لیے سیمینار کی تاریخ آگے بڑھا کر ۱۰، ۱۱، ۱۲ اکتوبر ۱۹۹۲ء مقرر کی گئی اور مقالات بھیجنے کی تاریخ ۳۱ جولائی ۱۹۹۲ء رکھی گئی۔

بحمدہ تعالیٰ اس مہلت سے بڑا فائدہ ہوا علمائے کرام نے مجلس کو قیمتی مقالات سے نوازا اور سیمینار میں شرکت سے بھی ممنون فرمایا۔

ان مقالات کا خلاصہ، بحثوں کا تذکرہ اور فیصل بورڈ کا فیصلہ آخر میں درج ہوگا — پہلے سیمینار کی مختصر رپورٹ نذر قارئین ہے۔

سیمینار کی اجمالی رپورٹ

سیمینار چھ خصوصی نشستوں اور ایک جلسۂ عام پر مشتمل تھا۔ ان کی قدرے تفصیل یہ ہے۔

پہلا اجلاس یکم جمادی الاولی ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۰ اکتوبر ۱۹۹۲ء دو شنبہ ۹ تا ۱۱½ بجے شب۔

صدارت اجلاس :۔ شارح بخاری فقیہ عصر حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی دامت برکاتہم۔ سرپرست مجلس شرعی، ناظم تعلیمات و صدر شعبۂ افتاء دار العلوم اشرفیہ مبارکپور۔

نظامت :۔ مولانا محمد احمد مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ و رکن مجلس شرعی

قرآن حکیم کی تلاوت سے اجلاس کا آغاز ہوا۔ پھر ایک نعت پاک پڑھی گئی اس کے بعد مندوبین کی خدمت میں مجلس شرعی کے سرپرست حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی دام ظلہ نائب مفتی اعظم ہند قدس سرہ نے خطبۂ استقبالیہ پیش کیا پھر مجلس شرعی کے صدر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری مدظلہ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارکپور نے مندوبین و سامعین کو خطبۂ صدارت سے نوازا۔ ان کے بعد مجلس شرعی کے سرپرست دار العلوم اشرفیہ کے سربراہ اعلیٰ حضرت مولانا عبد الحفیظ صاحب مدظلہ نے علمائے کرام کی خدمت میں " عرض مدعا " کے نام سے مجلس شرعی کے قیام کے اسباب اور علمائے کرام کی مذہبی ذمہ داری پر روشنی ڈالی۔ " خطبۂ استقبالیہ " اور " عرض مدعا " کا متن اسی شمارے میں دوسری جگہ ملاحظہ فرمائیں۔

اس ابتدائی کاروائی کے بعد مندوبین نے انگریزی دواؤں سے متعلق اپنے مقالات پڑھے اور ۱۱½ بجے صلوٰۃ و سلام اور دعا پر اجلاس اختتام پذیر ہوا۔

دوسرا اجلاس ۲ جمادی الاولی ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۱ اکتوبر ۱۹۹۲ء یکشنبہ ۹½ تا ۱½ بجے دن

صدارت :۔ بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبد المنان اعظمی مصباحی دام ظلہ شیخ الحدیث دار العلوم اہلسنت

شمس العلوم گھوسی ضلع مئو۔

نظامت :- محمد اسعد مصباحی جھیرہوی۔

اس اجلاس میں سابق الذکر موضوع سے متعلق باقی ماندہ مقالات پڑھے جانے کے بعد مندوبین کو مقالات اور موضوع مقالات پر بحث کی دعوت دی گئی جو بہت خوشگوار ماحول میں جاری رہی۔ موضوع کے بعض گوشے طے ہو گئے اور بعض کو فیصلہ بورڈ کے حوالہ کرتے ہوئے ۱ بجے صلوٰۃ و سلام اور دعا پر اجلاس ختم کر دیا گیا۔ پھر نماز ظہر اور طعام کے بعد مندوبین کو کچھ آرام لینے کا موقع دیا گیا۔

تیسرا اجلاس

۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ مطابق ۱۹ اکتوبر ۱۹۹۳ء منگل ۷ تا ۱۰ بجے شب۔

صدارت :- حضرت مولانا سید ظہیر احمد زیدی قادری مدظلہ تلمیذ صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی قدس سرہ و سابق استاذ شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

نظامت :- محمد احمد مصباحی۔ رکن مجلس شرعی

موضوع :- انشورنس اور جنرل انشورنس (بیمۂ زندگی و بیمۂ اموال وغیرہ)

حسب سابق اس اجلاس میں بھی تلاوت قرآن حکیم اور نعت پاک کے بعد مندوبین نے موضوع بالا پر اپنے مقالات پڑھے جو آخر وقت تک جاری رہے۔ ۱۰ بجے صلوٰۃ و سلام اور دعا پر اجلاس ختم ہوا۔ پھر نماز عشا کی اذان اور جماعت ہوئی۔ بعد نماز کھانے مندوبین نے ماحضر تناول فرمایا اور آرام کیا۔

چوتھا اجلاس

۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ مطابق ۲۰ اکتوبر ۱۹۹۳ء بدھ ۸½ تا ۱½ بجے دن۔

صدارت :- حضرت مولانا مفتی جلال الدین احمد امجدی دام ظلہ مفتی دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف۔ ضلع بستی یوپی۔

نظامت :- مفتی محمد نظام الدین رضوی۔ رکن مجلس شرعی۔

اس اجلاس میں بیمۂ زندگی بیمہ اور بیمۂ اموال سے متعلق مباحثے ہوئے۔ نتیجۂ بحث آگے ملاحظہ فرمائیں۔ ۱½ بجے صلوٰۃ و سلام اور دعا پر اجلاس اختتام پذیر ہوا۔

باقی اوقات کے کام حسب سابق انجام پذیر ہوئے۔

پانچواں اجلاس

۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ مطابق ۲۰ اکتوبر ۱۹۹۳ء بدھ ۶ تا ۱۰ بجے شب

صدارت :- عزیز ملت حضرت مولانا عبد الحفیظ صاحب مدظلہ سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ و سرپرست مجلس شرعی۔

نظامت :- مفتی محمد نظام الدین رضوی۔ رکن مجلس شرعی و استاذ و نائب مفتی دار العلوم اشرفیہ۔

موضوع :- مشترکہ سرمایہ کمپنی میں شرکت اور اس کے حصوں کی خریداری۔

اس اہم موضوع پر متعدد وقیع مقالات پڑھے گئے مگر اس نشست میں سب مکمل نہ ہوسکے اسلئے ایک بجے سلام ودعا پر اجلاس ختم کرتے ہوئے باقی مقالات اور مباحثے کو دوسرے دن کے لئے ملتوی کردیا گیا۔

چھٹا اجلاس

۳ جمادی الاولی ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۱ اکتوبر ۱۹۹۲ء جمعرات ۸ ½ تا ۱ ½ بجے دن۔

صدارت :- حضرت علامہ اختر رضا خاں ازہری دامت برکاتہم القدسیہ، جانشین مفتی اعظم ہند سربراہ مرکزی دارالافتاء، بریلی شریف۔

نظامت :- مفتی محمد نظام الدین رضوی

اس اجلاس میں تلاوت قرآن ونعت کے بعد سابقہ موضوع سے متعلق باقی مقالات پڑھے گئے پھر بحث کا دور شروع ہوا۔ یہ موضوع بہت دقیق اور اہم تھا اس لئے آخر وقت اجلاس تک فیصلہ کن مرحلے میں نہ پہونچ سکا اور مزید غور وخوض کے بعد آئندہ بحث وفیصلہ کے لئے ملتوی کیا گیا۔ ۱ ½ بجے سلام ودعا پر یہ اجلاس ختم ہوا۔ حضرت علامہ اختر رضا خاں ازہری مدظلہ کی تشریف آوری اسی دن صبح کو ہوئی۔ ان کی آمد سے مجلس شرعی کے ارکان اور مندوبین کرام وشرکائے اجلاس کی بڑی حوصلہ افزائی ہوئی۔ وہی فیصل بورڈ کے صدر منتخب ہوئے اور ان کے ساتھ حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری، حضرت علامہ مفتی جلال الدین احمد امجدی رکن ہوئے۔ اجلاس نے طے کیا کہ بورڈ کے اصل ارکان اور ذمہ داران یہی تین حضرات ہونگے۔ لیکن اپنے تعاون کیلئے جن حضرات کی بھی ضرورت سمجھیں ان سے مدد لے سکتے ہیں۔

اجلاس عام

۴ جمادی الاولی ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۱ اکتوبر ۱۹۹۲ء جمعرات بعد نماز عشاء ۹ تا ۱۲ ½ بجے شب۔

صدارت :- حضرت علامہ اختر رضا خاں ازہری مدظلہ جانشین مفتی اعظم ہند بریلی شریف۔

یہ اجلاس مندوبین اور علمائے کرام کے علاوہ طلبہ وعوام پر بھی مشتمل تھا۔

اس میں حضرت نائب مفتی اعظم علامہ مفتی شریف الحق امجدی دامت برکاتہم نے خطبہ استقبالیہ پیش کیا اور جامعہ کے سربراہ اعلیٰ عزیز ملت مولانا عبد الحفیظ صاحب دام ظلہ نے مجلس شرعی کی ضرورت وافادیت پر روشنی ڈالی اور شرکاء کا شکریہ ادا کیا۔ اسی طرح مجلس شرعی کے صدر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری مدظلہ نے مندوبین کے شکریہ کے ساتھ مجلس کی اہمیت بیان کی اور پانچ روزہ نشستوں کے نتائج سنائے۔ مولانا آل مصطفیٰ مصباحی نے ان نشستوں کی اجمالی رپورٹ پیش کی۔

حضرات مندوبین نے مجلس شرعی اور اس کے سیمینار سے متعلق اپنے تاثرات پیش کئے جن میں حضرت مولانا خواجہ مظفر حسین رضوی، حضرت مولانا مفتی جلال الدین احمد امجدی، حضرت مولانا مفتی اختر حسین رضوی اور متعدد حضرات نے خطاب کیا۔ مزید براں حضرت علامہ اختر رضا خاں ازہری مدظلہ نے بھی اپنے کلمات خیر سے نوازا ان تاثرات کا مختصر خلاصہ کچھ اسطرح ہے۔

مجلس شرعی کا قیام وقت کی ایک اہم ضرورت ہے اور جامعہ اشرفیہ کا ملک کی دیگر علمی ودینی ضرورتوں کی تکمیل کے ساتھ

اس طرف متوجہ ہونا باعث مبارکباد اور لائق تحسین ہے۔

جامعہ کی خدمات پورے ملک کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی ہیں اور اب اس کا دائرہ عمل دیگر ممالک کو بھی محیط ہورہا ہے۔ جامعہ اشرفیہ نے ہر میدان میں بہترین افراد پیدا کئے۔ اور اس سیمینار میں بھی اکثر مصباحی حضرات نے ہی مقالات پیش کئے۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ جامعہ نے اپنے طرز تعلیم میں علمی بالغ نظری کے ساتھ علمی پختگی اور فقہی دقیقہ سنجی بھی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

یہ سارا فیضان حافظ ملت حضرت مولانا عبد العزیز مرادآبادی قدس سرہ کا ہے جن کی روحانیت آج بھی کارفرما ہے۔ پھر ان کے جانشین حضرت عزیز ملت کے اخلاص عمل اور حسن نیت کا ثمرہ ہے کہ اس وسیع پیمانے پر سیمینار کا انعقاد ہوا اور علمائے کرام کے اعزاز و اکرام اور انھیں راحت پہونچانے میں ہر طرح حسن انتظام اور سلیقہ مندی کا ثبوت پیش کیا گیا۔ سیمینار کی بحثیں نہایت سنجیدہ اور خوشگوار ماحول میں خالص علمی انداز میں جاری رہیں جب تک کوئی مسئلہ منقح نہ ہوگیا فیصلہ نہ کیا گیا۔ یہی اہل علم اور اہل تقویٰ کی شان ہے۔ یقیناً ان تمام امور میں مجلس شرعی کے ارکان اور جامعہ اشرفیہ کے اساتذہ کا خاص حصہ ہے۔ اساتذہ ہی کا یہ فیضان ہے کہ ان کے فارغ شدہ تلامذہ اتنے دقیق علمی مسائل پر بحث کرسکے اور مقالات لکھے۔ ان کے حسن تعلیم و تربیت کو فراموش کرنا بہت بڑی ناسپاسی ہوگی۔

حسن انتظام

• صفحات پر مشتمل سوالنامے کی کتابت و طباعت • مندوبین کی خدمات میں ان کی ترسیل • ان سے رابطہ و تقاضا • سیمینار کی تیاری • خطبۂ استقبالیہ، عرض مدعا، نظام الاوقات وغیرہ کی کتابت و طباعت • مندوبین کا استقبال • ان کے قیام و طعام کا معقول بندوبست • سیمینار ہال کیلئے سامانوں کی فراہمی • مندوبین کے لئے ضروری امور کا انتظام • وقت پر جلسوں کے آغاز و اختتام کا اہتمام۔

بہت سے کام ہیں جو اس سیمینار کے سلسلے میں سلیقہ مندی اور نظم و ضبط سے انجام پائے ہیں۔ ان میں سے بیشتر امور مجلس کی نشست دسمبر ۱۹۹۲ء کی تجویز کے مطابق حضرت مولانا محمد معراج القادری استاذ و نائب مفتی اشرفیہ و رکن مجلس شرعی کے ذمہ تھے جو انھوں نے بڑی محنت و تندہی سے انجام دیئے۔ حسن انتظام کے سلسلے میں وہ بجا طور سے جملہ مندوبین اور مجلس شرعی کی جانب سے تحسین و تبریک کے مستحق ہیں۔ رب کریم انھیں صحت و عافیت، سلامت روی، استقامت اور مزید محاسن سے نوازے۔ مفتی نظام الدین رضوی کی رفاقت و معاونت اور رہنمائی کا بھی اس میں خاص حصہ ہے انتظامات کے سلسلے میں اسٹاف کے کچھ اور حضرات کا بھی سرگرم تعاون رہا۔ مثلاً ماسٹر فیاض احمد صاحب نگراں دار الاقامہ قاری جلال الدین صاحب استاذ شعبۂ قرأت، مولانا زاہد علی سلامی استاذ جامعہ اشرفیہ، مولانا محبوب احمد عزیزی مدیر ماہنامہ اشرفیہ۔ ماسٹر حفیظ الرحمن صاحب کلرک، مولانا احمد رضا مصباحی وغیرہم۔

اسی طرح جامعہ کے کچھ طلباء نے بھی بڑی دلچسپی اور محنت و سرگرمی سے انتظامات میں حصہ لیا دراصل یہی سب سے زیادہ

قومی معاون اور ہمدرد ثابت ہوئے۔ رب کریم ہر فرد کو اپنی بے پایاں نعمتوں سے نوازے اور دارین کی سعادتوں سے شاد کام فرمائے۔ اور یہ سب برکات و ثمرات ہیں اسی اخلاص عمل اور دینی جذبات کے جو اکابر اشرفیہ کے دلوں میں موجزن ہیں جن کی تائیدات سے ہر موڑ پر کارکنوں کو قوت بھی ملی اور ان کی حوصلہ افزائی بھی ہوئی ان اکابر سے راقم کی مراد

۱ —— حضرت عزیز ملت سربراہ جامعہ اشرفیہ و سرپرست مجلس شرعی

۲ —— حضرت فقیہ عصر صدر شعبۂ افتاء و ناظم تعلیمات جامعہ و سرپرست مجلس شرعی۔

۳ —— حضرت شیخ الجامعہ صدر مجلس شرعی۔

سیرت احسن العلماء

حسن میاں برکاتی رحمۃ اللہ علیہ

مصنف:
صاحبزادہ ڈاکٹر
سید محمد امین میاں برکاتی
و دیگر علماء کرام

برکاتی پبلشرز

پہلی منزل، نیک محمد بلڈنگ چھاگلہ
اسٹریٹ کھارادر کراچی۔

شرکائے سیمینار ایک نظر میں

اکابر:۔

۱ —— جانشین مفتی اعظم حضرت علامہ اختر رضا خاں ازہری دامت برکاتہم بریلی شریف

۲ —— حضرت مولانا سید ظہیر احمد زیدی سابق استاذ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

۳ —— بحر العلوم حضرت مولانا مفتی عبد المنان اعظمی شیخ الحدیث دار العلوم اہلسنت شمس العلوم گھوسی۔

۴ —— حضرت مولانا مفتی جلال الدین امجدی مفتی دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف بستی۔

۵ —— حضرت مولانا خواجہ مظفر حسین رضوی صدر المدرسین دار العلوم فیضان محمدی چرہ محمد پور فیض آباد

۶ —— حضرت مولانا مفتی محمد اعظم صاحب ٹانڈوی شیخ الحدیث دار العلوم منظر اسلام و صدر مفتی رضوی دار الافتا بریلی شریف

۷ —— حضرت مولانا قاضی عبد الرحیم صاحب بستوی مفتی دار الافتا بریلی شریف۔

<u>وہ حضرات جنھوں نے تحریری طور پر رائے یا فتویٰ یا مقالہ پیش کیا</u>

۸ —— حضرت مولانا مفتی عبد القیوم صاحب ہزاروی مہتمم جامعہ نظامیہ لاہور

۹ —— حضرت مولانا عبد الحکیم شرف قادری شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ لاہور

۱۰ —— حضرت مولانا قاضی عبد الرحیم بستوی بریلی شریف

۱۱ —— حضرت مولانا زین العابدین صاحب مفتی جامعہ اشرف کچھوچھہ شریف ضلع فیض آباد

۱۲ —— حضرت مولانا مفتی مجیب الاسلام صاحب نسیم اعظمی جامعہ شمسیہ تیغیہ مجددیہ ضلع بنارس

۱۳ —— حضرت مولانا مفتی محمد مطیع الرحمان رضوی مضطر پورنوی دار العلوم فیضان محمدی چرہ محمد پور ضلع فیض آباد

۱۴ —— حضرت مولانا مفتی محمد نظام الدین رضوی جامعہ اشرفیہ مبارکپور

۱۵ —— حضرت مولانا مفتی محمد ایوب رضوی مفتی جامعہ نعیمیہ مراد آباد

۱۶ —— حضرت مولانا محمد ہاشم صاحب جامعہ نعیمیہ مراد آباد۔

۱۷ — حضرت مولانا عزیز احسن رضوی دارالعلوم غوث اعظم میمن واڑہ دود گجرات ۔

۱۸ — حضرت مولانا محمد قاسم عبدالواحد رشید القادری الجمعیۃ النوثیہ جبل پور ایم پی

۱۹ — حضرت مولانا رحمت حسین کلیمی مہتمم تنظیم المسلمین بائسی ضلع پورنیہ بہار

۲۰ — حضرت مولانا مفتی اختر حسین رضوی مصباحی مفتی دارالعلوم رضویہ کیتھون ضلع کوٹہ راجستھان

۲۱ — حضرت مولانا محمد معراج القادری استاذ و نائب مفتی جامعہ اشرفیہ (رکن مجلس شرعی)

۲۲ — حضرت مولانا آل مصطفیٰ مصباحی استاذ جامعہ امجدیہ گھوسی (رکن مجلس شرعی)

۲۳ — مولانا عبدالحق رضوی استاذ جامعہ اشرفیہ

۲۴ — مولانا شمس الہدیٰ بستوی استاذ جامعہ اشرفیہ

۲۵ — مولانا بدر عالم مصباحی فیض آبادی استاذ و نائب مفتی جامعہ اشرفیہ

۲۶ — مولانا محمد نسیم فیض آبادی استاذ و نائب مفتی جامعہ اشرفیہ (رکن مجلس شرعی)

۲۷ — مولانا انور علی نظامی مصباحی استاذ دارالعلوم گلشن مجددی ہزاری باغ بہار

۲۸ — مولانا صدر الوریٰ بستوی استاذ جامعہ امجدیہ گھوسی

۲۹ — مولانا قاضی فضل احمد مصباحی ضیاء العلوم بنارس

۳۰ — مولانا محمد حسین خاں صدر المدرسین دارالعلوم محبوب یزدانی بسکھاری فیض آباد

۳۱ — مولانا عبدالرحمٰن بستوی استاذ جامعہ امجدیہ گھوسی

۳۲ — پروفیسر سہیل احمد صاحب گونڈہ

دیگر شرکا

۳۳ — حضرت مولانا خادم رسول صاحب مصباحی شیخ الحدیث جامعہ مسعود العلوم چھوٹی تکیہ بہرائچ شریف

۳۴ — حضرت مولانا ممتاز احمد اشرف القادری انگلینڈ (برطانیہ)

۳۵ — حضرت مولانا سبحان المصطفیٰ قادری (شہزادہ صدر الشریعہ) استاذ جامعہ منظر اسلام بریلی شریف

۳۶ — حضرت مولانا صاحب علی صاحب مہتمم مدرسہ اشاعت العلوم پرتاول بازار گورکھپور

۳۷ — حضرت مولانا مفتی محمد حبیب اللہ نعیمی صدر المدرسین جامعہ امجدیہ گھوسی

۳۸ — حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب بستوی صدر المدرسین مدرسہ تیغیہ ڈومریا سیوان ۔

۳۹ — حضرت مولانا عبدالمبین نعمانی رکن المجمع الاسلامی و مہتمم دارالعلوم قادریہ چریاکوٹ ۔

۴۰ ——— حضرت مولانا نصر اللہ رضوی بھیروی استاذ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ

۴۱ ——— حضرت مولانا عارف اللہ صاحب فیضی مصباحی استاذ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ

۴۲ ——— مولانا نفیس احمد مصباحی صدر المدرسین دارالعلوم قادریہ چریاکوٹ

۴۳ ——— مولانا منظور احمد مصباحی استاذ دارالعلوم قادریہ چریاکوٹ

۴۴ ——— مولانا نوشاد عالم حنفی استاذ مدرسہ سراج العلوم پڑہی ضلع مہراج گنج۔

۴۵ ——— مولانا ڈاکٹر محب الحق رضوی دارالشفاء کریم الدین پور گھوسی

۴۶ ——— مولانا مطیع الرحمٰن مظفر پوری نائب مفتی مرکزی دارالافتاء بریلی شریف۔

۴۷ ——— مولانا عبد الغفار صاحب استاذ ضیاء العلوم خیرآباد

۴۸ ——— مولانا عبد الحفیظ اختر جون پوری

۴۹ ——— مولانا ارشاد احمد قادری گھوسوی

۵۰ ——— مولانا جمال مصطفٰے قادری گھوسی

۵۱ ——— مولانا اختر حسین فیضی جہانا گنج اعظم گڑھ

۵۲ ——— مولانا غلام نبی مصباحی تعمیر منارہ جامعہ اشرفیہ مبارکپور

۵۳ ——— مولانا عبد المنان رضوی۔ ہوائگ پوسٹ بلگرا ہزاری باغ۔

اساتذہ اشرفیہ علاوہ مذکورین

۵۴ ——— حضرت مولانا عبد الشکور عزیزی نائب شیخ الحدیث۔

۵۵ ——— حضرت مولانا اسرار احمد مصباحی

۵۶ ——— حضرت مولانا اعجاز احمد مبارکپوری

۵۷ ——— حضرت مولانا احمد القادری بھیروی

۵۸ ——— حضرت مولانا اختر کمال قادری

۵۹ ——— حضرت مولانا زاہد علی سلامی

۶۰ ——— حضرت مولانا نصیر الدین عزیزی

۶۱ ——— حضرت مولانا غلام حسین مصباحی مبارکپوری

۶۲ ——— حضرت مولانا مسعود احمد برکاتی

۶۳ —— حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی (مدیر اشرفیہ)

۶۴ —— جناب ماسٹر آفتاب احمد خاں

۶۵ —— جناب مولانا احمد رضا مصباحی

۶۶ —— جناب حافظ جمیل احمد صاحب

۶۷ —— جناب قاری ابو الحسن صاحب

۶۸ —— جناب قاری جلال الدین صاحب

بقیہ ارکان مجلس شرعی

۶۹ —— حضرت مولانا عبد الحفیظ صاحب سرپرست مجلس

۷۰ —— حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی سرپرست مجلس شرعی

۷۱ —— حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری صدر مجلس

۷۲ —— حضرت مولانا محمد احمد مصباحی رکن مجلس

ریسرچ اسکالر شعبہ تحقیق جامعہ اشرفیہ

۷۳ —— مولانا ارشاد احمد صاحب

۷۴ —— مولانا محمد احمد صاحب

۷۵ —— مولانا معین الدین صاحب

فیصلے

1. تیتیرہ بحث شرکائے سیمینار
2. مسئلہ الکحل
3. بیمۂ زندگی
4. بیمۂ اموال

نتیجۂ بحث شرکائے سیمینار

شرکائے سیمینار نے تمام مقالات کی سماعت اور بحث و تمحیص کے بعد یہ "نتیجۂ بحث" فیصل بورڈ کو پیش کیا۔

(۱) میز، کرسی، دیوار وغیرہ میں جو رنگ استعمال ہوتے ہیں اگر بطریق شرعی ثابت بھی ہو کہ ان میں اسپرٹ کی آمیزش ہے تو بھی اب بوجہ عموم بلویٰ ودفع حرج حکم طہارت ہے جیساکہ رنگین کپڑوں کے بارے میں مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے بوجہ عموم بلویٰ فتاویٰ رضویہ ص ۸۹ ج ۱۱ میں حکم طہارت دیا ہے۔

(۲) الکحل آمیز دواؤں کا استعمال جائز ہے یا نہیں، محل غور ہے، اکثر شرکا کا رجحان جواز کا ہے۔

(۳) جبری جنرل انشورنس میں جواز راجح نظر آتا ہے۔

(۴) اختیاری جنرل انشورنس کا جواز محل نظر ہے، بلکہ زیادہ تر حالات میں صرف تضییع مال ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

(۲) انگریزی دواؤں اور رنگین چیزوں کے استعمال کے بارے میں فیصل بورڈ کا فیصلہ

(۳ / ۴ شعبان المعظم ۱۴۱۴ھ مطابق ۱۶ / ۱۷ جنوری ۱۹۹۴ء بروز یکشنبہ و شب دوشنبہ)

مجلس شرعی کی ساری ابحاث اور حضرات مفتیان کرام کے موصول مقالات پر غور کرنے کے بعد فیصل بورڈ اس نتیجے پر پہونچا ہے کہ (۱) اس عہد میں انگریزی دواؤں (أی الأدویۃ المخلوطۃ بالسبائر تیو والکحل والصبغۃ) کا استعمال عموم بلویٰ کی حد تک پہونچ چکا ہے مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے پڑیا کی رنگت کے بارے میں عموم بلویٰ اور دفع حرج کی بنیاد پر طہارت اور جواز کا فتویٰ دیا ہے جیسا کہ فتاویٰ رضویہ جلد دوم ص ۳۵ اور ص ۵۰ نیز فتاویٰ رضویہ جلد یازدہم ص ۵۵ رسالہ الفقہ التسجیلی فی عجین النارجیلی میں ہے اس ارشاد کی روشنی میں فیصل بورڈ کے ارکان اس بات پر متفق ہیں کہ مذکورہ انگریزی دواؤں کے استعمال کی بھی بوجہ عموم بلویٰ دفع حرج کے لئے اجازت ہے البتہ یہ اجازت صرف انھیں صورتوں کے ساتھ خاص ہے جن میں ابتلاء عام اور حرج متحقق ہو۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے۔ لسنا نعنی بھذا ان عامۃ المسلمین اذا بتلوا بحرام حل بل الامر ان عموم البلویٰ من موجبات التخفیف شرعا و ما عمت امرہ الا اتسع فاذا وقع ذالک فی مسئلۃ مختلف فیھا ترجح جانب الیسر صونا للمسلمین عن العسر ولا یخفی علی خادم الفقہ ان ھذا کما ھو جار فی باب الطہارۃ والنجاسۃ کذالک فی باب الاباحۃ والحرمۃ ولذا تراہ من مسوغات الافتاء بقول غیر الامام الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کما فی مسئلۃ المخابرۃ وغیرھا۔ بل ھو من مجوزات المیل الی روایۃ النوادر علی خلاف ظاھر الروایۃ کما نصوا علیہ [illegible] فی رد المحتار فی مسئلۃ العلم فی الثوب ھو ارفق باھل ھذا الزمان لئلا یقعوا فی الفسق والعصیان۔ فاندفع ما عسی ان یوھم من قول الفاضل اللکنوی ان عموم البلویٰ انما یؤثر فی باب الطہارۃ والنجاسۃ لا فی باب الحرمۃ والاباحۃ ھو حرمۃ الجماعۃ اھ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۱ ص ۳۳) واللہ تعالیٰ اعلم

تنقیح طلب امور بسلسلہ "بیمہ زندگی"

۱۔ بیمۂ زندگی کون سا عقد ہے؟

۲۔ بیمۂ زندگی عقد شرعی ہے یا عقد فاسد؟

۳۔ تین سال متواتر جس نے بیمہ کے اقساط جمع نہیں کیں اسے تاریخ بیمہ سے پانچ سال کی مہلت دیجاتی ہے کہ وہ باقی ماندہ اقساط مع سود جمع کرکے اپنا بیمہ جاری رکھے اس صورت میں

الف ۔ شکل قمار ہے جس میں رقم سوخت ہونے کا خطرہ ہے تو کیا جو شخص موجودہ حالات کے پیش نظر تین سال متواتر جمع کرتے کا گمان رکھے تو اس کے لئے جائز ہے یا نہیں اور اس کا یہ غالب ظن محق یہ یقین ہے یا نہیں؟

ب ۔ جو شخص ابتداء کے بعد بند کر دے تو مدت موضوعہ میں سود جمع کرنا بار ممنوع ہے یا قرض بحیثیت دالیسی کا جزء ہے؟

ج)۔ بیمہ سے حاصل شدہ زائد رقم ربا ہے یا مال مباح؟

د)۔ اس ظن غالب کے ساتھ بیمہ شروع کیا کہ تین سال جمع کرے گا لیکن ایک دو سال میں ترک کر دیا تو اب تضییع مال کی وجہ سے آثم ہوگا یا نہیں؟

۴۔ حاصل شدہ زائد مال اگر مال مباح ہے تو زکوٰۃ کتنے مال کی ادا کرے اور کب سے؟

تنقیح مسئلہ زندگی بیمہ (فیصلہ)

۱ ۔ بیمہ زندگی عقد قرض بشرط ربا مشتمل بر عقد قمار ہے۔

۲ (الف) عقد قرض ربا کی وجہ سے عقد فاسد اور عقد قمار بھی عقد فاسد ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(ب) موجودہ صورت حال میں حکومت ہند کی لائف انشورنس کمپنی کے ساتھ عقود فاسدہ بشرط نفع مسلم جائز ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۳ ۔ درج ذیل لوگوں کے لئے بیمہ زندگی جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(الف) وہ ملازم جس کی تنخواہ سے پریمیم کی رقم مشاہرہ خود وضع کرکے جمع کرنے کا ضامن ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(ب) وہ صاحب مال جس کو اپنی موجودہ حالت کے ساتھ تین سال کی مدت مقررہ یا اس کے بعد کی مدت موسعہ تک تین سال کی تمام قسطیں مسلسل جمع کرنے کا ظن غالب ملحق بالیقین ہو ایسا ظن غالب جو امام اہلسنت اعلیٰ حضرت نے "الاحلی من السکر" کے مقدمہ سابعہ میں تیسری قسم کے طور پر بیان فرمایا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۴ ۔ جس شخص کی موجودہ حالت مدت موسعہ تک تین سال کی پالیسی تا نہ چلنے کے قابل نہیں اس کا ظن ملحق بالیقین نہیں ہے ایسے شخص کو بیمہ پالیسی کی اجازت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۵ ۔ مدت موسعہ میں قسطوں سے زائد جو رقم ادا کرے وہ سود نہیں بلکہ اپنے مال کو قرض دینا ہے کہ وہ اسے واپس ملے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۶ ۔ ظن غالب کیساتھ شروع کرنیوالا اگر تین سال سے قبل اپنی کوتاہی سے بغیر کسی شرعی مجبوری اپنی پالیسی بند کردے آثم ہے اور اگر کسی شرعی مجبوری مثلاً افلاس وغیرہ کی وجہ سے پالیسی بند ہوگئی تو آثم نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۷ ۔ بیمہ سے حاصل شدہ زائد رقم مال مباح ہے۔ اسے اپنے امور میں صرف کرنا جائز ہے۔ البتہ اسے صدقہ کردینا بہتر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۸ ۔ اصل جمع شدہ رقم کی زکوۃ سال بسال واجب ہے مگر ادا عند الحصول واجب ہے اور مال زائد حاصل ہونے کے بعد اصل نصاب سے ملحق ہوجائیگا۔ لہذا اس کی زکوۃ نصاب کے حولان حول پر واجب ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

جبری بیمۂ اموال

مورخہ ۴ر شعبان المعظم ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۰ر جنوری ۱۹۹۲ء

(۱) بجلی سے چلنے والی گاڑیوں کا جبری انشورنس حکومت کی طرف سے ایک جبری ٹیکس ہے اس کا ادا کرنے والا معذور ہے گنہگار نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) بینک سے قرض لینے پر جبری بیمۂ اموال درج ذیل دونوں صورتوں میں جائز ہے۔

الف ــ بینک کا قرض جس پر کچھ زائد رقم دینی پڑتی ہے وہ زائد رقم انکم ٹیکس سے وضع ہو جائے

ب ــ بینک سے قرض بشرط ادائے مال فاضل لینے میں انکم ٹیکس سے کم از کم مال فاضل کے برابر یا اس سے زائد کی بچت ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) ریل گاڑی ہوائی جہاز کے ٹکٹوں میں جو جبری انشورنس کی رقم دینی پڑتی ہے وہ بھی ٹیکس کے قبیل سے ہے بوجہ جبر اس میں بھی کوئی گناہ نہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

اختیاری بیمۂ اموال

(۱) بیمہ نقل و حمل اموال جو پوسٹ آفس اور ریلوے وغیرہ کے ذریعہ مال کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کا اختیاری یا جبری انشورنس ہوتا ہے مثلاً پارسل، وی پی، رجسٹری، منی آرڈر، بیمہ، تو یہ صورتیں اجارۂ حفظ و حمل کی ہیں جو جائز ہیں تفصیل مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہ کے رسالہ مبارکہ المنیٰ والدرر لمن عمد منی آرڈر میں ہے (فتاویٰ رضویہ یازدہم ص ۱۳ تا ص ۱۶ فتاویٰ رضویہ ہشتم ص ۰۰ تا ص ۲۰۲)

واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) انسانی اعضاء و صفات کا بیمہ بھی جائز نہیں کہ یہ بھی قمار ہے جس میں نفع موہوم اور ضیاع مال اغلب۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مولانا مفتی محمد نظام الدین صاحب رضوی

رکن مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ مبارکپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

استدلال کے چند اصول

مجلس شرعی اور مجلس مذاکرہ درج ذیل اصولوں کی روشنی میں ہی مسائل کا حل تلاش کرنے کی پابند ہوگی۔

(۱) کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع سے استناد۔

(۲) فقہ حنفی کے راجح، صحیح، و مفتی بہ مسائل سے استناد۔

(۳) ماضی قریب کے فقہائے کرام میں فقیہ اجل علامہ ابن عابدین شامی مجدد اعظم امام احمد رضا بریلوی، صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی اعظمی، مفتی اعظم حضرت مولانا شاہ مصطفےٰ رضا خاں قادری علیہم الرحمۃ والرضوان کی تحقیق کو ترجیح حاصل ہوگی۔ مگر یہ کہ اسباب ستہ میں سے کوئی سبب متحقق ہو جائے (اسباب ستہ کا ذکر دفعہ (۷) میں ہے۔)

الف خالص مقلد علماء کی بحثوں سے استدلال مقبول نہ ہوگا۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے۔

۔ اور مقلدین صرف کہ کسی طبقہ اجتہاد میں نہ ہوں، نہ خود اپنی بحث پر حکم لگا سکتے ہیں، نہ دوسرے پر ان کی بحث حجت ہو سکتی ہے والا لکان تقلید مقلد، وھو باطل اجماعا۔ (فتاویٰ رضویہ ج۳)

بحث کا مطلب ہے۔ وہ تحقیق یا استخراج جو نہ ائمہ مذہب سے منقول ہو اور نہ ہی کسی قاعدہ کلیہ کے عموم میں شامل ہو۔

امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

۔ بحث وہیں کہیں گے جہاں مسئلہ نہ منقول ہو، نہ صراحۃً کسی کلیہ منصوصہ مذہب کے تحت میں داخل ہو۔ کہ ایسے کلیات سے استناد بحث و نظر پر موقوف نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ص ۲۲ ج ۳)

(ب) مجتہد علماء کی صرف موافق مذہب بحث یا تحقیق مقبول ہوگی۔ درج ذیل صراحتوں کے مفہوم مخالف

سے یہی عیاں ہوتا ہے۔

"اولاً۔ تنہا محقق کی اپنی بحث ہے کہ نہ ائمہ مذہب سے منقول۔ نہ محققین مابعد میں مقبول۔ خود ان کے تلمیذ علامہ قاسم بن قطلوبغا نے فرمایا۔ ہمارے شیخ کی جو بحثیں خلاف مذہب ہیں ان کا اعتبار نہ ہوگا۔" (فتاویٰ رضویہ ص۲۱ ج۱)

"خلاف مذہب بحثیں اگرچہ امام ابن الہمام کی ہوں مقبول نہیں۔ جب کہ خلاف اختلاف زمانہ سے ناشی نہ ہو۔"

(حاشیہ فتاویٰ رضویہ ص۱۰ ج۱)

(۵) قیاس (جو مجتہد کے ساتھ خاص ہے) سے گریز ہوگا۔

(الف) علتِ منصوصہ (منصوصہ شرعاً، خواہ منصوصۂ مذہب) کی بنیاد پر قیاس درست ہوگا۔

مجدد اعظم فرماتے ہیں:

"اہل علم پر مستتر نہیں کہ استدلال بالفحوی، یا اجرائے علت منصوصہ خاصۂ مجتہد نہیں کما نص علیہ العلامۃ الطحطاوی تبعاً لمن تقدمہ من الاعلام۔ اور یہاں خود امام مذہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اشیاء ستہ کی علتِ کراہت پر نص فرمایا کہ خباثت ہے۔ اب چاہے اسے دلالۃ النص سمجھئے، خواہ اجرائے علتِ منصوصہ (بہرحال استدلال درست ہے)" (فتاویٰ رضویہ ص۳۳۶ ج۸)

(ب) اطلاق و عموم اور الحاق و انطباق قیاس کے باب سے نہیں۔ لہٰذا مجلس کو ان سے استدلال کی اجازت ہوگی ——— فتاویٰ رضویہ میں ہے:

"اطلاق و عموم سے استدلال نہ کوئی قیاس ہے، نہ مجتہد سے خاص کما بینہ خاتم المحققین فی اصول الرشاد۔"

(فتاویٰ رضویہ ص۲۹۳ ج۳)

رسائل ابن عابدین شامی میں شرح بیری ابن عمادے ہے۔ فان المسائل المدونۃ فی الفقہ انما یتکلمون علیہا من حیث کلیاتہا، لا من حیث جزئیاتہا، فلا یقال فی الجزئیات التی انطبق علیہا احکام الکلیات انہا غیر منقولۃ، ولا مصرح بہا، فکم من جزئی ترکوا التنبیہ علیہ لانہ یفہم من حکم کلی آخر بطریق الاولویۃ ۔ و فرق بین تطبیق الکلیات علی الجزئیات و بین التخریج بان التطبیق المذکور تفسیر المراد من نفس الکلی معنی اولویۃ، والتخریج نوع قیاس اھ

(رسائل ابن عابدین ص۱۴۰، ۱۴۹ ج۱، رسالہ تنبیہ ذوی الافہام)

(۶) قابلِ تغیر احکام میں مجدد اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کے بیان کردہ اسباب ستہ کو بنیادی حیثیت حاصل ہوگی۔ آپ رقمطراز ہیں "چھ باتیں ہیں جن کے سبب قولِ امام بدل جاتا ہے، لہٰذا قولِ ظاہر کے خلاف عمل ہوتا ہے۔

اور وہ چھ باتیں یہ ہیں : ۔ ضرورت ، دفع حرج ، عرف ، تعامل ، دینی ضروری مصلحت کی تحصیل ، کسی فساد موجود یا مظنون بظن غالب کا ازالہ ۔ ان سب میں بھی حقیقۃً قول امام ہی پر عمل ہے ۔

(حاشیہ فتاوٰی رضویہ جلد اول ص ۲۰۵ ، رسالہ اجلی الاعلام)

(۵) کسی مسئلے سے متعلق علماء مجلس کا ایک نتیجہ پر اتفاق ہو جائے تو اسے مجلس کا فیصلہ قرار دیا جائے گا اور اگر کافی بحث و تمحیص کے باوجود اتفاق نہ ہو سکے تو مسئلہ کو اختلاف آراء کے ساتھ درج کر لیا جائے گا ۔

شرح حدائق بخشش

چھٹی، آٹھویں اور نویں جلد منظر عام پر آچکی ہیں!

مزید جلدوں پر بھی کام جاری ہے

مصنف: علامہ حضرت فیض احمد اویسی صاحب

برکاتی پبلشرز

پہلی منزل، نیک محمد بلڈنگ

چھاگلہ اسٹریٹ کھارادر کراچی

الکحل، اسپرٹ، ٹنکچر آمیز دواؤں کا استعمال

1. سوالنامہ
2. مقالات
3. مباحثات
4. تکملہ

مولانا مفتی محمد نظام الدین صاحب رضوی
رکن مجلس شرعی و استاذ جامعہ اشرفیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
حامداً و مصلیاً و مسلماً

سوال نامہ

الکحل، اسپرٹ، ٹنکچر آمیز دواؤں کا استعمال

آج کے زمانے میں بہت سی چیزوں کی طرح سے دوا سازی کا کاروبار بھی ہمارے قبضہ میں نہیں بلکہ یہ عام طور سے ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں ہے جن کے مذہب میں پاک و ناپاک اور حلال و حرام کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا، اور محض عیش و عشرت ہی ان کا سرمایۂ زندگی اور مقصد حیات ہے۔ یا پھر کچھ ایسے مسلمانوں کا اس میں تھوڑا بہت حصہ ہے جو شرعی احکام سے تقریباً بالکل ہی ناآشنا ہیں۔ تو لازمی طور پر اس کے نتیجے میں جو ہونا چاہیے تھا وہی ہوا کہ دواؤں میں کچھ ایسے عناصر شامل ہو گئے جو اسلام کے "نظریۂ مطابقت" سے میل نہیں کھاتے یا جن سے ایمان والوں کو بچنے کا حکم دیا گیا ہے اس سیاق میں ایسے عناصر سے میری مراد اسپرٹ، الکحل، اور ٹنکچر ہیں۔ جنہیں شراب کی بدترین قسموں میں شمار کیا گیا ہے۔

شروع شروع میں تو اہل اسلام ان سے احتراز کرتے رہے اور ان کی زیادہ تر توجہ طبیبوں اور یونانی دواؤں کی طرف رہی، لیکن رفتہ رفتہ حالات تبدیل ہوتے رہے، ماہر اطباء کی تعداد بھی کم ہوتی رہی، اور حکیم علماء کا طبقہ تو تنگ بھگ نایاب ہو گیا، اور نوبت بایں جا رسید کہ آج عوام و خواص سبھی شراب آمیز دواؤں کے استعمال میں مبتلا ہو گئے اور ان سے احتراز حد درجہ دشوار ہو گیا۔ اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ ان شرابوں کے اجزاء، کیفیتِ ترکیب، اور ان کی شرعی حیثیت کا آج کے حالات کو سامنے رکھ کر گہری نگاہ سے جائزہ لیا جائے اور اسلام کے اصولوں سے کوئی سمجھوتہ کئے بغیر اگر کچھ "رخصت" کی گنجائش نکلتی ہو تو اسے بروئے کار لایا جائے، آخر "عزیمت" کے ساتھ ساتھ "رخصت" بھی شریعتِ غراء کا ہی ایک حکم ہے۔ ہم سب سے پہلے ان شرابوں کی ماہیت کا ایک طبی و کیمیائی تجزیہ پیش کرتے ہیں، اس کے بعد مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہٗ کی تحقیقات

سے ان کی شرعی حیثیت کو واضح کریںگے، اور اخیر میں چند سوالات پر مشتمل ایک استفتاء ہوگا۔

الکحل کی لفظی تشریح

آئیکوہل[1] (ALCOHOL) کا طبی نام "الکحل" ہے جس کا معنی عربی میں "روح الخمر" اور اردو میں "روحِ شراب" یا "جوہر شراب" ہے انگریزی زبان کی بڑی مشہور اور مستند لغت "بھارگوانز" میں اس کا معنی یہ لکھا ہے۔ خالص شراب کی روح ۔ "پیور اسپرٹ آف وائن" - (PURE SPIRIT OF WINE) بھارگوانز ڈکشنری کلاں ص ۵۱۵) انگریزی کی دوسری مستند و متداول لغت ایڈ وانسڈ ٹوئینٹیتھ سینچری ڈکشنری میں اس کا معنی "روح شراب" درج ہے (ص ۲۰) مخزن الادویہ[2] ڈاکٹری میں اس کی تشریح اس طرح ہے: "انگریزی لفظ آئیکوہل مشتق ہے عربی لفظ "الکول" سے۔ جس کے معنی اصطلاح کیمیا میں "نہایت مقطر" یا "روح" کے ہیں۔ مگر اب اس لفظ کا اطلاق مطلق "روحِ شراب" پر ہوتا ہے"

(مخزن ص ۹۲۳، بیان آئیکوہال)

صفات

خالص الکحل بے رنگ اور پانی کے مثل ایک خاص قسم کا رقیق ہے جو پانی کے مزاج کے برخلاف آتش گیر ہوتا ہے، اور مزہ تند و تیز۔ مخزن الادویہ میں اس کے صفات پر یہ روشنی ڈالی گئی:

"یہ ایک بے رنگ و بو۔ نہایت سیماب طبع (اڑجانے والا) سیال ہے جو نمی کو آسانی جذب کرلیتا ہے اس میں نناوے فیصدی (بروئے وزن) ایتھل ہائیڈروآکسائڈ (ETHYL HYDROXIDE) اور ایک فیصدی پانی ہوتا ہے، اس کا وزن متناسبہ ۷۹۴ء۰ سے ۷۹۰ء۰ تک ہوتا ہے، اور ۱۷۳ درجہ فارن ہائٹ کی حرارت پر کھولنے لگتا ہے" (مخزن ص ۹۲۳)

استعمال

الکحل کو بے شمار دواؤں میں استعمال کیا جاتا ہے، انگریزی دواؤں میں تقریباً سارے ہی سیّال ادویہ (ٹانک، سیرپ، وغیرہ) اور کچھ انجکشنوں میں اس کی آمیزش ہوتی ہے۔

اور ہومیو پیتھک میں تو سَو فیصد دواؤں میں اس کی آمیزش ہوتی ہے اور اس کثرت و فراخ دلی کے ساتھ، کہ الکحل ہی ان کا جزءِ اعظم ہوتا ہے اور دواء کا جزء کم سے کم تر ہوتا ہے، حتیٰ کہ زیادہ پاور کی دواؤں

---

[1] الکحل کا انگریزی تلفظ "آئیکوہل" ہے ۱۲ [2] مخزن الادویہ ڈاکٹری: یہ سابق میڈیکل آفیسر سفارت خانہ برطانیہ سیستان، شمس الاطباء ڈاکٹر غلام جیلانی کی تصنیف ہے جو اپنے موضوع پر بہت جامع اور معتبر کتاب ہے۔ انگریزی طب کی کئی ایک مستند کتابوں سے ماخوذ ہے مثلاً (۱) برٹش فارماکوپیا (۲) فارماکوپیڈیا (۳) میٹریا میڈیکا آف انڈیا (۴) برٹش فارماسیوٹیکل کوڈیکس وغیرہ ۱۲

میں اصل دوا کا جز ۱ / ۰۰۰۰۰۰۰ کے برابر ہوتا ہے۔ ہومیو پیتھک مسیحاؤں کے خیال میں یہ طریق کار جوہری یا ذہنی نظریہ پر مبنی ہے، یا کہ یہ دوا روح کی طرح غیر مبصر ہے، البتہ دوا کے نام پر الکحل شراب پلائی جاتی ہے۔

یونانی دوائیں الکحل سے پاک ہوا کرتی تھیں لیکن جدت پسندی کے رجحان، یا ماڈرن کہلانے کے فیشن میں آج یہ بھی الکحل کی آلودگی سے محفوظ نہیں ہیں کچھ ایسا ہی حال آیورویدک دواؤں کا بھی ہے۔ دواؤں کے علاوہ بھی بہت سی چیزوں کے بنانے میں الکحل کی مدد لی جاتی ہے۔ جان، اے، ہنٹر ایم، بی، اسی لکھتا ہے۔

الکحل تقریباً ہر مختلف پیشوں اور صنعتوں میں استعمال ہوتی ہے، خوشبوئیں، وارنش، رنگ اور دوائیاں تیار کرنے میں الکحل کا استعمال ہوتا ہے۔ بہت کم لوگ واقف ہوں گے کہ پنسل بنانے میں بھی الکحل کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن یہ واقعہ ہے کہ جس چیز کو پنسل کا لیڈ (یعنی سیسہ کی شش سیاہ چیز جو پنسل کے اندر رکھی ہوتی ہے) کہتے ہیں وہ حقیقت میں ایک سیاہ سفوف ہوتا ہے جس کو ایک خاص قسم کی وارنش میں آمیز کیا جاتا ہے، اور یہ وارنش الکحل میں آمیز کی جاتی ہے۔

(الکحل اور زندگی، ترجمہ ایلکوہل اینڈ لائف ص ۱۰۹)

فوائد

جان، اے، ہنٹر لکھتا ہے:

"الکحل اپنے صحیح استعمال کے اعتبار سے دنیا کی مفید ترین چیزوں میں شامل ہے، اہم ترین اشیائے کیمیائی میں پانی کے بعد الکحل کا ہی درجہ ہے۔"

(الکحل اور زندگی ص ۸۹)

مخزن الادویہ میں ہے:

"ایلکوہل کے استعمال سے چونکہ بکٹیریا* کی پیدائش و افزائش موقوف ہو جاتی ہے اور ان کے بے حس ہو جانے سے کیفیت تخمیر مسدود ہو جاتی ہے اس لئے ایلکوہل اینٹی سپٹک و دافع تعفن ہے، اور اس تاثیر میں یہ گلیسرین سے اعلیٰ لیکن کلوروفارم اور ایتھر سے ادنیٰ ہے۔"

(مخزن ص ۹۲۳)

عام طور سے دواؤں میں اس کا استعمال اس لئے ہوتا ہے کہ زیادہ دنوں تک دواؤں کی حفاظت کرتی ہے اور ان کے جلد خراب ہونے کا اندیشہ باقی نہیں رہتا، بعض دواؤں میں اس کا استعمال غذاؤں کے

---

* بکٹیریا: جراثیم ۔۔ کلوروفارم، ایتھر: بے ہوش کرنے کی دوائیں ۔۔

ہضم کرنے، اور بعض میں نیند لانے کے لئے بھی ہوتا ہے۔ اعلیٰحضرت علیہ الرحمۃ والرضوان لکھتے ہیں۔
۔ اور ان اہل یورپ کے یہاں شراب کے برابر کوئی شیٔ حافظ قوت آدویہ نہیں اور تمام تحلیلات واعمال کیمیاویہ میں ـــــ جن سے ایسی تراکیب کم خالی ہوتی ہیں ـــــ اسپرٹ کا استعمال کالازم ہے، اسپرٹ قطعاً شراب ہے "

(فتاویٰ رضویہ جلد دہم نصف آخر ص ۴۲)

اجزائے ترکیبیہ

الکحل کا بنیادی جزو شکر ہے لہذا ہر وہ چیز جس میں شکر پائی جاتی ہے جیسے گنا، مہوہ، پھل، وغیرہ ـ ان سب سے الکحل تیار کیا جاتا ہے۔ جان، اے، ہنٹر لکھتا ہے:

۔ آج کل الکحل مختلف چیزوں سے بنائی جاتی ہے: مثلاً غلہ، آلو، چقندر، حتیٰ کہ لکڑی کے برادے سے بھی بنتی ہے، اس کی ساخت میں سائنس کے تمام ذرائع سے مدد لی جاتی ہے اور بے شمار دولت اس کی کشید میں صرف کی جاتی ہے۔"

(الکحل اور زندگی ص ۱۳۴)

انگور اور پھلوں کے شیرہ سے تیار شدہ الکحل بیحد گراں ہوتا ہے اور ان سے عمدہ قسم کی صاف شفاف شرابیں بنائی جاتی ہیں۔ جیسے وائن ـــ یہ الکحل دواؤں میں نہیں ڈالا جاتا، ورنہ دوائیں اپنے موجودہ دام سے کئی گنا زیادہ گراں ہوتیں ـــــ عام طور سے دواؤں میں گنے کے رس سے بنایا گیا الکحل ہی آمیز کیا جاتا ہے اور یہی وافر مقدار، اور سستے دام میں ہر جگہ فراہم بھی ہے۔

الکحل بنانے کا طریقہ

علم الکیمیا کے ایک لکچرار اور کئی ڈاکٹروں نے الکحل بنانے کا طریقہ یہ بتایا: " گنا، یا جس چیز کے رس، یا شیرہ سے الکحل بنانا مقصود ہوتا ہے اسے کسی برتن میں بند کر کے ایک مقررہ مدت تک سڑایا جاتا ہے یہاں تک کہ اس میں کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں پھر اسے آگ پر جوش دیا جاتا ہے، جب وہ ایک مخصوص درجہ حرارت پر پہونچتا ہے تو اس کی بھاپ کو ایک پائپ کے ذریعہ گزار کر دوسرے برتن میں اسے محفوظ کیا جاتا ہے، یہ بھاپ دوسرے برتن میں پانی کے قطرات کی شکل میں ٹپکتی ہے ـــــ یہی جمع شدہ بھاپ۔ یا قطرات الکحل کے نام سے موسوم ہیں۔"

مخزن الادویہ میں اصطلاحی الفاظ میں اس کے بنانے کی ترکیب یوں لکھی ہے:

کم طاقت والے ایتھی لک ایلکوہل (ETHYLIC ALCOHOL) [1]

[1] ایتھی لک ایلکوہل: اس میں ایتھین، تام کی ایک خاص قسم کی گیس شامل ہوتی ہے اسلئے اسے ایتھیلک کہتے ہیں اس ایلکوہل میں پانی کی مقدار کچھ زیادہ ہوتی ہے ۱۲ منہ

سے کم ازکم نو فیصدی پانی اڑاکر پھر اسے کشید کر لیتے ہیں چنانچہ رکٹی فائیڈ اسپرٹ RECTI FIED SPIRIT [۱] (جس میں ۸ فیصدی پانی ہوتا ہے) میں سے کاربونیٹ آف پوٹے سیم، [۲] یا کلورائیڈ آف کیلسیم [۳] کے ذریعہ کم ازکم نو فیصدی پانی کو علاحدہ کرلینے کے بعد پھر اسے کشید کرنے سے خالص ایلکوہل حاصل ہوتا ہے۔

(مخزن الادویہ ڈاکٹری، ص ۶۲۲)

یہ الکحل پانی کی کم و بیش آمیزش کے لحاظ سے مختلف فیصد کے ہوتے ہیں۔ شمس الاطباء ڈاکٹر غلام جیلانی نے مخزن الادویہ میں، "پانی ملے ہوئے الکحل" کے زیر عنوان چار قسم کے کم و بیش فیصد والے الکحل شمار کئے ہیں ساتھ ہی ان کے بنانے کی ترکیب بھی لکھی ہے۔ ہم یہاں صرف ان کے ناموں کی ایک فہرست پیش کرتے ہیں:

(۱) ایلکوہل : ۹۰ فیصدی
(۲) " : ۶۰ "
(۳) " : ۴۵ "
(۴) " : ۲۰ " (مخزن الادویہ ۹۲۵ - ۹۲۹)

اسپرٹ

انگریزی زبان کی مستند اور مشہور لغات، بھارگواز ڈکشنری، اور ایڈوانسڈ لرنیز سینچری ڈکشنری میں اسپرٹ (SPIRT) کے معانی یہ لکھے ہیں:

(۱) روح ۔ سول SOL
(۲) تیز شراب ۔ اسٹرانگ لیکر ۔ STRONG LIBUER

ان کے علاوہ اور بھی دوسرے معانی مثلاً زندگی کی حقیقت، خالص مقصد، پرجوش، غیر معمولی عقلمند انسان، اور اثر وغیرہ بھی درج ہیں۔

(بھارگواز ڈکشنری کلاں ص ۵۰۲، ایڈوانسڈ ص ۹۲۵، ۹۲۴)

اور شمس الاطباء نے اس کا معنی روح الخمر، روح النبیذ، اور جوہر شراب لکھا ہے۔ (مخزن ص ۶۲۳)
اعلیٰحضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے کلام سے بھی یہی عیاں ہے، رقمطراز ہیں:

---

[۱] رکٹی فائیڈ اسپرٹ یعنی شراب خالص کا تعارف اسپرٹ کے بیان میں عنقریب آرہا ہے — ۱۲ ن
[۲ - ۳] کاربونیٹ آف پوٹے سیم، کلورائیڈ آف کیلسیم ۔ یہ دونوں خاص قسم کے مرکب ہیں جو نمی کو کھینچ لیتے ہیں ۔ ۱۲ ن

إنّ اسپادِٹو - وھی روح النبیذ خمرٌ قطعًا، بل من أخبث الخمور۔ ۱۰ — اسپرٹ۔ جس کو معنی روح النبیذ ہے۔ یقیناً شراب ہے۔ بلکہ سب سے بدتر شراب ہے۔

(فتاویٰ رضویہ جلد دہم ص ۱۳۹، رسالہ ”الأحلیٰ من السُّکر“)

بنیادی طور پر الکحل اور اسپرٹ کے درمیان کوئی فرق نہیں، البتہ کچھ جزوی فرق ضرور پایا جاتا ہے، جیسا کہ ذیل کے اقتباس سے عیاں ہوگا۔ مخزن الادویہ میں اسپرٹ کے تعلق سے۔ تفصیلات درج ہیں:

بنانے کی ترکیب شکری سیال، یا میٹھے رس مثلاً گڑ یا شکر کا شربت، یا آبِ نیشکر، یا آبِ انگور، یا آبِ سیب وغیرہ میں خمیر اٹھا کر پھر ان کا عرق کھینچ لیتے ہیں۔

نوٹ جب شکر کو پانی میں گھول کر، اور اسے ایک ایسی گرم جگہ میں۔۔ جہاں کی حرارت ۷۰ اور ۸۰ درجہ فارن ہائٹ کے درمیان ہو۔۔ رکھ کر اس میں خمیر شراب ملا دیں تو اس میں ایک تیز حرکت پیدا ہو کر جوش آنے لگتا، اور کاربانک ایسڈ گیس خارج ہونے لگتی ہے اور وہ سیال بڑا گدلا ہو جاتا ہے، لیکن آخرکار تمام تلچھٹ برتن کے پیندے میں تہ نشین ہو جاتا ہے، اور شکر شراب میں تبدیل ہو جاتی ہے ایسی شراب کو شرابِ خام کہتے ہیں، اور جب شرابِ خام کو مقطر یا کشید کرتے ہیں تو مذکورہ بالا۔ ”شرابِ خالص“ یا ”ریکٹی فائیڈ اسپرٹ“ حاصل ہوتی ہے۔ جس کو سنسکرت میں ”تیکش مد“ اور ہندی میں ”تیج مدیرا“ کہتے ہیں۔ (مخزن الادویہ ص ۱۲۲)

اس اقتباس سے یہ معلوم ہوا کہ ”ریکٹی فائیڈ اسپرٹ“ کیا چیز ہے۔۔ اور الکحل بنانے کی ترکیب میں آپ یہ پڑھ آئے کہ ”ریکٹی فائیڈ اسپرٹ (جس میں ۱۰ فیصدی پانی ہوتا ہے) سے کم از کم نو فیصدی پانی کو علاحدہ کرنے کے بعد، پھر اسے کشید کرنے سے خالص ایکوہل حاصل ہوتا ہے“۔

(مخزن الادویہ ص ۱۲۲)

یہاں سے معلوم ہوا کہ اسپرٹ ہی سے الکحل بھی تیار کیا جاتا ہے۔ تو جو بنیادی اجزاء اسپرٹ کے ہیں وہی الکحل کے بھی ہوں گے۔

صفات مخزن الادویہ میں ریکٹی فائیڈ اسپرٹ (شرابِ خالص) کے صفات ان الفاظ میں بیان کیے گئے ہیں:

”یہ ایک بے رنگ، شفاف سیال ہے جس کی بُو خوش گوار، اور ذائقہ تیز ہوتا ہے، آگ لگانے سے یہ آسانی بغیر دھواں دینے کے نیلے رنگ کے شعلے سے جل اٹھتا ہے اور جل جانے کے بعد کچھ باقی نہیں رہتا، اس کا وزن مخصوص ۰٫۸۲۲ ہوتا ہے اور اس میں بڑے وزن ۱۷۵ ف، لیکن بڑے حجم (۱۰) فیصدی

ایتھل بانیٹررو آکسائیڈ ہوتا ہے۔ (مخزن ص ۱۲۳)

ٹنکچر

ٹنکچر : TINCTURAE ، انگریزی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی عربی میں "صبغ" فارسی میں "تلوین" اور اردو میں "رنگ" ہے۔ انگریزی کی مستند لغت ایڈوانسڈ لرنرز ڈکشنری میں اس کا معنی "الکحل مرکب (Alcohol) محلول" (ص ۱۰۰۰) اور مجید گولڈ ڈکشنری میں یہ معانی لکھے ہیں :

۱۔ ہلکا رنگ ۔ شیڈ آف کلر SHADE OF COLOUR

۲۔ الکحل میں حل شدہ دواؤں کا نکالا ہوا عرق | این الکوہالک ایکسٹریکٹ آف سم کلر } AN-ALCOHOLIC EXTRACT OF SOME COLOUR

(مجید گولڈ ڈکشنری کلاں ص ۹۵۰)

شمس الاطباء نے اس کی یوں تشریح تحریر کی ہے :

"انگریزی لفظ ٹنکچر اور اس کے مترادف عربی لفظ صبغ کے لغوی معنی ہیں رنگ۔ چونکہ اس قسم (یعنی ادویہ کے اجزائے مؤثرہ) کا مرکب بنانے کے لئے جب ادویہ کو الکحل میں بھگوتے ہیں تو اس میں ان کے اجزائے مؤثرہ کے تحلیل ہو جانے کے علاوہ ان کی رنگت بھی اتفاق سے بدل جاتی ہے یعنی وہ رنگین ہو جاتی ہے اس لئے انگریزی میں اس کو اسی نام سے موسوم کیا گیا"

(مخزن المفردات ص ۱۰۱۰ بیان ٹنکچر)

بنانے کی ترکیب

ایک ماہر کیمیا دان نے اس سلسلے میں یہ معلومات فراہم کی ہیں کہ "کسی چیز مثلاً دوائی (ذرا ایک مفرد دوا ہے) کا جب عرق کشید کرنا ہوتا ہے تو اسے پیس کر الکحل میں بھگویا جاتا ہے۔ الکحل اس دوا یا پتی کے ایک ایک رگ و ریشہ میں پہنچ جاتا ہے اور اس کے ذریعہ پتی کا سارا عرق با آسانی کشید کر لیا جاتا ہے۔ الکحل کے علاوہ کوئی چیز ایسی نہیں جو پتی کے اندر اس طرح سرایت کر جائے جتنی الکحل سرایت کرتا ہے۔ اس لئے مفرد دوا کو الکحل میں بھگویا جاتا ہے تاکہ اس کے تمام اجزائے مفیدہ با آسانی کشید ہو جائیں"

اس کی تائید جان۔ اے ہنٹر کے اس بیان سے ہوتی ہے۔ وہ لکھتا ہے :

"الکحل دنیا میں سب سے تشنہ چیز موجود ہے، وہ جس چیز میں داخل ہوتی ہے اس کا پانی جذب کر لیتی ہے اگر گوشت یا ترکاری کا ایک ٹکڑا الکحل میں ڈال دیا جائے تو وہ خشک اور سخت ہو جاتا ہے، الکحل اس میں سے تقریباً سارا پانی نکال لیتی ہے۔" (الکحل اور زندگی ص ۸)

اور مخزن الادویہ کی یہ صراحت پہلے گزر چکی ہے کہ:

"الکحل، نمی کو بآسانی جذب کر لیتا ہے۔" (مخزن ص ۱۲۲)

شمس الاطباء ڈاکٹر غلام جیلانی نے اس سلسلے میں بڑی مفید معلومات فراہم کی ہیں ہم یہاں ان کے کلمات بعینہٖ نقل کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"انگریزی ٹنکچر کسی ایک دوا، یا چند ادویہ کے اجزائے مؤثرہ کا ایک الکوہالک سولیوشن (۱) ہوتا ہے۔ اطبائے قدیم بھی نباتی ادویہ کو شراب میں بھگو کر ان کا خیساندہ (۲) بنایا کرتے تھے، جس کو وہ خیساندہ خمری کہتے ہیں۔ وہ بھی درحقیقت ٹنکچر ہی ہوتا تھا۔ چنانچہ اس قسم کے خیساندہ کی مثال، محیط اعظم میں سنبل کے بیان میں پائی جاتی ہے۔

برٹش فارماکوپیا (۳) میں کل ا... ٹنکچرز آفیشل (۴) ہیں جن میں سے ... حیوانی اجزاء سے بنائے جاتے ہیں۔ اور تین ... جمادی ادویہ سے بنائے جاتے ہیں۔ اور باقی ۶۶ نباتی ادویہ سے تیار کئے جاتے ہیں۔

ان میں سے ... ٹنکچرز تو محض بذریعہ سولیوشن بنائے جاتے ہیں ۲۱ بذریعہ مے سی ریشن (۵)، ۳۳ بذریعہ پرکولیشن (۶)، اور ۵ بذریعہ مے سی ریشن و پرکولیشن بنتے ہیں۔

۶۹ ٹنکچرز بنانے میں مختلف طاقت کا الکوہل استعمال کیا جاتا ہے، چنانچہ ۲۲ کے لئے الکوہل ۹۰ فیصدی، ۵ کے لئے الکوہل ۸۰ فیصدی، ۱۱ کے لئے الکوہل ۶۰ فیصدی ۲۲ کے لئے الکوہل ۴۵ فیصدی اور ... میں علاوہ الکوہل کے آب مقطر بھی اضافہ کیا جاتا ہے۔ ایک ٹنکچر ایتھر (۷) سے بنایا جاتا ہے اور ایک ٹنکچر، ٹنکچر آف اور نج پیل سے بنایا جاتا ہے یعنی ٹنکچر آف کوئین۔

باعتبار ترکیب کے ٹنکچر یا سمپل (مفرد) ہوتا ہے، یا کمپونڈ (مرکب)۔ سمپل ٹنکچر تو وہ ہوتا ہے کہ جس میں صرف ایک دوا ہوتی ہے اور ایک محلل ہوتا ہے۔ چنانچہ برٹش فارماکوپیا میں اس قسم کے

---

(۱) الکوہالک سولیوشن: الکحل کا محلول، الکحل میں حل کی ہوئی دوا۔ ۱۲ ن

(۲) خیساندہ: پانی یا کسی رقیق میں بھگوئی ہوئی دوا کا عرق، یہی عرق جوش دے کر کشید کیا جائے تو جوشاندہ کہلاتا ہے۔ فرہنگ آصفیہ جلد ۲ ص میں اس کا معنی۔ بھیگی ہوئی دوا کا آب زلال لکھا ہے ۱۲ ن (۳) برٹش فارماکوپیا: قرابادین برطانیہ یہ برطانیہ کی ایک مستند طبی کتاب ہے ۱۲ ن (۴) آفیشل: رجسٹرڈ، منظور شدہ۔ (۵) مے سی ریشن

(۶) پرکولیشن: تقطیر۔ چھلنی میں ڈال کر قطرات ٹپکانا۔ ۱۲ ایڈ اسٹینڈرڈ انگلش ٹو انگلش اردو ڈکشنری (۷) ایتھر: بے ہوش کرنے کی ایک دوا۔ ۱۲ ن

۹۴ ٹنکچرز ہیں ۔ اور کمپونڈ ٹنکچر وہ ہوتا ہے کہ جس میں ایک سے زیادہ دوائیں ہوتی ہیں چنانچہ جتنے ٹنکچرز کمپونڈ ٹنکچرز کہلاتے ہیں ۔

لیکن ان کے علاوہ برٹش فارماکوپیا میں ۱۲ اور ٹنکچرز بھی ہیں جن میں سے ہر ایک میں ایک سے زیادہ دوائیں پڑتی ہیں لیکن وہ کمپونڈ ٹنکچرز نہیں کہلاتے ۔ ان کے لئے بہتر نام "کمپلیکس ٹنکچر" معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے مذکورہ بالا تمام ٹنکچرز مندرجہ ذیل تین جماعتوں میں تقسیم کئے جاتے ہیں :

(۱) سمپل ٹنکچرز ۔ یعنی تعفنیات مفردہ ۔
(۲) کمپونڈ ٹنکچرز ۔ یعنی ۔ تعفنیات مرکبہ
(۳) کمپلیکس ٹنکچرز ۔ یعنی ۔ تعفنیات مختلطہ ۔

(مخزن الادویہ ڈاکٹری ص ۱۱۹ ، ۱۱۸)

اس کے بعد شمس الاطباء نے ۱۰۰ ٹنکچرز یا انباغ کی فہرست مع اجزاء و ترکیب وغیرہ پیش کی ہے ۔

اب تک کی تمام تفصیلات کا خلاصہ یہ ہے کہ صبغہ یعنی ٹنکچر ، الکحل کے محلول سے یا تقطیر وغیرہ کے ذریعہ تیار ہوتا ہے ۔ اور الکحل ، اسپرٹ ہے تو جو حکم اسپرٹ کا ہوگا وہی الکحل ، ٹنکچر ، اور ان سے مرکب تمام ادویہ کا بھی ہوگا ۔

اہل سنت وجماعت کا موقف

اسپرٹ کے باب میں علمائے اہلسنت وجماعت کا موقف وہی ہے جو فقیہ اثال امام احمد رضا قدس سرہ کا ہے ۔ آپ فرماتے ہیں :

(۱) " اسپرٹ قطعاً شراب ہے ، سمیت کے سبب قابل شرب نہ ہونا اسے شراب ہونے سے خارج نہیں کر سکتا ، بلکہ اس کی سمیت ہی غایت جوش واشتداد ، وسکر وفساد سے ہے ، برانڈیاں (۱) کہ یورپ سے آتی ہیں ان کے نشہ کی قوتیں اس کے قطرات سے بڑھائی جاتی ہیں — فلاں قسم کے نو نو قطروں میں اس کا ایک قطرہ ہے ، فلاں کے تیرہ میں ۔ اور شرابیں پینے سے نشہ

---

(۱) برانڈیاں : برانڈی کی جمع ۔ ایک قسم کی تیز شراب ۔ جان اے ، ہنٹر لکھتا ہے ۔۔ الکحل کی سب شرابیں تیار ہوتی ہیں ، ان شرابوں میں الکحل کی مقدار کا فرق ہوتا ہے بیئر میں الکحل کم ہوتی ہے وائن میں اس سے زیادہ ، اسپرٹ میں بہت زیادہ وہسکی یا برانڈی کی ایک بوتل میں نصف کے قریب خالص الکحل ہوتی ہے ۔ (الکحل اور زندگی ص ۹ ، ۷)

لاتی ہیں، اور اسپرٹ صرف سونگھنے سے۔ تو وہ حرام بھی ہے اور پیشاب کی طرح نجاست غلیظہ بھی۔
هو الصحیح، المعتمد، المفتی بہ۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد دہم، نصف آخر، ص ۲۰۔ رسالہ الکشف شافیا)

(۲) انگریزی دواؤں میں جتنی دوائیں رقیق ہوتی ہیں، جنہیں ٹنچر کہتے ہیں۔ ان سب میں پینا شراب ہوتی ہے وہ سب حرام بھی ہیں، اور ناپاک بھی۔ نہ ان کا کھانا حلال۔ نہ بدن پر لگانا جائز۔ نہ خریدنا حلال، نہ بیچنا جائز۔

ان اسپرٹ توهی روح النبيذ خمر قطعًا بل من أخبث الخمور، فهي حرام ورجس نجس نجاسة غليظة كالبول۔

(بیشک اسپرٹ۔ جس کا معنی روح النبیذ ہے۔ شراب ہے بلکہ وہ سب سے گندی شراب ہے کیونکہ حرام بھی ہے اور ناپاک بھی، اور اس کی نجاست پیشاب کی طرح نجاست غلیظہ ہے۔ ن)

(فتاویٰ رضویہ جلد دوم ص ۱۳۰۔ رسالہ الاحلی من السکر)

(۳) شراب کسی قسم کی ہو مطلقاً حرام بھی ہے، اور پیشاب کی طرح نجس بھی۔ برانڈی ہو۔ خواہ اسپرٹ، خواہ کوئی بلا۔ جن دواؤں میں کسی کا جز ہو۔ خواہ کسی طرح اس کی آمیزش ہو اس کا کھانا پینا بھی حرام، اس کا بیچنا خریدنا بھی حرام۔ جیسے کہ اس کا استعمال جائے مبتلائے گناہ و آثام۔ یہی ہمارے ائمہ کرام کا مذہب صحیح معتمد ہے۔ ڈاکٹری ٹنچر وغیرہ رقیق دوائیں عموماً اسپرٹ کی آمیزش سے خالی نہیں ہوتیں، وہ سب حرام و نجس ہیں۔

(فتاویٰ رضویہ جلد دہم نصف آخر ص ۔)

امام احمد رضا قدس سرہ کے ارشادات عالیہ سے معلوم ہوا کہ ٹنچر، اسپرٹ، الکحل سبھی شراب ہیں اور پیشاب کی طرح ناپاک بھی۔ لہٰذا ان کا استعمال حرام و گناہ ہے۔

شراب کے اقسام شریعت کے نقطۂ نگاہ سے شراب کی چار قسمیں ہیں۔ جو حسب ذیل ہیں:

(۱) خمر:۔ انگور کا کچا پانی جس میں جوش آکر تیزی پیدا ہو جائے اور جھاگ پھینک دے یعنی جھاگ سے صاف ستھرا ہوکر شفاف اور رقیق ہو جائے۔

صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک جھاگ سے صاف ستھرا ہو جانا خمر ہونے کے لئے شرط نہیں، بلکہ صرف تیزی آ جانا کافی ہے۔

(۲) عصیر:۔ انگور کا وہ شیرہ جو دھوپ میں یا آگ پر اتنا پکایا جائے کہ دو تہائی سے کم جل پائے یعنی ایک تہائی سے زیادہ باقی رہے۔

اب اس کی دو قسمیں ہیں:

(الف) باذق :- وہ شیرہ جو معمولی پکایا گیا ہو۔
(ب) منصّف :- وہ شیرہ جو پکا کر آدھا جلا دیا گیا ہو، اور آدھا باقی ہو۔
(۳) نقیعُ التمر :- کھجور کا کچا پانی جس میں تیزی آجائے اور جھاگ پھینک دے۔ اس کا دوسرا نام السَّکَر بھی ہے۔
(۴) نقیعُ الزبیب :- منقّیٰ کا کچا پانی جس میں جوش آکر تیزی پیدا ہو جائے اور جھاگ پھینک دے۔

[ہدایہ ص ۴۰۰ و ۴۰۱ ج ۴، کتاب الاشربہ۔ در مختار و رد المحتار ص ۲۱۸]
[، ۲۲۰، ۲۲۱ ج ۵۔ کتاب الاشربہ۔ مکتبہ ماجدیہ]

خمر:- اپنی حقیقت کے لحاظ سے صرف انگور کا کچا پانی حسب تفصیل بالا ہے، اسی معنی کے ساتھ خمر خاص ہے، اسی پر علمائے لغت کا اجماع ہے، اور بقیہ شرابوں پر اس کا اطلاق محض مجازاً ہوتا ہے۔

(در مختار و رد المحتار ص ۲۱۰، ۲۱۹ ج ۴ ماجدیہ۔ ہدایہ ص ۴۰۰ ج ۴)

ان شرابوں کے احکام میں فرق یہ ہے:

- خمر کی حرمت قطعی ہے، اور بقیہ شرابوں کی ظنی و اجتہادی۔
- خمر کا مستحل کافر ہے، اور بقیہ شرابوں کا مستحل کافر نہیں۔
- خمر کا ایک قطرہ بھی پی لینے پر حد واجب ہے لیکن بقیہ شرابوں میں نشہ کی حد تک پینے پر واجب ہے۔
- خمر بالاتفاق نجاست غلیظہ ہے لیکن بقیہ شرابیں ایک روایت میں شیخین کے نزدیک خفیفہ ہیں۔
- خمر کی بیع بالاتفاق ناجائز ہے اور بقیہ شرابوں کی بیع امام اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کے نزدیک جائز ہے۔
- خمر کے تلف کرنے پر بالاتفاق ضمان واجب نہیں۔ لیکن بقیہ شرابوں کے تلف کرنے پر امام اعظم کے نزدیک ضمان واجب ہے۔

(ہدایہ ص ۴۹۵ ج ۴ کتاب الاشربہ)

حق کہ طبیرہ وغیرہا میں بیع کی صحت، بیع، اور تلف کرنے سے مقصود ثواب نہ ہو تو وجوبِ ضمان کے سلسلے میں فتویٰ امام اعظم ہی کے قول پر ہے۔

(ہندیہ ص ۴۱۲ ج ۵، رد المحتار ۲۲۳ ج ۵۔ اس کے جزئیات استفتاء کے ساتھ منسلک ہیں)

ان شرابوں کے درمیان خمر و غیر خمر کے فرقِ احکام کے باوجود ہمارے ائمہ کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کا اتفاق ہے کہ یہ تمام شرابیں حرام و ناپاک ہیں۔

ان چار شرابوں کے علاوہ جو دوسرے مشروبات تیار کئے جاتے ہیں۔ خواہ وہ انگور و کھجور کے ہوں خواہ مذکورہ بالا طریقوں کے علاوہ بنائے جاتے ہوں، یا دوسری چیزوں سے۔ مثلاً گیہوں، جو، شہد، دودھ، میوہ، مکئی، انجیر وغیرہ سے، ان کے باب میں اصل مذہب، جو شیخین کا مذہب ہے یہ ہے کہ نشہ کی حد تک ان کا پینا بھی حرام ہے اور اس حد سے کم میں غرض صحیح کے لئے ان کا پینا جائز و حلال ہے کہ یہ مشروبات بجائے خود پاک ہیں۔

لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ ان مشروبات کو بھی شراب قرار دے کر حرمت و نجاست کا فیصلہ سناتے ہیں۔ بطور سدِ ذرائع فتویٰ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہی مسلک پر ہے۔

"قالوا: الفتویٰ فی زماننا بقول محمد لغلبة الفساد ....

أقول: الظاهر أن مرادهم التحريمُ مطلقاً وسدُّ الباب بالكلية.

(ردالمحتار ص ۳۲۲، جلد ۵ مکتبہ ماجدیہ)

مسلکِ شیخین کے متعلق مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہ کا ایک تاثر ملاحظہ کیجئے۔ آپ رقمطراز ہیں:

"یہ سب بربنائے مذہبِ مفتیٰ بہ تھا۔ اور اصل مذہب کہ مذہبِ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے۔

أعني طهارة المثلث العنبي، والمطبوخ التمري، والزبيبي، وسائر الأشربة من غير الكرم والنخلة مطلقاً، وحلها كلها دون قدر الإسكار۔ حاشا یہ قول بھی ساقط و باطل نہیں۔ بلکہ یہی باقوت ہے، خود اصل مذہب یہی ہے اور یہی جمہور صحابہ کرام، حتی کہ حضرات اصحاب بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے، یہی قول امام اعظم ہے۔ عامۂ متون مذہب مثل مختصر قدوری، بدایہ، وقایہ، نقایہ، کنز وغیرہ، و اصلاح وغیرہا میں اسی پر جزم و اقتصار کیا۔ اکابر ائمہ ترجیح و تصحیح مثل امام اجل ابو جعفر طحاوی، و امام اجل ابو الحسن کرخی، و امام شیخ الاسلام ابو بکر خواہر زادہ، و امام اجل قاضی خان، و امام اجل صاحب ہدایہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسی کو راجح و مختار رکھا، بلکہ خود امام محمد نے کتاب الآثار میں اسی پر فتویٰ دیا، اسی کو بہ ناخذ فرمایا۔ علمائے مذہب نے بہت کتب معتمدہ میں اس کی تصحیح فرمائی، یہاں تک کہ الفاظِ ترجیح علیہ الفتویٰ سے بھی تذییل آئی۔"

(فتاویٰ رضویہ جلد یازدہم ص ۵۳، ۵۴ / رسالۃ الفقہ التسجیلی)

اس تاثر کے باوجود امام اعظم نے اپنے بہت سے فتاویٰ میں سد ذرائع کی مصلحت کے پیش نظر اسپرٹ اور الکحل کے باب میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا ہی موقف اختیار فرمایا۔

لیکن یہ بھی حقیقت واقعہ ہے کہ جب آپ نے اسپرٹ آمیز بعض امور کے متعلق یہ ملاحظہ فرمایا کہ عامۂ اہل ہند اس میں مبتلا ہو چکے ہیں یعنی فقہی اصطلاح کے مطابق عموم بلویٰ ہوگیا ہے تو وہاں آپ نے نہ صرف یہ کہ اپنے موقف میں لچک اور نرمی پیدا کی بلکہ اس کے بالکل برخلاف مذہب شیخین پر کئی ایک فتاویٰ صادر فرمائے۔ ان کی تفصیل یہ ہے۔

آپ سے استفسار ہوا:

"مصری ایک سرخ رنگ کے کاغذ میں جس کی نسبت قوی گمان ہے کہ پڑیا کے رنگ میں رنگا گیا ہو، بندھی تھی اس کی سرخی فی الجملہ مصری میں آگئی تو وہ مصری کھائی جائے یا نہیں؟"

اس کے جواب میں آپ نے ارقام فرمایا:

"پڑیا کی نجاست پر فتویٰ دیئے جانے میں فقیر کو کلام کثیر ہے۔ ملخص اس کا یہ ہے کہ —

پڑیا میں اسپرٹ کا ملنا اگر بطریق شرعی ثابت بھی ہو تو اس میں شک نہیں کہ ہندیوں کو اس کی رنگت میں ابتلائے عام ہے۔

اور عموم بلویٰ، نجاست متفق علیہا میں باعث تخفیف، حتی فی موضع النص القطعی کما فی ترشش البول قدر رؤس الإبر، کما حققہ المحقق علی الإطلاق فی فتح القدیر۔

(ص ۱۸۴، ج ۲)

نہ کہ محل اختلاف میں، جو زمانہ صحابہ سے عہد مجتہدین تک برابر اختلافی چلا آیا۔

نہ کہ جہاں صاحب مذہب حضرت امام اعظم و امام ابو یوسف کا اصل مذہب طہارت ہو، اور وہی امام ثالث امام محمد سے بھی ایک روایت، اور اسی کو امام طحاوی وغیرہ ائمہ ترجیح و تصحیح نے مختار و مرجح رکھا ہو۔

نہ کہ ایسی حالت میں، جہاں اُس مصلحت کو بھی دخل نہ ہو جو متاخرین اہل فتویٰ کو اصل مذہب سے عدول، اور روایت آخرائے امام محمد کے قبول پر باعث ہوئی۔

نہ کہ جب مصلحت الٹی اس کے ترک، اور اصل مذہب پر ابقاء کی موجب ہو۔ تو ایسی جگہ بلا وجہ، بلکہ برخلاف وجہ مذہب مہذب، صاحب مذہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ترک کرکے مسلمانوں کو ضیق و حرج میں ڈالنا، اور عامۂ مومنین و مومنات جمیع دیار، و اقطار ہندیہ کی نماز معاذ اللہ باطل، اور انہیں

آثم ومُصِر علی الکبیرہ قرار دینا روشِ فقہی سے یکسر دور پڑنا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

(فتاویٰ رضویہ جلد دوم ص ۵۲، باب الانجاس)

(۲) ایک دوسرے فتوے میں آپ نے رخصت کا یہ نمونہ پیش کیا:

"بادامی رنگ کی پڑیا میں تو کوئی مضائقہ نہیں، اور رنگت کی پڑیا سے ورع کے لئے بچنا اولیٰ ہے، پھر بھی اس سے نماز نہ ہونے پر فتوے دینا آج کل سخت حرج کا باعث ہے والحرج مدفوع بالنص، وعموم البلوی من موجبات التخفیف، لاسیما فی مسائل الطہارۃ والنجاسۃ۔

لہٰذا اس مسئلہ میں مذہب حضرت امام اعظم، وامام یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے عدول کی کوئی وجہ نہیں، ہمارے ان اماموں کے مذہب پر پڑیا کی رنگت سے نماز بلاشبہ جائز ہے، فقیر اس زمانے میں اسی پر فتویٰ دینا پسند کرتا ہے۔

وقد ذکرنا علی ہذہ المسئلۃ کلاماً اکثر من ہذا فی فتاوینا، وستحقق الامر بما لامزید علیہ ان ساعد التوفیق من اللہ سبحانہ وتعالیٰ واللہ تعالیٰ اعلم۔"

(فتاویٰ رضویہ ص ۱۰۰، ج ۲، باب الانجاس)

(۳) "انگریزی تحریروں میں عموماً اسپرٹ ہوتی ہے، تو کھانے پینے کے سوا رنگنے وغیرہ میں جہاں خود اس کا چھونا لگانا پڑے وہ بھی ممنوع وناجائز ہے۔ صرف کپڑوں میں فقیر کے نزدیک ابوجہ عموم بلویٰ حکم طہارت ہے۔ اخذاً باصل المذہب، والتفصیل فی فتاوینا۔"

(فتاویٰ رضویہ ص ۹۰، ج ۱۱، کتاب الاشربۃ)

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے درج بالا دوسرے فتوے میں "ستحقق الامر بما لامزید علیہ" سے حرف آخر کی شکل میں جس تحقیق کے پیش کرنے کا وعدہ فرمایا ہے غالباً اس کا ایفاء اپنے رسالہ مبارکہ "الفقہ التسجیلی فی عجین النارجیلی" میں کیا ہے، اس حیثیت سے، نیز "التعلیل دلیل التعویل" کے پیش نظر غور کیا جائے تو واضح ہوگا کہ اس رسالہ میں بھی آپ کا رجحان مسلک شیخین کی طرف ہی ہے مگر افسوس کہ یہ رسالہ مکمل محفوظ نہیں رہا۔

سوالات

ان تفاصیل کے ساتھ درج ذیل سوالات حاضر خدمت ہیں:

(۱) الکحل، اسپرٹ، اور ٹنکچر کیا شرعی نقطۂ نگاہ سے "خمر" ہیں ———؟

(۲) اگر یہ خمر نہیں ہیں تو کیا ان شرابوں میں سے ہیں جن کی حرمت پر ہمارے ائمہ کرام کا اتفاق ہے۔

گر وہ حرمت ظنی و اجتہادی ہی سہی — ؟

(۳) یا ان کا شمار ان مشروبات سے ہوگا جو شیخین رحمہا اللہ کے نزدیک حد اسکار سے کم میں اغراض صحیحہ کے لئے حلال ہیں۔ لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ بھی شراب ہیں اور ناپاک و حرام — ؟

(۴) شراب کی مختلف قسم سے ہونے کی تقدیر پر کیا آج کے زمانے میں ایسی شرابوں سے مخلوط دواؤں میں عموم بلوی کی حالت پیدا ہو چکی ہے، یا نہیں — ؟

(۵) اگر عموم بلوی کی حالت پیدا ہو چکی ہے تو کیا آج کے زمانے میں دواؤں کے استعمال کی حد تک مذہب شیخین پر عمل اور فتویٰ جائز ہوگا، یا نہیں — ؟

(۶) امام احمد رضا قدس سرہ نے صرف رنگین کپڑوں کے بارے میں حکم طہارت دیا ہے لیکن آجکل دوسری اشیاء — مثلاً دیوار، دروازے، کرسیاں، پلنگ، میز وغیرہ بھی مختلف قسم کے رنگوں سے مزین کیے جاتے ہیں۔ ان کے بارے میں کیا حکم ہوگا — ؟

امید کہ مسئلے کے تمام گوشوں کا تحقیقی جائزہ لے کر جواب ارقام فرمائیں گے۔

آپ کی سہولت کے لیے چند جزئیات کی ایک فہرست بھی سوال نامہ کے ساتھ منسلک ہے، ممکن ہے ان سے جواب کی تیاری میں کچھ مدد ملے۔

اعلیٰحضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے
مشائخ کرام کے حالات زندگی پر جامع تصنیف
اصح التواریخ و تاریخ خاندان برکات
مصنف
تاج العلماء اولاد رسول حضرت محمد میاں مارہروی رحمۃ اللہ علیہ
برکاتی پبلشرز پہلی منزل، نیک محمد بلڈنگ چھاگلہ اسٹریٹ کھارادر کراچی — ۰۰۰

تخریج
محمد نظام الدین رضوی
رکن مجلس شرعی

جزئیات
خمر کی ماہیت

الخمر: هي النيء من ماء العنب إذا غلى واشتد وقذف بالزبد، ولم يشترطا قذفه وبه قالت الثلاثة. وقد تطلق الخمر على غير ما ذكر مجازا (الدر المختار)

(قوله: وقد تطلق) قال في المنح: هذا الاسم خص بالشراب بإجماع أهل اللغة، ولا نقول: إن كل مسكر خمر، لاشتقاقه من مخامرة العقل، فإن اللغة لا يجري فيها القياس فلا يسمى الدن قارورة لقرار الماء فيه.

وإذا قوله صلى الله تعالى عليه وسلم كل مسكر خمر، وكل مسكر حرام. وقوله: إن من الحنطة خمرا، وإن من الشعير خمرا، ومن الزبيب خمرا، ومن العسل خمرا، فجوابه: أن الخمر حقيقة تطلق على ما ذكرنا، وغيره كل واحد له اسم، مثل المثلث والباذق والمنصف ونحوها. وإطلاق الخمر عليها مجاز، وعليه يحمل الحديث اهـ ملخصا

أو هو لبيان الحكم لأنه عليه الصلاة والسلام بعث له، لا لبيان الحقائق اهـ (رد المحتار ص ٤١٩ ج ٥ مكتبه ماجديه، پاکستان) كتاب الأشربة. ونحوه في الهداية، كتاب الأشربة (٤٧٨، ٤٧٩، ٤٨٠ ج ٤)

أن الثابت في اللغة تفسير الخمر بالنيء من ماء العنب إذا اشتد وهذا مما لا اختلاف فيه عند من تتبع مواقع استعمال الأسماء، ولقد يطول الكلام بإيراده، ويدل على أن الحمل المذكور على الخمر بطريق التشبيه قول ابن عمر رضي الله عنهما: حرمت الخمر، وما بالمدينة منها شيء، أخرجه البخاري في الصحيح. ومعلوم أنه إنما أراد ماء العنب لثبوت أنه كان بالمدينة غيرها

لما ثبت من قول النبي، وما شرابهم يومئذٍ - أي يوم حرمت - الا الفضيخ البسر، والتمر، نعرف ان ما اطلق هو، وغيره من الحمل لغير ما عليها بوهو كان على وجه التشبيه الخ

(فتح القدير ص ۲۰۰ ج ۵، باب حد الشرب)

تکملة البحر الرائق. کتاب الاشربة ص ۲۴۶ - ۲۵۰ ج ۸
تکملة فتح القدير (نتائج الافكار) کتاب الاشربة ص ۲۱ - ۴۲ ج ۹ ——— عناية، کفاية، سعدي

خمر اور غیر خمر شرابوں کے فرق احکام

الا ان حرمة هذه الاشربة (العصير، ونقيع التمر والزبيب) دون حرمة الخمر۔

(۱) حتى لا يكفر مستحلها، ويكفر مستحل الخمر۔ لان حرمتها اجتهادية، وحرمة الخمر قطعية۔

(۲) ولا يجب الحد بشربها حتى يسكر، ويجب بشرب قطرة من الخمر۔

(۳) ونجاستها خفيفة في رواية، وغليظة في اخرى۔ ونجاسة الخمر غليظة رواية واحدة۔

(۴) ويجوز بيعها، ويضمن متلفها عند ابي حنيفة، خلافاً لهما فيهما۔

ولا ينتفع بها بوجه من الوجوه لانهما محرمة اھ

(هدايه ص ۴۷۹ ج ۴. کتاب الاشربة)

وحكي عن الفضلي رحمه الله تعالى انه قال. على قول ابي حنيفة وابي يوسف رحمهما الله يجب ان يكون نجاستها خفيفة، والفتوى على انه نجس نجاسة غليظة۔

ويجوز بيع الباذق، والمنصف والسكر ونقيع الزبيب، ويضمن متلفها في قول ابي حنيفة رحمه الله تعالى خلافاً لهما۔ والفتوى على قوله في البيع۔

اما في الضمان: ان كان المتلف قصد الحسبة وذلك يعرف بقرائن الاحوال فالفتوى على قولهما، وان لم يقصد الحسبة فالفتوى على قوله ايضاً۔ كذا في الظهيرية اھ

(فتاوی عالمگیری ص ۴۱۲ ج ۵، کتاب الاشربة، نورانی کتب خانه)

(〃 ص ۱۳۰ ج ۳ 〃 مطبع مجیدی کانپور)

وکذا في الدر المختار ورد المحتار ص ۲۰۳ ج ۵ مکتبه ماجدیه، عند قول الدر: وصح بيع غير الخمر)

خمر کی حرمت قطعیہ، بلکہ ضروریاتِ دین سے ہے۔ اس کے ایک قطرہ کی حرمت کا منکر قطعًا کافر ہے۔ باقی مسکرات میں یہ حکم نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ص ۱۰ جلد ۱۱)

غیر مسکراتِ اربعہ کا حکم

وقال فی الجامع الصغیر: وما سوی ذلک من الاشربۃ (وہو الخمر والعصیر والنقیعان) فلا بأس بہ۔

قالوا: ہذا الجواب علی ہذا العموم والبیان لایوجد فی غیرہ (ای غیر الجامع الصغیر) وہو نص علی ان ما یتخذ من الحنطۃ والشعیر والعسل والذرۃ حلال عند ابی حنیفۃ، ولا یحد شاربہ عندہ وان سکر منہ ولا یقع طلاق السکران منہ بمنزلۃ النائم۔

وعن محمد: انہ حرام، ویحد شاربہ اذا سکر منہ ویقع طلاقہ اذا سکر منہ کما فی سائر الاشربۃ المحرمۃ. وابو یوسف رجع الی قول ابی حنیفۃ فلم یحرم کل مسکر الخ (ہدایہ ص ۴۷۹، ۴۹۸ ج ۴ کتاب الاشربۃ)

واما ما ہو حلال عند عامۃ العلماء فہو الطلاء وہو المثلث، ونبیذ التمر والزبیب فہو حلال شربہ ما دون السکر لاستمراء الطعام والتداوی للتقوی علی طاعۃ اللہ لا للتلہی، والمسکر منہ حرام وہو القدر الذی یسکر وہو قول العامۃ واذا سکر یجب الحد علیہ، ویجوز بیعہ ویضمن متلفہ عند ابی حنیفۃ وابی یوسف، واصح الروایتین عن محمد، وفی روایۃ عنہ ان قلیلہ وکثیرہ حرام ولکن لا یجب الحد ما لم یسکر. کذا فی محیط السرخسی والفتوی فی زماننا بقول محمد حتی یحد من سکر من الاشربۃ المتخذۃ من الحبوب والعسل، واللبن والتین لان الفساق یجتمعون علی ہذہ الاشربۃ فی زماننا ویقصدون السکر والتلہی بہا. کذا فی التبیین اھ (فتاویٰ عالمگیری ص ۴۱۲ ج ۵ نورانی کتب خانہ)

(؍ ؍ ص ۱۳۰ ج ۴ مطبع مجیدی کانپور)

واما الاشربۃ المتخذۃ من الشعیر او الذرۃ او التفاح او العسل، اذا اشتد وہو مطبوخ او غیر مطبوخ فانہ یجوز شربہ ما دون السکر عند ابی حنیفۃ وابی یوسف وعند محمد رحمہ اللہ حرام شربہ قال الفقیہ: وبہ ناخذ۔ کذا فی الخلاصۃ الخ۔

(فتاویٰ عالمگیری ص ۴۱۴ ج ۵ نورانی کتب خانہ)

(؍ ؍ ص ۱۳۰ ج ۴ مطبع مجیدی کانپور)

مذہب شیخین کے دلائل اور مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتاویٰ رضویہ جلد یازدہم، رسالہ النقۃ التسجیلی ص ۵۳ تا ۹۴)

عمومِ بلویٰ : وہ امر عام جس سے بچنا دشوار ہو اور اس کی وجہ سے عوام و خواص سبھی اس میں مبتلا ہوں۔ "عموم بلویٰ" کی تعریف نہیں ملی، البتہ کلام فقہاء سے یہی مستفاد ہوتا ہے، صرف عوام کا ابتلاء عموم بلویٰ نہیں۔

واضح ہو کہ عموم بلویٰ کا اثر صرف طہارت و نجاست کے ساتھ خاص نہیں بلکہ باب حلت و حرمت میں بھی یہ اثر انداز ہوتا ہے جیسا کہ فتاویٰ رضویہ جلد دوم ص ۵۰، ۵۱ کی مذکورہ عبارت "وعموم البلوی من موجبات التخفیف (انتفا) فی مسائل الطھارۃ والنجاسۃ" سے معلوم ہوتا ہے۔ نیز فتاویٰ رضویہ ص ۴۳ جلد ۱۱ رسالہ حقۃ المرجان لمھم حکم الدخان میں اس کی صراحت بھی ہے وہ تحریر فرماتے ہیں :

"ان عموم البلوی من موجبات التخفیف شرعًا ...... ولا یخفی علی خادم الفقہ ان ھذا کما ھو جار فی باب الطھارۃ والنجاسۃ کذلک فی باب الاباحۃ والحرمۃ الخ"

یونہی اس کا دائرہ افعال اختیاریہ و غیر اختیاریہ سب کو عام ہے جس کے کتب فقہ میں بہت سے شواہد ہیں خود فتاویٰ رضویہ جلد یازدہم کے رسالہ مذکورہ میں ہے۔

"عجماً و عربًا، شرقًا و غربًا عام مومنین بلاد و بقاع تمام دنیا کو اس حقہ نوشی میں ابتلاء ہے تو عدم جواز کا حکم دینا عامۂ امت مرحومہ کو معاذ اللہ فاسق بنانا ہے۔" (فتاویٰ رضویہ ص ۴۴ جلد ۱۱)

کھلی ہوئی بات ہے کہ حقہ نوشی فعل اختیاری ہے، غیر اختیاری نہیں۔ نیز تالاب کے اجارہ کے سلسلے میں فتاویٰ رضویہ کتاب الاجارہ میں ہے :

"اور جامع المضمرات میں جواز پر فتویٰ دیا۔ فی الدر المختار: جاز اجارۃ القناۃ والنھر مع الماء بہ یفتی لعموم البلوی۔ مضمرات اھ اقول: لقد احسن اذ علل الافتاء لعموم البلوی لا بحصول الحرج بالتبع اھ ملخصًا۔"

(فتاویٰ رضویہ ص ۱۵۷، ۱۶۰، ۱۶۱ ج ۸)

تالاب کو اجارہ پر لینا کوئی ایسا فعل نہیں جس میں آدمی بلا قصد و اختیار مبتلا ہو جائے بلکہ اختیاری فعل ہے۔ ان مسائل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عموم بلویٰ کیلئے ہر ہر فرد کا ابتلاء ضروری نہیں ہے بلکہ اکثر افراد کا ابتلاء بھی کافی ہے کیونکہ بہت سے لوگ ہیں جو حقہ نہیں پیتے، تالاب کو اجارہ پر نہیں لیتے۔

پروفیسر سہیل صاحب گونڈہ

اِتھائیل الکحل یا شرابؒ (Ethyl Alcohol)

اتھائیل الکحل کو عرف عام میں الکحل کہتے ہیں اس کا فارمولا C_2H_5OH ہے اس کے کئی اقسام ہیں مثلاً

(۱) کمرشیل الکحل (Commercial Alcohol) :- اسے ریکٹیفائڈ اسپرٹ (Rectified Spirit) بھی کہتے ہیں اس میں 90-95 فی صد اتھائیل الکحل ہوتا ہے اور باقی پانی ہوتا ہے۔

(۲) ڈی نیچرڈ الکحل (Denatured Alcohol) :- یہ بھی اسپرٹ کی ایک قسم ہے اس میں کچھ زہریلے کیمیکل ملا دیئے جاتے ہیں جیسے پریڈین (Pyridine) اور میتھائل الکحل (Methyl Alcohol) جس سے لوگ اسے نہ پئیں اسے میتھلیٹڈ اسپرٹ (Methylated Spirit) بھی کہتے ہیں

(۳) ابسلوٹ الکحل (Absolute Alcohol) :- اس میں ۱۰۰ فی صد اتھائیل الکحل ہوتا ہے۔ اوپر دونوں طرح کے الکحل سے اسے بنایا جاتا ہے

ٹنچر - - - (Tincture)

کسی دوا کا الکحل میں محلول کو ٹنچر کہتے ہیں جیسا کہ چیمبر ڈکشنری (لندن) میں یہی تعریف ٹنچر کی ہے کہ

(Tincture is an alcoholic solution of a drug.)

نوٹ :- سوال نمبر ۲ کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہوں گا وہ یہ کہ الکحل ایک رقیق (Liquid) ہے جو بہت تیزی سے فضا میں تحلیل ہو جاتا ہے اگر مختلف رنگ جن سے دروازے کرسیاں وغیرہ رنگی جاتی ہیں اسپرٹ یا الکحل ملا ہو تو تھوڑی دیر سوکھ جانے کے بعد سب اسپرٹ یا الکحل فضا میں تحلیل ہو کر ختم ہو جائے گا کیونکہ اس کا Boiling point کم ہوتا ہے

مقالاتُ
اور
فتاویٰ

حضرت مولانا قاضی عبد الرحیم صاحب
مفتی مرکزی دار الافتاء بریلی شریف

الکحل

۱ و ۲۔ الجواب:۔ آپ کی مہیا کردہ تفصیلات سے ثابت ہے کہ الکحل، اسپرٹ قطعاً شراب بلکہ شراب کی بدترین قسمیں ہیں۔ شمس الاطباء کا اسے روح الخمر۔ روح النبیذ۔ جوہر شراب۔ روح شراب بتانا درست ہے پس یہ حرام وناپاک اور ان کی نجاست مثل بول نجاست غلیظہ ہے علامہ شامی قدس سرہ کتاب الاشربہ کے شروع میں فرماتے ہیں۔ ان العرق المستقطر من فضلات الخمر نجاسة غلیظة کما صله اعلیٰحضرت عظیم البرکۃ فاضل بریلوی قدس سرہ جد الممتار شریف میں فرماتے ہیں المستقطر من الخمر و فضلاته یکون حراما نجسا اذا کان مسکرا کما ھو معلوم فی اسپیر تو صفحہ ۱۲۹ اور الکحل میں اسپرٹ اور ٹنکچر میں الکحل کی آمیزش ہوتی ہے تو سب کا حکم خمر کا ہونا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۔ کلمات علماء سے ظاہر ہے کہ وہ خمر میں داخل ہیں مگر مجال سخن باقی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۴ و ۵۔ انگریزی دواؤں کے استعمال میں ابتلائے عام ضرور ہے اور اس بنا پر تخفیف کا حکم ہونا چاہیے مگر اس پر فتویٰ دینے سے پہلے علمائے کرام خوب غور وفکر فرما لیں اس کے بعد ہی مذہب حنفی کے خلاف فتویٰ دیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

۶۔ اور اس پر بھی غور کرنا چاہیے کہ رنگنے والی چیزوں میں واقعی اسپرٹ الکحل کا استعمال ناگزیر ہے اور واقعی عموم بلویٰ کی حالت ہے یا نہیں؟ اس کے بعد ہی قطعی فیصلہ صادر کریں۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت مولانا عبد الحکیم صاحب شرف قادری نقشبندی
نمائندہ نظامیہ رضویہ۔ پاکستان

الکحل

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم الامین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین
محترم و مکرم حضرت علامہ مولانا مفتی نظام الدین صاحب مدظلہ العالی و اراکین مجلس شرعی حفظہم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ!

الکوحل، اسپرٹ اور ٹنکچر آمیز دواؤں کے بارے میں آپ کا فاضلانہ سوال نامہ پیش نظر ہے، راقم نے اس کا مطالعہ کیا اور جس نتیجہ تک پہونچا اسے مختصر الفاظ میں درج ذیل سطور میں پیش کرتا ہوں واللہ تعالیٰ یہدی الی الحق والصواب۔

۱۔ الکوحل، اسپرٹ اور ٹنکچر حقیقی خمر نہیں ہیں۔

۲-۳۔ یہ ان شرابوں میں سے ہیں جن کی تھوڑی مقدار (جس سے نشہ پیدا نہ ہو) شیخین کے نزدیک حرام نہیں جب کہ امام محمد کے نزدیک حرام ہیں، غرض یہ کہ ان شرابوں کی قلیل مقدار کی حرمت پر ائمہ احناف کا اجماع نہیں ہے۔

۴۔ الکوحل وغیرہ سے مخلوط دوائیں کے استعمال میں عموم بلویٰ کی کیفیت پیدا ہو چکی ہے۔ ایلوپیتھی دواؤں خاص طور پر ٹیکے اور مائع دواؤں اور ہومیوپیتھک کی تمام دواؤں میں الکحل کی آمیزش ہوتی ہے اور عوام و خواص اسکے استعمال میں مبتلا ہیں۔

۵۔ میڈیکل دواؤں کے استعمال کی حد تک شیخین کے مذہب پر عمل کرنا اور فتویٰ دینا جائز ہے۔

۶۔ دیوار، دروازے یا کرسی وغیرہ پر رنگ و روغن کیا گیا اور وہ خشک ہو گیا ہو۔ تو جسم یا کپڑے کے مس کرنے میں حرج نہیں اور اگر خشک نہیں ہوا تو اس سے بچنا چاہیے، کیونکہ اس کے بارے میں عموم ابتلا نہیں پایا جاتا۔

نوٹ :- (…) مسئلے میں حضرات شیخین کے مذہب کو بنیاد بنانے میں فتنے کا خطرہ ہے اور وہ یہ کہ عوام الکحل وغیرہ پینا شروع کر دیں گے۔ اس کی جگہ علاج بالمحرمات کو بنیاد بنایا جائے تو بہتر ہے مثلاً ماکول اللحم کا پیشاب ناپاک ہے اس کے باوجود امام ابو یوسف اس کے ساتھ علاج کو امام محمد کی طرح جائز قرار دیتے ہیں ؎

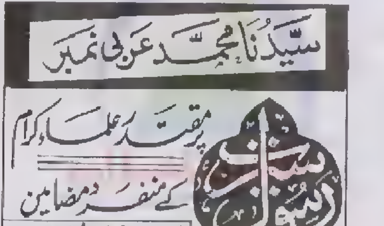

حضرت مولانا زین العابدین صاحب
شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ کھرچھہ

الکحل

۱ ۔ الکحل آپ کی تصریحات کے مطابق اگر گنے کے رس سے بنایا ہوا دواؤں میں ملایا جاتا ہے تو یہ دیگر مشروبات میں داخل ہوگا اور اگر انگور کے شیرہ سے بنایا گیا ہے تو خمر کی ان قسموں میں داخل ہوگا جن پر خمر کا اطلاق مجازاً ہوتا ہے۔ اسپرٹ آپ کی تصریح کے مطابق اس کے جو بنیادی اجزاء ہیں وہی الکحل کے ہیں تو جو حکم الکحل کا وہی اسپرٹ کا ہوگا۔

ٹنچر ۔ الکحل کے محلول یا تقطیر کے ذریعہ تیار ہوتا ہے اور الکحل اسپرٹ ہے تو جو حکم الکحل و اسپرٹ کا ہے وہی حکم ٹنچر کا ہے۔

ان میں شیخین کا مذہب یہ ہے کہ نشہ کی حد تک پینا حرام ہے اور اس سے کم میں غرض صحیح کیلئے پینا حلال ہے۔

۲ ۔ ان خمور میں بھی یہ داخل نہ ہوگا جن کی قطعی حرمت پر ہمارے ائمہ کرام کا اتفاق ہے۔

۳ ۔ ان کا شمار ان مشروبات میں آئے گا جو شیخین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک حد اسکار سے کم میں غرض صحیح کے لئے حلال ہے۔

شراب کی مختلف فیہ قسم میں یہ داخل ہے اور آج عموم بلویٰ کی حالت پیدا ہو چکی ہے۔

۵ ۔ عموم بلویٰ کی حالت پیدا ہو چکی ہے اس لئے اس زمانہ میں دواؤں کے استعمال کی حد تک مذہب شیخین پر عمل و فتویٰ جائز ہوگا۔

۶ ۔ اس زمانہ میں تمام رنگوں میں ابتلاء عام ہو گیا اسلئے اغراض صحیحہ کے لئے دیوار وغیرہ کو ان رنگوں سے مزین کیا جا سکتا ہے۔

بیمہ ۔ کسی عقد شرعی کے تحت میں داخل نہیں ہے غیر مسلم کمپنی سے اس شرط کے ساتھ کہ ہر طرح اپنا نفع ہو اور کوئی غیر شرعی پابندی نہ ہو تو جائز ہے۔

۱ ۔ قرض کی تقدیر پر ربوٰ ہے حدیث میں ہے کل قرض جر منفعۃ فھو ربٰو ۔

۲۔ جائز ہے لان مالهم غیر معصوم فبأی طریق اخذه المسلم یاخذ مالا مباحا مالم یکن غدرا۔ اگر اس میں اپنے نقصان کی کوئی صورت نہیں ہے تو جائز ہے کوئی حرج نہیں مگر شرط یہ ہے کہ اس کے سبب کسی خلاف شرع احتیاط کی پابندی عائد نہ ہوتی ہو۔ جیسے تجّ وروزے کی ممانعت۔

۳۔ کسی عقد شرعی کے تحت داخل نہیں اس لئے اس کو کسی طرح سے بھی مباح نہیں کیا جا سکتا ہے۔ جتنا دیتا ہے اس سے زیادہ ملے تو یہ معاملہ بھی جائز ہے۔ ربا کی حرمت کی یہ شرط ہے کہ بدلین معصوم ہوں۔ ردالمحتار میں ہے قال فی الشرنبلالیة من شرائط الربو عصمة البدلین لکونهما مضمونین بالاطلاق فعصمة احدهما وعدم تقومه لایمنع۔

۴۔ بیمہ کے متعلق جواز ثابت ہو چکا عدم جواز کی کوئی صورت نہیں۔

۵۔ مذکورہ شرطوں کے ساتھ بیمہ کرا سکتا ہے۔

۶۔ جواز کی صورت بیان کی جا چکی لان مالهم غیر معصوم الی اخرہ۔

مشترکہ سرمایہ کمپنی کا نظام اور اس میں شرکت۔

سرمایہ کمپنی کے اصول اسلامی اصول کے خلاف ہیں اور جواز کے لیے شرعی حیلہ تلاش کرنے کے جو اسباب ہیں وہ متحقق نہیں ہیں اس میں مسلمانوں کا ایک متمول طبقہ ملوث ہے اسی لئے ابتلائے عام نہیں۔ اور چونکہ اس میں سرمایہ بڑھانا مقصود ہے اس لئے ضرورت کے تحت بھی داخل نہیں۔ اور اس میں جتنے جزئیات بیان کئے گئے ہیں ان میں سودی قرض اور حصص کی بکری اور منتقلی کہ اس کی قیمت شرعاً کوئی چیز نہیں اسلئے اس میں شرکت جائز نہیں۔

عقود فاسدہ بغیر غدر کے تو اجازت دی گئی وہ اس صورت سے مقید ہے کہ ہر طرح ہی اپنا نفع ہو اور یہ ایسی کمپنیوں میں کسی طرح متوقع نہیں اس لئے اس کی اجازت نہیں۔

حصص کی قیمت شرعاً کوئی چیز نہیں بلکہ اصل کے روپے جتنے اس کمپنی میں جمع ہیں یا مال میں اس کا جتنا حصہ ہے یا منفعت جائزہ غیر ربویہ میں اس کا جتنا حصہ ہے اسی پر زکوٰۃ لازم آئے گی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سال بسال زکوٰۃ واجب ہوگی۔"

حضرت مولانا مفتی مجیب الاسلام صاحب نسیم اعظمی
جامعہ حمیدیہ حنفیہ مدن پورہ، بنارس

الکُحُل

بتوفیقہ تعالیٰ اس میں شک نہیں کہ خمر بالمعنی الحقیقی بنص قطعی حرام قطعی ہے جس کی حلت کا قائل یقیناً قطعاً کافر ہے۔ مگر مفہوم خمر متعین کرنا ضروری ہے۔ احادیث کریمہ کے اعتبار سے خمر کا اطلاق بہت سے مشروبات پر ہے۔ عن ابی ھریرۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: الخمر من ھاتین الشجرتین النخلۃ والعنب (مشکوۃ شریف) جو وغیرہ مشروبات پر بھی بقول امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خمر کا اطلاق ہے۔ (مشکوۃ شریف) ائمہ کرام نے فرمایا کہ عنب کے علاوہ پر مجازاً اطلاق خمر کیا گیا۔ اس پر تو اجماع ہے کہ انگور سے تیار کی گئی شراب بالمعنی الحقیقی خمر ہے اس کی حرمت کا منکر قطعاً کافر ہے بقیہ شجر و تمر وغیرہ سے تیار کی گئی شراب بالمعنی الحقیقی خمر نہیں نیز اس پر بھی بمفہوم حدیث تمام ائمہ متفق ہیں کہ کل مسکر حرام اسپرٹ کا اتخاذ صرف انگوری شراب سے نہیں بلکہ بیشتر غیر انگوری شراب سے ہے اگر انگوری مسکر شراب سے ہے تو قطعاً حرام ہے جس کی حرمت کا منکر کافر ہے اور اگر انگور سے نہیں اور اس میں سکر نہیں تو اس کا استعمال داخلاً وخارجاً دونوں جائز ہے۔ حاشیہ ہدایہ میں عنایہ سے ہے:

النبیذ من الزبیب ھو الذی من ماء الزبیب اذا طبخ ادنیٰ طبخۃ یحل شربہ ما دام حلوا واذا غلا واشتد وقذف بالزبد علیٰ قول ابی حنیفۃ وابی یوسف یحل شربہ ما دون اسکر وعند محمد والشافعی لایحل والنبیذ من التمر ھو ماء التمر اذا طبخ ادنیٰ طبخۃ یحل شربہ فی قولھم ما دام حلوا واذا غلا واشتد وقذف بالزبد عند ابی حنیفۃ وابی یوسف یحل شربہ للتداوی والتقوی الا القدح المسکر وقال محمد والشافعی لایحل۔ اس عبارت سے مفہوم ہوا کہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ وسیدنا امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ کے نزدیک جوش واشتداد بلکہ قذف بالزبد ہو جب بھی حلال ہے جب تک اس میں سکر نہ ہو بلکہ عالمگیری میں ہے البختج من ماء العنب اذا غلی واشتد ولم یقذف بالزبد فشربہ انسان فسکر لایحد فی قول ابی حنیفۃ وحکمہ حکم العصیر۔ کہ انگور کے پانی میں جوش واشتداد

آجائے تب بھی وہ حلال ہے جب تک قذف بالزبد نہ ہو۔ یعنی امام کے نزدیک خمر کا اطلاق جب ہوگا کہ قذف بالزبد ہو جائے۔

بالفرض اسپرٹ انگور سے تیار ہو تو کیا دلیل ہے کہ اس عصیر سے تیار ہے جس میں جھاگ آگئی ہے میرے خیال میں اس پر کوئی دلیل نہیں صاف مضمون ہے اگر اس میں سکر بھی ہو مگر قذف بالزبد نہ ہو تو اس پر حد نہیں کیا جا سکتا کہ بھنگ افیون کے نشہ میں حد نہیں لہٰذا امام صاحب کے نزدیک اگرچہ حد نہیں مگر حرام ہے۔

آگے کی عبارت وحکمہ حکم العصیر سے معلوم ہوا کہ جس میں جھاگ نہیں وہ پاک بھی ہے اس لئے کہ ہر پاک چیز کا عصیر پاک ہے والفتوی مطلقا علی قول الامام چونکہ یہ یقین نہیں کہ جس دوا کو ہم خریدتے ہیں اس میں وہی اسپرٹ ہے جو انگوری ہے لہٰذا مشتبہ کی وجہ سے اس پر حرمت قطعیہ کا حکم نہیں ہونا چاہئے اگر تمر و زبیب سے تیار کردہ اسپرٹ ہے تو پھر یہ اس مشروب سے مشتمل ہے جس میں قذف بالزبد ہو چکا ہے اس پر مجازاً قذف کا حمل ہوگا۔ اگر نہیں تو نہیں۔ بہر حال جس مشروب یا غیر مشروب کو ہم نے خریدا ہمیں اشتباہ ہے کہ اس میں خمر بالمعنی الحقیقی مشروب ملا ہے یا بالمعنی المجازی اگر بالمعنی المجازی ہے تو اگر اس میں وہ مشروب ملا ہے جس میں قذف بالزبد ہے یا نہیں اگر قذف بالزبد ہے تو خمر کے معنی میں ہے جس کا استعمال داخلا خارجا حرام ہے اور اگر نہیں تو قول امام میں المتخذۃ من العنب میں قذف بالزبد نہ ہوا اور اگر آجائے تو حد نہیں بلکہ عصیر ہے اور عصیر کا استعمال جائز ہے جب کہ اس میں غلیان واشتداد و قذف بالزبد نہ ہو تو حلال ہے جیسا کہ صاحب ہدایہ نے عصیر کو قید کے ساتھ حرام فرمایا کما فی الهداية فی باب الاشربة ان تفصیلات میں جہاں اشتباہ کی بنا پر حلت کی طرف رجحان کیا گیا ہے اور اس وقت جب ثابت ہو کہ اسپرٹ میں سکر نہیں اور اگر ثابت ہو کہ سکر ہے تو یقیناً حکم حرمت ہونا چاہئے جیسا کہ حدیث میں ہے ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام ترمذی، ابوداؤد وابن ماجہ، مشکوۃ ص ۳۱۷ دوسری حدیث کل مسکر خمر وکل خمر حرام رواہ مسلم مشکوۃ ص ۳۱۷۔ امام اہلسنت اعلیحضرت قدس سرہ کا ارشاد سنیے ان اشیاء تو دھی راح النبیذ خمر قطعا بل من اخبث الخمور اھ فتاوی رضویہ جلد دوم ان کے یہاں شراب کے برابر کوئی شئی حافظ قوت ادویہ نہیں اور تمام تحلیلات واعمال کیمیاوی ہیں جن سے ایسی تراکیب کم خالی ہوتی ہیں اسپرٹ کا استعمال کا لازم ہے اسپرٹ قطعاً شراب ہے فتاوی رضویہ جلد دوم۔ اس ارشاد کے مطابق تو محض شراب نہیں بلکہ خمر بالمعنی الحقیقی ہے جیسا کہ فرمایا کہ خمر قطعا اور اسپرٹ قطعا شراب ہے۔ پس اس ارشاد کے مطابق چونکہ الکحل اسپرٹ ہی کا مستقطر ہے لہٰذا اس کا بھی یہی حکم ہونا چاہئے مگر جب سے یونانی حکماء اور یونانی دواؤں کی جگہ انگریزی ڈاکٹروں انگریزی دواؤں نے لے لیا۔ عوام وخواص تمام ڈاکٹری دوائیں استعمال کرتے ہیں۔ اور

اور اسی کا نام عموم بلویٰ یا ابتلائے عام ہے۔ امام اہل سنت قدس سرہٗ یہ بھی فرماتے ہیں کہ، اگر ناجائز چیز دوا کے لئے استعمال کرنا جائز بھی ہو تو وہاں کہ اس کے سوا دوا نہ ملے اور نیز طبیب حاذق مسلمان غیر فاسق کے اخبار سے معلوم ہو اور یہاں دونوں امر متحقق نہیں فی الدر المختار، کل تداو لایجوز الا بطاھر وجوزہ فی النھایۃ بمحرم اذا اخبرہ طبیب مسلم ان فیہ شفاءہ ولم یجد مباحا یقوم مقامہ اھ ملخصا۔ اس عبارت سے تداوی کے طور پر ناجائز کا استعمال بشروط جائز ہے۔ مسترد کی قید تحصیل ظن غالب کے لئے ہے ظاہر بات ہے کہ وہ اطباء کہاں ہیں یا وہ دوائیں کہاں دستیاب ہیں۔ بالخصوص دیہاتوں میں اگر کچھ یونانی اطباء ہیں تو وہ بھی انگریزی دواؤں سے علاج کرتے ہیں۔ اور استعمال بالمحرم کی وجہ سے وہ فاسق ہیں۔ پھر طبیب عادل کیاب نہیں نایاب ہیں۔ پھر انگریزی ڈاکٹروں اور انگریزی دواؤں پر عمومی طور پر ہر شخص کو اعتماد ہے تو ان حالات میں انگریزی دواؤں کا استعمال جائز ہونا چاہئے۔ اگرچہ اس میں اسپرٹ یا الکحل کی آمیزش ہے۔ پھر امام اہلسنت فرماتے ہیں۔ عمل دو ٹیکا در دفع چیچک باذن اللہ تعالیٰ نفع می دہد ہمچوں ہواؤں اگرچہ مشتمل برچیزے از حرام بود ممنوع نیست مثل داغ نہادن آرے متوکلاں را نباید۔ اھ

امام اہلسنت کا بیان اوپر آچکا ہے کہ کوئی دوا اسپرٹ یا الکحل سے خالی نہیں پھر ٹیکا بغیر اسپرٹ سے خالی نہیں پھر ٹیکا بغیر اسپرٹ کے کبھی نہیں لگایا جاتا اس سے پتہ چلا کہ الضرورات تبیح المحظورات۔ اور تجربہ ہو چکا ہے کہ جہاں چیچک یا کوئی وبائی بیماری ہو۔ ان ٹیکوں سے فائدہ ہوتا ہے۔ وبا کا دفعیہ ہو جاتا ہے باذن اللہ تعالیٰ لانہ ھو الشافی المطلق۔ امام اہلسنت قدس سرہٗ سے استفسار ہوا مصری ایک سرخ رنگ کے کاغذ میں جس کی نسبت قوی گمان ہے کہ پڑیا کے رنگ میں رنگا گیا ہو۔ اس کی سرخی فی الجملہ مصری میں آگئی تو وہ مصری کھائی جائے یا نہیں اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں، پڑیا کی نجاست پر فتویٰ دیئے جانے میں فقیر کو کلام کثیر ہے۔ ملخص اس کا یہ کہ پڑیا میں اسپرٹ کا ملنا اگر بطریق شرعی ثابت بھی ہو تو اس میں شک نہیں کہ ہندیوں کو اس کی رنگت میں ابتلاء عام ہے اور عموم بلویٰ نجاست متفق علیہا باعث تخفیف ہے حتی فی موضع النص القطعی کما فی ترشش البول قدر رؤس الابر کما حققہ المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر فتاویٰ رضویہ جلد دوم۔

امام اہلسنت قدس سرہ کے زمانہ میں جس قدر رنگ کی پڑیا میں ابتلا تھا آج کے دور میں اس سے کہیں زیادہ بہت زیادہ بلکہ بالعموم رنگ ریزی دواؤں کے استعمال میں ابتلاء عوام و خواص ہے۔ جب امام اہلسنت کے نزدیک جس کی نجاست بنص قطعی ہے اس میں ابتلاء عام کی وجہ سے وہ تخفیف ہے تو اسپرٹ کی نجاست بنص قطعی مان لی جائے تو ابتلاء عام کی وجہ سے تخفیف کا باعث ہے۔ اگر ہم انگریزی دواؤں کے بارے میں

عدم جواز کا فتویٰ دیتے ہیں کہ حرام قطعی ہے تو ایک مرتبہ اس کے ارتکاب سے مرتکب فاسق ہوگا اور اگر حرام ظنی کا قول کرتے ہیں تو چونکہ ہر شخص بار بار انگریزی دوائیں استعمال کرتا ہے اور صغیرہ بالاصرار حکم گناہ کبیرہ بنتا ہے اس پر بھی فسق کا حکم ہوگا۔ اب بتائیں کون عادل رہ جائے گا کیا علمائے کرام مستثنیٰ ہیں میرے خیال میں سب مرتکب ہیں الامن وفقہ اللہ تعالیٰ پھر ائمہ مساجد کہاں ملیں گے۔ اساتذہ ایسے کہاں ملیں گے وفادار طلبہ تو اپنے اساتذہ کی مدح کریں گے اور حدیث میں ہے اذا مدح الفاسق غضب الرب واھتزلہ العرش۔

قابل صد احترام علمائے کرام کافی غور وخوض کے بعد فیصلہ فرمائیں فقیر تو ایک عدیم الشعور خادم العلماء کفش بردار ہے اس کی رائے کی کیا حیثیت ہے۔ صرف حضرت علامہ مفتی نظام الدین صاحب کے ارشاد پر چند سطریں سپرد قلم کی ہیں امام اہلسنت قدس سرہ کے ذہن میں دینی ودنیاوی علوم کا جو استحضار تھا جس سے ان علمی عبقریت کی بارگاہ میں ہمارا جبین نیاز خم ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ فاتح المحققین علامہ شامی رحمۃ الباری ہوتے تو امام اہلسنت کا منہ چوم لیتے انھوں نے تحقیق حق کا حق تحقیق ادا فرمایا مگر زمانہ کے تغیر سے مسائل میں تغیر کی ضرورت پڑ گئی جیسا کہ مسئلہ مفقود میں سیدنا امام مالک رضی اللہ عنہ کے مسلک پر علمائے اہلسنت کی اکثریت نے ظاہر الروایہ کے خلاف فتویٰ صادر فرمایا۔ اور یہ علمائے ربانی کا حق ہے من لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل کے تحت بعض مسائل میں تغیر ناگزیر ہے۔ معزز علمائے کرام سے گزارش ہے کہ عوام و خواص کی مشکلات پر نگاہ توجہ فرمائیں تاکہ لوگوں کو فسق و فجور سے بچایا جاسکے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

مفتی محمد ایوب و مولانا محمد ہاشم صاحبان

جامعہ نعیمیہ مراد آباد (یوپی)

الکحل آمیز دواؤں کا حکم شرعی

الکحل، اسپرٹ، ٹنکچر سے متعلق میری تحقیق وہی ہے جو فتاویٰ امام اہلسنت اعلیٰحضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز میں منصوص ہے کہ وہ شراب نجس ہے مگر خمر حقیقی اس کو یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا بلکہ اشربہ مختلف فیہا سے ہے جو قول مفتی بہ پر حرام ہے مگر دواؤں میں اس کا استعمال ابتلائے عام کی بنا پر اس کی حرمت کو قائم نہیں رکھ سکتا۔ اسفار فقہ میں اس کے نظائر کثیر ہیں۔ فی الدر المختار باب الانجاس وطین شارع وبخار نجس وغبار سرقین ومحل کلاب وانتضاح غسالة لاتظهر مواقع قطرها فی الاناء عفو۔ وفی رد المحتار طین الشوارع عفو وان ملأ الثوب للضرورة ولو مختلطا بالعذرات وتجوز الصلوٰة معه۔ ایضا فی الدر لا یکون نجسا رماد قذر والا لزم نجاسة الخبز فی سائر الامصار ولا ملح کان حمارا او خنزیرا ولا قذر وقع فی بئر فصار حمأة لانقلاب العین به یفتی۔

وفی ذیلهما فی الرد۔ وظاهره ان العلة الضرورة ... وان الفتوی علی هذا القول للبلوی فمفاده ان عموم البلوی علة اختیار القول بالطهارة۔ (ملخصاً) اس کی روشنی میں مذہب شیخین پر افتاء ہونا چاہیے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ امام احمد رضا قدس سرہ کے کلام میں حکم طہارت کے لیے کپڑے کی تخصیص باعث نہیں بلکہ ابتلائے عام ہے۔ لہذا در، دیوار، کرسیاں، پلنگ وغیرہ کی رنگت بھی مانع استعمال نہیں ہے۔

مولانا رحمت حسین کلیمی

تنظیم المسلمین، بائسی پورنیہ

دواؤں میں الکحل، اسپرٹ، ٹنکچر کا استعمال

اور اس کا حکم

(۱) الکحل، اسپرٹ، ٹنکچر، انگور کا کچا پانی جس میں جوش آکر تیزی پیدا ہو جائے اور جھاگ پھینک دے اگر اس سے تیار شدہ ہو تو بلاشبہ خمر ہے ورنہ خمر نہیں۔

(۲) عصیر، نقیع التمر، نقیع الزبیب جن مخصوص چیزوں اور جن مخصوص طریقوں سے تیار ہوتے ہیں اگر انھیں چیزوں اور انھی طریقوں سے الکحل، اسپرٹ، ٹنکچر تیار کئے گئے ہوں تو خمر نہیں بلکہ مسکرات ثلاثہ میں سے ہوں گے جن کی حرمت ظنی اور اجتہادی پر ہمارے ائمہ کرام کا اتفاق ہے۔

(۳) انگور اور دیگر پھلوں کے شیرہ سے جو الکحل تیار ہوتا ہے وہ بہت ہی قیمتی ہوتا ہے اسلئے دواؤں میں اس کا استعمال نہیں ہوتا ورنہ موجودہ قیمت سے دواؤں کی قیمت کئی گنی زیادہ ہو جائے گی یہی وجہ ہے کہ آجکل ملوثا گنے کے رس سے تیار شدہ الکحل ہی دواؤں میں ڈالا جاتا ہے اور یہی ہر جگہ وافر مقدار اور سستے دام میں دستیاب ہے لہذا الکحل جو دواؤں میں استعمال کیا جاتا ہے وہ اپنے اجزائے ترکیبیہ کے لحاظ سے نہ تو خمر ہے نہ مسکرات ثلاثہ میں سے ہے بلکہ ان مشروبات میں سے ہے جو شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک حد اسکار سے کم میں اغراض صحیحہ کے لئے حلال ہیں لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ بھی شراب اور ناپاک و حرام ہے اور امام احمد رضا قدس سرہ العزیز نے امام محمد رحمۃ اللہ کے قول پر فتویٰ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ اسپرٹ قطعاً شراب ہے اور پیشاب کی طرح نجس اور حرام بھی اور ٹنکچر آمیز دوائیں بھی ناپاک و حرام ہیں نہ ان کا کھانا حلال ہے نہ بدن پر لگانا جائز نہ خریدنا حلال نہ بیچنا جائز۔

(۴) دواؤں میں جس الکحل کی آمیزش ہوتی ہے وہ شراب کی مختلف قسم سے ہیں اور اس کثرت سے

دوائیں اس کا استعمال ہونے لگا کہ اس سے بچنا نہایت ہی دشوار ہو گیا ہے۔ اور تقریباً ہر خاص و عام ان دواؤں کے استعمال میں مبتلا ہو چکے ہیں جس سے عموم بلویٰ کی حالت پیدا ہو چکی ہے۔

(۵) عموم بلویٰ کی حالت پیدا ہو جانے کی وجہ سے آج کے زمانے میں دواؤں کے استعمال کی حد تک مذہب شیخین رحمہما اللہ پر عمل اور فتویٰ جائز ہوگا۔ امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں الکحل آمیز اور غیر الکحل آمیز دونوں طرح کی دوائیں دستیاب تھیں اور ماہر اطبا بھی موجود تھے اس لئے اس وقت الکحل آمیز دواؤں سے بچنا ممکن تھا اور آج کے زمانہ میں عام علاج سے لے کر آپریشن تک جتنی دوائیں استعمال کی جاتی ہیں ہر دوا میں الکحل شامل ہوتا ہے جس سے بچنا مشکل امر ہے کبھی کبھی فوری علاج کی صورت میں ان دواؤں کا استعمال ضرورت شرعی میں داخل ہو جاتا ہے مثلاً ٹیٹنس، سانپ کا کاٹنا وغیرہ۔

(۶) امام احمد رضا قدس سرہ نے جس زمانے میں صرف رنگین کپڑوں کے بارے میں طہارت کا حکم دیا ہے آج کا زمانہ اس سے بہت ہی مختلف ہے کل کچھ ہی لوگ اس میں مبتلا تھے اور آج تو اسپرٹ اور الکحل کی بلا میں بے شمار لوگ مبتلا ہو رہے ہیں کیونکہ اسپرٹ آمیز رنگوں سے پہلے تو کپڑوں کی رنگائی ہوتی تھی اور آج انہی اسپرٹ آمیز رنگوں سے دیوار و در کرسی و پلنگ حتیٰ کہ مسجد کے بام و در مزین کئے جاتے ہیں پہلے تو عوام و خواص اور اب اخص الخواص بھی اس میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ لہٰذا اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسی فتویٰ کی روشنی میں یہ ساری چیزیں بھی عموم بلویٰ کے تحت آجائیں گی اور ان تمام چیزوں پر طہارت کا حکم ہوگا۔

وھو تعالیٰ اعلم وعلمہ احکم

مفتی اختر حسین صاحب
دارالعلوم رضویہ کیتھون راجستھان

جوابِ مسئلۂ الکحل

(۱) الکحل خمر ہے۔ اور اسپرٹ اور ٹنکچر خمر نہیں۔
(۲) ہاں اسپرٹ اور ٹنکچر ان شرابوں میں سے ہے جن کی حرمت پر ہمارے ائمہ کرام کا اتفاق ہے۔
(۳) ان کا ان مشروبات میں سے شمار نہیں ہوگا جو شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک ما اسکار سے کم میں اغراض صحیحہ کے لئے حلال ہیں۔
(۴) ہاں۔ ان شرابوں سے مخلوط دواؤں میں عموم بلویٰ کی حالت پیدا ہو چکی ہے۔
(۵) برمذہب شیخین عموم بلویٰ کی بنا پر فتویٰ جائز ہوگا۔ اور عمل سے اجتناب تقویٰ ہوگا۔
(۶) صرف کپڑوں میں حکم طہارت ہے۔ بقیہ اشیاء میں استعمال ناجائز و ممنوع ہوگا۔

ہدایہ صفحہ ۴۷۲ میں صاحب ہدایہ نے شراب کے چار قسموں کی تفصیل کی ہے۔ خمر۔ عصیر۔ نقیع التمر۔ نقیع الزبیب قرآن کریم سے صرف خمر کی حرمت ثابت ہے۔ بقیہ شرابوں کی حرمت پر قطعیت نہیں۔ مگر حرمت پر کوئی کلام بھی نہیں۔ اسلئے حکماً وہ سب مساوی ہیں۔ رہ گیا سوال ان کو شراب سے تعبیر کرنے کا۔ تو اطلاق مجازاً ہے۔ حقیقۃً نہیں۔ پس خمر کا مستحل کافر ہوتا ہے۔ بقیہ کا مستحل کافر نہیں ہوتا۔

مولانا عزیز احسن صاحب

اَلکُحل

علاج کی شرعی حیثیت

شئے کے پانچ درجے ہوتے ہیں ۔ ضرورتؔ ۔ حاجتؔ ۔ منفعتؔ ۔ زینتؔ ۔ فضول

ضرورتؔ مرتبہ فرض میں ہوتی ہے ۔ حاجتؔ مرتبہ واجب وسنن مؤکدہ میں ہوتی ہے ۔
منفعتؔ وزینتؔ سنن غیر مؤکدہ ومستحبات وآداب کے درجہ میں ہے اور فضول مباح ومکروہ تنزیہی وتحریمی وحرام کے درجہ میں ہوتا ہے ۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جانب فعل میں احکام پانچ ہیں۔ فرض، واجب، سنن مؤکدہ، سنن غیر مؤکدہ، مستحب ۔ فرض۔ ترک عادی ہو یا نادر مطلقاً موجب مستحق عذاب ہو۔ واجب۔ یعنی بلا عذر شرعی ایک بار بھی چھوڑنا گناہ کبیرہ اور استحقاق عذاب نار یہ فرض ہے اور بلا عذر شرعی ایک بار بھی قصداً چھوڑنا گناہ صغیرہ اور چند بار ترک کرنا گناہ کبیرہ اور استحقاق عذاب نار یہ واجب ہے ۔ عادی پر عذاب اور نادر پر عتاب ہو یہ سنت مؤکدہ ہے یعنی کبھی کبھار چھوڑنے پر عتاب اور عادۃً چھوڑنے پر مستحق عذاب ۔

سنن غیر مؤکدہ عادی ہو یا نادر مطلقاً موجب عتاب ہو ۔ یعنی نہ کرنا اگرچہ عادۃً ہو صرف موجب عتاب ہوگا ۔

مستحبؔ ۔ مطلقاً عذاب وعتاب کچھ نہ ہو جس کا کرنا ثواب اور نہ کرنے پر عذاب نہ عتاب اور احکام جانب ترک میں بھی پانچ ہیں ۔ حرامؔ جس سے بچنا فرض ۔ مکروہ تحریمی جس سے بچنا واجب ۔ اساءتؔ جس کا کرنا برا ہو اور کرنے والا مستحق عتاب اور التزام فعل پر مستحق عذاب یہ سنت مؤکدہ کے مقابل ہے ۔ مکروہ تنزیہی جس کا کرنا شرع کو پسند نہیں مگر اس حد تک نہیں کہ وعید عذاب اس پر فرمائے یہ سنت غیر مؤکدہ کے مقابل ہے ۔ خلاف اولیٰ جس کا نہ کرنا بہتر اور کرنے پر کچھ عتاب ومضائقہ نہیں ۔ یہ مستحب کا مقابل ہے ۔

ہر ایک اپنے نقیض کا مقابل ہے اور سب کے بیچ میں گیا ہوا مباح خالص کرنا نہ کرنا دونوں پہلو برابر

اب قابل غور امر یہ ہے کہ علاج جانب فعل کے کس درجے میں ہے ۔

فقہائے عظام کے ارشادات فرض واجب سنن مؤکدہ کے منافی ہیں کہ علاج نہ کرنے پر کچھ گناہ نہیں ۔

فتاویٰ عالمگیری جلد خامس ص ۳۵۵ میں ہے۔ مرض اورمد فلم یعالج حتی مات لایاثم کذا فی الملتقط
اسی میں ہے۔ الرجل اذا استطلق بطنه اورمدت عیناه فلم یعالج حتی اضعفه ذلك واضناه ومات منه لااثم علیه۔

یعنی دست آتے ہیں یا آنکھیں دکھتی ہیں یا کوئی دوسری بیماری اس میں علاج نہیں کیا اور مر گیا گنہگار نہیں ہے
حضرت صدر الشریعہ بدر الطریقہ علیہ الرحمۃ والرضوان بہار شریعت ح۱۶ ص ۱۲۷ میں فرماتے ہیں۔ یعنی علاج کرانا ضروری نہیں کہ اگر دوا نہ کرے اور مر جائے تو گنہگار ہوا۔

فتاویٰ قاضی خان جلد ثالث علی ہامش فتاویٰ ہندیہ جلد ثالث ص ۴۰۳ میں ہے۔ ولو ان رجلا ظهر به داء فقال له الطبیب علیك الدم فاخرجه فلم یفعل حتی مات لایکون اثما لانه لم یتیقن ان شفاءه فیه۔
بیماری کے متعلق طبیب نے کہا کہ خون کا غلبہ ہے فصد وغیرہ کے ذریعہ خون نکالا جائے مریض نے ایسا کیا اور مر گیا تو اس علاج نہ کرنے سے گنہگار نہ ہوا کیونکہ یہ یقین نہیں ہے کہ اس علاج سے شفا ہو ہی جائے گی۔

مجدد دین ملت امام احمد رضا قدس سرہ اپنے متعدد فتاویٰ میں فرماتے ہیں کہ علاج کرنا واجب نہیں کہ گنہگار ہو۔
فتاویٰ بزازیہ ج ۳ علی ہامش فتاویٰ ہندیہ ج ۶ ص ۳۶۷ میں ہے۔ امتنع عن الاکل حتی مات جوعا اثم وان عن التداوی حتی تلف موضا لا۔ لان عدم الهلاك بالاكل مقطوع والشفاء بالمعالجة مظنون۔

اب رہا یہ سنت غیر مؤکدہ مستحب ومباح فتاویٰ عالمگیری جلد ۵ ص ۳۵۴ کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ علاج کرنا سنت غیر مؤکدہ بھی نہیں کہ اس میں لفظ لاباس وارد ہے اور لفظ لاباس کا استعمال اکثر خلاف اولیٰ پر ہوتا ہے اور کبھی مندوب ومستحب پر۔ رد المحتار جلد ۱ ص ۲۰۰ و فتح القدیر میں ہے: فکلمة لاباس وان كان الغالب استعمالها فیما ترکه اولی لکنها قد تستعمل فی المندوب کما صرح به فی البحر من الجنائز والجهاد
فتاویٰ عالمگیری کی عبارت یہ ہے۔ الاشتغال بالتداوی لاباس به۔ اذا اعتقد ان الشافی هو الله تعالیٰ وجعل الدواء سببا۔ اما اذا اعتقد ان الشافی هو الدواء فلا کذا فی السراجیه۔

حضرت صدر الشریعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ دوا علاج کرنا جائز ہے جب کہ یہ اعتقاد ہو کہ شافی اللہ ہے اس نے دوا کو ازالۂ مرض کے لئے سبب بنا دیا ہے اور اگر دوا ہی کو شفا دینے والا سمجھتا ہو تو ناجائز ہے اور عینی شرح بخاری جلد ۱۱ پارہ ۲۱ ص ۲۳۰ میں ہے وفیه اباحة التداوی وجواز الطب۔

امام اجل حضرت العلام بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی رحمہ اللہ الباری متوفی سنہ ۸۵۵ھ نے لفظ اباحت وجواز استعمال فرمایا اور فقیہ اعظم حضرت مولانا امجد علی قدس سرہ الساری متوفی سنہ ۱۳۶۷ھ نے لفظ جائز تحریر فرمایا ہے اور لفظ جواز و جائز کا دائرہ بہت وسیع ہے کہ مباح مکروہ مستحب ومندوب واجب سب پر بولا جاتا ہے۔

حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی میں ہے۔

انہ ای الجواز قد یطلق ویراد بہ مالایمتنع شرعا وھو یشمل المباح والمکروہ والمندوب والواجب۔ عالمگیری کی عبارت سے سنت غیر مؤکدہ خارج ہوئی اب صرف دو مستحب و مباح رہے پھر بھی تعیین وتخصیص کی حاجت رہتی ہے گرچہ دونوں کا اجتماع ممکن کہ ان کے درمیان عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے کہ مستحب خاص مباح عام ہر مستحب مباح ہے ہر مباح مستحب نہیں۔ مستحب کے کرنے پر ثواب اور ترک پر کچھ گناہ نہیں اور مباح کے دونوں پہلو برابر ہیں کہ نہ کرنے پر ثواب اور نہ ہی نہ کرنے پر گناہ۔

مسلم شریف جلد ۲ ص ۲۲۴ کی حدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال لکل داء دواء فاذا اصیب دواء الداء برأ باذن اللہ تعالیٰ۔ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر بیماری کی دوا ہے تو جب دوا بیماری تک پہونچادی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اچھا ہوجاتا ہے۔ کے تحت امام عمر حضرت محی الدین ابوزکریا ——— یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ علاج ودوا کی شرعی حیثیت متعین فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان فی ھذا الحدیث اشارۃ الی استحباب الدواء وھو مذھب اصحابنا وجمھور السلف وعامۃ الخلف۔ اس حدیث میں دوا کے مستحب ہونے کی طرف اشارہ ہے اور یہ ہمارے اصحاب اور جمہور سلف وعام خلف کا مذہب ہے۔

اس سے دوا وعلاج کی شرعی حیثیت متعین ہوگئی کہ وہ مستحب ہے کہ کرنے پر ثواب اور نہ کرنے پر کچھ گناہ نہیں۔

شراب کی ماہیت مع اقسام اور انکے احکام

شرعی نقطۂ نگاہ سے شراب کی چار قسمیں ہیں

خمر: انگور کا کچا پانی جس میں جوش آکر تیزی پیدا ہوجائے اور جھاگ پھینکدے یعنی جھاگ سے صاف ستھرا ہوکر شفاف اور رقیق ہوجائے یہ قید تا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک اور صاحبین رضی اللہ عنہما کے نزدیک تیزی آجانا کافی ہے۔ خمر کے لئے جھاگ سے صاف ستھرا ہوجانا شرط نہیں۔ لباب شرح قدوری جلد ۲ ص ۲۲۲ میں ہے۔

وھی عصیر العنب النی اذا اشتد حتی غلی ای صار یفور واشتد ای قوی وصار مسکرا وقذف ای رمی بالزبد ای الرغوۃ بحیث لایبقی شئ منھا فیصفو ویرق وھذا قول ابی حنیفۃ وعندھما اذا اشتد بحیث صار مسکرا وان لم یقذف۔ (قدوری کی شرح جوہرہ نیرہ۔ ہدایہ فتح القدیر، کفایہ۔ عنایہ حاشیہ سعدی، درمختار، ردالمحتار، فتاوی ہندیہ، فتاوی قاضیخان، فتاوی بزازیہ، شرح وقایہ وغیرہا۔)

عصیر انگور کا وہ شیرہ جو دھوپ میں یا آگ پر اتنا پکایا جائے کہ دو تہائی سے کم جل جائے یعنی ایک تہائی سے زیادہ باقی رہے ۔

اس کی دو قسمیں ہیں : باذق وہ عصیر ہے جو معمولی پکایا گیا ہو ۔ منصف وہ عصیر جو پکا کر آدھا جلا دیا گیا ہو اور آدھا باقی ہو ۔ جوہرہ نیرہ جلد ۲ ص ۲۲۵ میں ہے ۔ اما العصیر اذا طبخ حتی ذہب اقل من ثلثیہ فھو المطبوخ ادنی طبخ و ذالک حرام اذا غلا واشتد وقذف بالزبد علی الاختلاف ویسمی الباذق ۔ والمنصف وھو ما ذھب نصفہ بالطبخ وھو حرام عندنا ایضا

نقیع التمر ترکھجور کا کچا پانی جس میں تیزی آجائے اور جھاگ پھینکے اس کا دوسرا نام سکر بھی ہے اسی میں سب ہے ۔ واما نقیع التمر وھو یسمی السکر وھو النی من ماء الرطب فھو حرام ایضا اذا غلی واشتد وقذف بالزبد علی الاختلاف ۔

نقیع الزبیب منقّی کا کچا پانی جس میں جوش آکر تیزی پیدا ہو جائے اور جھاگ پھینک دے ۔ واما نقیع الزبیب فھو النی من ماء الزبیب فھو حرام اذا غلی واشتد وقذف بالزبد علی الاختلاف ۔

احکام

مطلقاً ان شرابوں کا پینا حرام کم ہو یا زیادہ ۔ پیشاب کی طرح نجس مگر فرق اس میں ہے کہ خمر کا ایک قطرہ پی لینے پر حد واجب اور بقیہ شرابوں میں نشہ کی حد تک پینے پر حد واجب ہوگی ۔ خمر کی حرمت قطعی اور بقیہ شرابوں کی ظنی اور اجتہادی ۔ خمر کو مستحل کافر اور بقیہ شرابوں کا مستحل کافر نہیں ۔ خمر بالاتفاق نجاست غلیظہ ہے اور بقیہ شرابیں ایک روایت میں نجاست خفیفہ ۔ ان قذف حرام اتفاقا کے تحت رد المحتار جلد ۵ ص ۲۲۱ میں ہے !

ای قلیلہ وکثیرہ لکن لایجب الحد الا اذا سکر لباب میں ہے ۔ یحرم قلیلہ وکثیرہ ۔

ہدایہ جلد رابع ص ۴۹۶ میں ہے : ان حرمۃ ھذہ الاشربۃ دون حرمۃ الخمر حتی لایکفر مستحلھا ویکفر مستحل الخمر لان حرمتھا اجتھادیۃ وحرمۃ الخمر قطعیۃ ولایجب الحد بشربھا حتی یسکر ویجب بشرب قطرۃ من الخمر ونجاستھا خفیفۃ فی روایۃ وغلیظۃ فی اخری ونجاسۃ الخمر غلیظۃ روایۃ واحدۃ ۔ فتح القدیر کفایہ ، لباب وغیرھا ۔

فتاویٰ ہندیہ جلد خامس ص ۴۱۲ میں ہے ۔ الباذق والمنصف ونقیع الزبیب والتمر من غیر طبخ والسکر فانہ یحرم شرب قلیلھا وکثیرھا عند عامۃ العلماء لکن حرمۃ ھذہ الاشربۃ دون حرمۃ الخمر

حتی یحد شاربها مالم یسکر کذا فی محیط السرخسی ۔

ان چار شرابوں کے علاوہ دوسری شرابیں جو شہد، گیہوں، جو، انجیر وغیرہ سے بنائی جائیں۔ یا طریقہ مذکور کے سوا انگور کھجور سے بنائی جائیں۔ ان کے بارے میں اختلاف ہے۔ اور سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک کم و زیادہ مطلقاً حرام ہے۔ اگر غرض صحیح نہ ہو تو ہر ایک کے نزدیک مطلقاً حرام ہے۔

قدوری میں ہے۔ ونبیذ التمر والزبیب اذا طبخ کل واحد منهما ادنی طبخة حلال وان اشتد اذا شرب منه مایغلب علی ظنه انه لایسکر من غیر لهو ولا طرب اسی میں ہے ونبیذ العسل والتین ونبیذ الحنطة والذرة والشعیر حلال وان لم یطبخ ہدایہ میں ہے۔ وعند ابی حنیفة وابی یوسف وعند محمد والشافعی حرام جوہرہ نیرہ جلد ۲ ص ۲۲۲ میں ہے۔ وهذا عندهما وقال محمد هو حرام والخلاف فیما اذا شرب به للتقوی فی الطاعة او الاستمراء الطعام او للتداوی والا فیحرم بالاجماع درمختار میں ہے۔ اذا قصد به استمراء الطعام والتداوی والتقوی علی طاعة الله تعالیٰ ولو للهو لایحل اجماعا۔ اسی ہدایہ میں ہے۔ هذا عند ابی حنیفة وابی یوسف وقال محمد ومالک والشافعی حرام وهذا الخلاف فیما اذا قصد به التقوی اما اذا قصد به التلهی لایحل بالاتفاق فتاویٰ ہندیہ میں ہے اما المثلث ونبیذ التمر والزبیب فهو حلال شربه مادون السکر یستمرئ الطعام والتداوی والتقوی علی عبادة الله تعالیٰ لا للتلهی عند عامة العلماء فتاویٰ بزازیہ میں ہے وان کان شربه للهو فقلیله وکثیره حرام اتفاقا اور ظہور مذہب حنفی کی تمام تر بنیاد حضرت سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول مبارک پر فتویٰ دیا گیا اور دیا جا رہا ہے کہ ہر مسکر پانی کو قطرہ قطرہ مثل شراب حرام ونا روا ہے اور نہ صرف حرام بلکہ پیشاب کی طرح مطلقاً نجاست غلیظہ ہے۔ فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۱۱۳ والفتوی علی انه نجس نجاسة غلیظة اسی میں ہے۔

والفتوی فی زماننا بقول محمد رحمه الله تعالیٰ حتی یحد من سکر من الاشربة المتخذة من الحبوب والعسل واللبن والتین لان الفساق یجتمعون علی هذه الاشربة فی زماننا ویقصدون السکر واللهو بشربها کذا فی التبیین ۔

فتاویٰ بزازیہ میں ہے۔ وقال محمد رحمه الله تعالیٰ یحرم قلیله وکثیره قالوا وبه ناخذ

تنویر الابصار میں ہے۔ وحرمها محمد مطلقا وبه یفتی

درمختار میں ہے۔ ذکره الزیلعی وغیره واختاره شارح الوهبانیه ۔

ردالمحتار میں ہے۔ به یفتی ای بقول محمد وهو قول الائمة الثلثة لقوله علیه السلام کل مسکر خمر وکل مسکر حرام رواه مسلم نیز قوله علیه السلام ما اسکر کثیره فقلیله حرام رواه احمد وابن ماجه اسی ردالمحتار میں ہے۔ قوله وغیره کصاحب الملتقی والمواهب والکفایة والنهایة والمعراج وشرح

المحیح وشرح درر البحار والقہستانی والعینی حیث قالوا ان الفتوی فی زماننا بقول محمد لغلبة الفساد وعلل بعضهم بقوله لان الفساق یجتمعون علی ھذہ الاشربة ویقصدون اللھو والسکر بشربھا۔ اس کے بعد امین الملۃ والدین محمد بن عابدین شامی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں کہ۔ اقول الظاہر ان مرادھم التحریم مطلقا وسد الباب بالکلیة۔ لباب میں ہے۔ وفی النوازل لابی لیث ولو اتخذ شیئا من الشعیر او الذرۃ والتفاح او العسل فاشتد وھو مطبوخ او غیر مطبوخ فانه یجوز شربه مادون السکر عند ابی حنیفة وابی یوسف وعند محمد لایجوز شربه وبه ناخذ۔

کفایہ میں ہے۔ قوله وعن محمد رحمه اللہ تعالیٰ عنه انه حرام ای ماسوی ذلک من الانبذۃ کالمتخذ من الحنطة والشعیر وامثاله ویحد شاربه والشیخ الخسروانی رحمه اللہ تعالیٰ ذکر فی الفتاوی ان الفتوی علی قول محمد رحمه اللہ تعالیٰ کذا ذکرہ الامام المحبوبی رحمه اللہ تعالیٰ۔

ردالمحتار جلد ۵ ص ۳۲۲ میں ہے۔ قال فی المعراج سئل ابوحفص الکبیر عنه فقال لایحل فقیل له خالفت اباحنیفة وابا یوسف رحمھما اللہ تعالیٰ فقال انھما یحلانه للاستمراء والناس فی زماننا یشربون للفجور والتلھی۔

فتاویٰ رضویہ جلد ۱۱ ص ۸۵ میں ہے۔ صحیح یہ ہے کہ انگور سکر دینی جتنی چیزیں مادہ رقیق وسیال ہوکر نشہ لاتی ہیں خواہ وہ میوہ سے بنائی جائیں اگر یا اناج یا لکڑی یا کسی بلاسے وہ سبھی شراب ہیں ان کا ہر قطرہ حرام بھی اور پیشاب کی طرح نجس وناپاک بھی اور ان سے نشے میں شراب کی طرح حد بھی ہے۔

اسی میں ہے۔ شراب کسی طرح کی ہو صرف حرام ہی نہیں بلکہ اس کی ایک ایک بوند نجس وناپاک ہے۔ ھو الصحیح وعلیه الفتوی۔ اسی میں ہے۔ یہی مذہب معتمد اور اسی پر فتویٰ ہے اسی میں ہے مذہب معتمد مفتی بہ یہ ہے کہ ہر مائع مسکر کا ایک قطرہ بھی حرام اور نجس ہے الغرض مجدد دین وملت امام احمد رضا قدس سرہ نے اور فقہائے عظام کی طرح محرر مذہب سیدنا امام محمد کے قول مستند پر حکم صادر فرمایا اور حضرت صدر الشریعہ بدر الطریقہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے قول محرر مذہب پر اقتصار فرمایا اور مفتی بہ نہ ہونے کی وجہ سے شیخین رضی اللہ عنہما کے مذہب کا ذکر تک نہ کیا بہار شریعت جلد ۹ ص ۱۲ میں فرماتے ہیں کہ شہد، انجیر، گیہوں، جو وغیرہ کی شرابیں بھی حرام ہیں یہاں ہندوستان میں مہوے کی شراب بنتی ہے جب ان میں نشہ ہو حرام ہیں۔

الکحل کا جائزہ

سوالنامہ کے صفحہ ۲ پر ہے کہ الکحل کا بنیادی جز مسکر ہے لہذا ہر وہ چیز جس میں مسکر پایا جاتا ہے جیسے گنا،

میوہ پھل وغیرہ ان سب سے الکحل تیار کیا جاتا ہے۔

اس سے پہلے بنانے کی ترکیب تحریر ہے کہ گنا یا جس چیز کے رس یا شیرہ سے الکحل بنانا مقصود ہوتا ہے اسے کسی برتن میں بند کر کے ایک مقررہ مدت تک سڑایا جاتا ہے یہاں تک کہ اس میں کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں پھر اسے آگ پر جوش دیا جاتا ہے جب وہ ایک مخصوص درجۂ حرارت پر پہونچتا ہے تو اس کی بھاپ کو ایک پائپ کے ذریعہ گذار کر دوسرے برتن میں اسے محفوظ کیا جاتا ہے یہ بھاپ دوسرے برتن میں پانی کے قطرات کی شکل میں ٹپکتی ہے یہی جمع شدہ بھاپ یا قطرات الکحل کے نام سے موسوم ہے۔

الکحل کی مختلف صورتیں اور اس کے احکام

(۱) الکحل جب انگور کے آب خام سے بنایا جائے تو مقررہ مدت تک سڑانے پر جوش اگر شدت پیدا ہو جائیگی تو صاحبین کے نزدیک پہلی قسم کی شراب ہوگی جو خمر سے موسوم ہے اور اس کا ہر ہر بوند حرام اور پیشاب کی طرح ناپاک اگر جھاگ بھی پھینکنے کے بعد آگ پر جوش دیا جاتا ہے تو بالاتفاق پہلی قسم کی شراب ہوگی۔

فتاوی قاضی خاں جلد ۳ ص ۲۲۲ میں ہے۔ الخمر هي التي من ماء العنب اذا غلا واشتد وقذف بالزبد وصار اسفله اعلاه فهو خمر بالاختلاف وان غلا واشتد ولم يقذف بالزبد فليس بخمر في قول ابي حنيفة حلوا كان او حامضا وفي قول صاحبيه يصير خمرا وعن الشيخ الامام ابي حفص الكبير البخاري رحمه الله تعالى انه اخذ بقولهما۔

اور اسے آگ پر جوش دینا شراب ہونے سے خارج نہ کرے گا ہدایہ جلد ۴ ص ۴۹۴ میں ہے والتاسع ان الطبخ لا يؤثر فيها لانه للمنع من ثبوت الحرمة لا لرفعها بعد ثبوتها۔ جوہرہ نیرہ جلد ۲ ص ۲۶۵ میں ہے۔ والتاسع ان الطبخ لا يؤثر فيها بعد القذف بالزبد۔ باب شرح قدوری شامی وغیرہا۔

(۲) جب کھجور یا منقی کے آب خام کو مقررہ مدت تک سڑائے جائیں یہاں تک کہ اس میں کیڑے پیدا ہو جائیں تو یہ الکحل شراب کی دوسری قسم ہوگا کہ اس میں بھی ظاہر ہے کہ مدت مقررہ تک سڑانے پر جوش اگر شدت پیدا ہو ہی جائیگی۔ جس کی حرمت ظنی و اجتہادی پر ہمارے ائمہ کرام کا اتفاق ہے۔

(۳) جب انگور و کھجور ہی سے بنایا جائے آب خام کے سوا، یا دوسری چیزوں سے مثلاً گیہوں، جو، آلو، چقندر گنا وغیرہ کہ اس میں نشہ آ جائے تو یہ الکحل شراب کی تیسری قسم ہوگا مطلقاً جس کی حرمت پر بطور سد ذرائع آثام فتویٰ دیا جا رہا ہے۔

الکحل کے اجزائے ترکیبیہ اور بنانے کی ترکیب سے ظاہر ہوتا ہے کہ الکحل شراب کی تینوں قسموں میں شمار ہو سکتا ہے

کہ وہ مختلف پھلوں اور چیزوں سے بنایا جاتا ہے کسی ایک میں شمار کرنا غیر ممکن جب تک واضح ثبوت نہ ملے کہ فلاں ہی سے بنتا ہے اور فلاں سے نہیں ہاں البتہ اس کا شراب ہونا قطعی و یقینی ہے جیسا کہ سوال نامہ خود اس پر ناطق ہے۔ اور مجدد دین و ملت امام احمد رضا قدس سرہ متعدد جگہوں میں فرماتے ہیں کہ اسپرٹ (الکحل) شراب ہے اور بدتر شراب۔

فتاویٰ رضویہ جلد ۲ص ۱۰۰ میں ہے۔ ان اسپارٹ وھی روح النبیذ خمر قطعا بل من اخبث الخمور فھی حرام ورجس نجاسۃ غلیظۃ کالبول۔ کہ اسپرٹ بلاشبہ شراب اور بدتر شراب ہے حرام اور پیشاب کی طرح ناپاک۔

ادویہ میں الکحل کی آمیزش

سوالنامہ کے متن پر ہے کہ الکحل کو بے شمار دواؤں میں استعمال کیا جا رہا ہے انگریزی دواؤں میں تقریباً سارے ہی سیال ادویہ (ٹانک سیرپ وغیرہ) اور کچھ انجکشنوں میں اس کی آمیزش اور ہومیو پیتھک میں تو سو فیصد دواؤں میں اس کی آمیزش ہوتی ہے۔ اور امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ڈاکٹری ٹنچر وغیرہ رقیق دوائیں عموماً اسپرٹ کی آمیزش سے خالی نہیں ہوتیں۔ فتاویٰ رضویہ جلد ۰ نصف آخر۔ فتاویٰ رضویہ جلد ۲ ص ۱۰۲ میں ہے ہاں انگریزی رقیق دوائیں جو ٹنچر کہلاتی ہیں ان میں عموماً اسپرٹ پڑتی ہے۔ فتاویٰ رضویہ جلد ۲ ص ۱۲۰ میں ہے۔ ہاں انگریزی دواؤں میں جتنی دوائیں رقیق ہوتی ہیں جنھیں ٹنکچر کہتے ہیں ان سب میں یقیناً شراب ہوتی ہے۔ بہار شریعت جلد ۱۶ ص ۱۲۰ میں ہے۔ انگریزی دوائیں بکثرت ایسی ہیں جن میں اسپرٹ اور شراب کی آمیزش ہوتی ہے۔

دواؤں میں کون سا الکحل

جب الکحل انگور، کھجور، منقی و دیگر پھلوں اور چیزوں سے تیار ہوتا ہے تو وہ شراب کی ہر قسم میں داخل اور سب کی آمیزش ممکن ہاں البتہ سوال نامہ کے متن کی تحریر دواؤں میں ڈالے جانے والا الکحل شراب کی پہلی دوسری قسم سے خارج کر رہی ہے۔ لکھا ہے انگور اور پھلوں کے شیرہ سے تیار شدہ الکحل بیحد گراں ہوتا ہے اور ان سے دوسری عمدہ قسم کی صاف شفاف شرابیں بنائی جاتی ہیں جیسے وائن یہ الکحل دواؤں میں نہیں ڈالے جاتے ورنہ دوائیں اپنے موجودہ دام سے کئی گنا زیادہ گراں ہوتیں عام طور سے دواؤں میں گنے کے رس سے بنایا گیا الکحل ہی آمیز کیا جاتا ہے اور یہی وافر مقدار اور سستے دام میں ہر جگہ فراہم بھی ہے۔ ہاں سستی دواؤں میں انگور اور پھلوں کے

شیرہ سے تیار شدہ الکحل نہ ڈالا جانا اور بھنگی دواؤں میں ڈالا جانا یہ قرین قیاس ہے۔
یہ کیسے حتمی فیصلہ کیا جائے کہ اس دوا میں یہ الکحل اور اس دوا میں وہ الکحل آمیز کیا جاتا ہے جبکہ یہی ثبوت نہ ملے صرف یہ ایک قیاس ہے اور صرف قیاس پر حکم شرع بیان کرنا بیجا جرأت ہوگی۔ تو سستی و مہنگی دونوں دواؤں میں ہر قسم کی شراب کا خلط ممکن اذا اجتمع الحرام والحلال غلب الحرام کے تحت دواؤں میں ڈالے جانے والے الکحل کا شمار شراب کی پہلی قسم میں ہونا چاہئے۔
اگر عام طور سے دواؤں میں ڈالے جانے والا الکحل کا اعتبار کیا جائے تو یہ شراب کی تیسری قسم میں شمار ہوگا۔ جس میں شیخین کی جانب سے حد اسکار سے کم میں رخصت ہے اور محرر مذہب سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ مطلقاً ناجائز و حرام کا حکم سناتے ہیں۔

الکحل کو (تیسری قسم کی شراب) بطور دوا استعمال کرنے کا حکم

بطور دوا استعمال کرنا ناجائز و حرام سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب پر فقہائے عظام نے فتویٰ دیا اور سیدنا محرر مذہب کے نزدیک یہ شرابیں حد کے سوا تمام احکام میں حکم خمر رکھتی ہیں رد المحتار ج ۵ ص ۲۹۳ میں ہے۔
هذه الاشربة عند محمد وموافقيه كخمر بلا تفاوت فى الاحكام ولهذا يفتى فى زماننا اه فخص الخلاف بالاشربة وظاهره قوله بلا تفاوت ان نجاسته تها غليظة منتبه لكن يستثنى منه الحد فانه لا يجب الا بالسكر بخلاف الخمر۔
احکام شرعیہ سے یہ کہ اس سے دوا کرنی جائز نہیں جلد رابع ص ۲۴۳ میں ہے۔ حرمة الانتفاع بها بالنجس حرام کفایہ میں ہے کسقى الدواء والتداوى بها بالاحتقان والاقطار فى الاحليل كذا فى الاوضح اس ہدایہ ص ۲۶۴ میں ہے والانتفاع بالمحرم حرام ولهذا لا يجوز ان يداوى به جرحا او دبرة دابة ولا ان يسقى ذميا ولا ان يسقى صبيا للتداوى والوبال على من سقاه فتاوٰی ہندیہ جلد ۵ ص ۳۵۵ میں ہے۔ ولا يجوز بالخمران يداوى به جرحا او دبرة دابة ولا ان يسقى ذميا ولا ان يسقى صبيا للتداوى والوبال على من سقاه۔ الکحل ہی نہیں بلکہ سب حرام چیزوں کو دوا کے طور پر استعمال کرنا ناجائز ہے۔ در مختار میں ہے لا يجوز للتداوى ولا بغيره۔ در مختار علی ہامش رد المحتار جلد ۲ ص ۲۰۴ میں ہے۔ لا يجوز التداوى بالمحرم فى ظاهر المذهب اصله بول المأكول در مختار علی ہامش رد المحتار ج ۵ ص ۲۸۵ میں ہے وكذا اكل دواء ولا يجوز الانتفاع وجوزه فى النهاية معزوا الى الذخيرة علم ان فيه شفاء ولم يجد مباحا يقوم مقامه اس کے تحت شامی میں ہے ان المذهب خلافه كما فى الدر المختار فتاوٰی ہندیہ ج ۵ ص ۳۵۵ میں ہے:
ويكره البان الاتان للمريض وغيره وكذلك لحومها والتداوى كذلك بكل حرام كذا فى فتاوٰی قاضی خان۔

فتاوی قاضی خاں علی ہامش، فتاویٰ ہندیہ جلد ۳ ص ۴۰۳ میں ہے۔ ویکرہ البان الاتن للمریض وغیرہ وکذا لحومہا وکذا التداوی بکل حرام۔ اور بعض کتب میں جو حکم جواز تحریر ہے جیسا کہ شامیہ وغیرہا میں ہے۔ صدر الشریعہ بدر الطریقہ مولانا امجد علی رحمہ اللہ اعظمی متوفی ۱۳۶۷ھ بہار شریعت جلد ۱۶ ص ۱۰۰ میں فرماتے ہیں کہ بعض کتب میں یہ مذکور ہے کہ اگر اس چیز کے متعلق یہ علم ہو کہ اس میں شفا ہے تو اس صورت میں وہ چیز حرام نہیں اس کا حاصل بھی وہی ہے کہ نا جائز و حرام ہے کیونکہ کسی چیز کی نسبت یہ یقین نہیں کیا جا سکتا کہ اس سے مرض زائل ہی ہو جائے گا جیسا کہ اسی کے ص ۱۰۲ پر فتاوی عالمگیری، فتاوی قاضی خاں، فتاوی بزازیہ کی عبارت گذری نیز رد المحتار جلد اول ص ۲۱۰ میں ہے۔ ولم یتیقن شفاء غیرہ لان المرجع فیہ الاطباء وقولہم لیس بحجۃ حتی لو تیقن الحرام مدفع الہلاک یحل کالمیتۃ والخمر عند الضرورۃ وتمامہ فی البحر الخ۔ فرماتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ ظن اور گمان ہو سکتا ہے نہ کہ علم و یقین خود علم طب کے قواعد و اصول ہی ظنی ہیں۔ اسی شامی میں ہے لکن قد علمت ان قول الاطباء لا یحصل بہ العلم لہذا یقین حاصل ہونے کی کوئی صورت نہیں۔ یہاں ویسا یقین بھی نہیں ہو سکتا جیسا کہ بھوکے کو حرام لقمہ کھانے سے یا پیاسے کو شراب پینے جان بچ جانے میں ہوتا ہے۔ شامی جلد ۵ ص ۲۹۰ میں ہے۔ لان الساغۃ اللقمۃ بالخمر وشربہ لازالۃ العطش احیاء لنفسہ متحقق النفع ولذا یاثم بترکہ کما یاثم بترک الاکل القادرۃ علیہ حتی یموت بخلاف التداوی ولو بغیر محرم فانہ لو ترکہ حتی مات لا یاثم کما نصوا علیہ لانہ مظنون۔

علم سے یقین مراد لینے پر حکم تحریر ہوا کہ اس باب میں یقین حاصل نہیں ہوتا بعد الان فقہائے کرام کے نزدیک بھی حرام چیزوں کو بطور دوا استعمال کرنا ناجائز و حرام جنھوں نے یہ فرمایا کہ اس چیز کے متعلق یہ علم ہو کہ اسی میں شفا ہے تو اس صورت میں وہ چیز حرام نہیں۔ اگر علم سے مراد ظن و گمان لیا جائے جیسا کہ فقہائے کرام کے کلام میں علم سے گمان و ظن مراد لینا شائع و ذائع ہے۔ تو اس صورت میں ناجائز و حرام چیزوں کو ان کے نزدیک بطور دوا استعمال کرنا جائز و روا ہوگا۔ رد المحتار جلد ۱ ص ۱۵۴ میں ہے۔ والظاہر ان التجربۃ یحصل بہا غلبۃ الظن دون الیقین الا ان یریدوا بالعلم غلبۃ الظن وہو شائع فی کلامہم ردالمحتار جلد ثانی ص ۲۲۳ میں ہے۔ لا یخفی ان حقیقۃ العلم متعذرۃ فالمراد اذا غلب علی الظن والاظہر معنی الخ۔ اس صورت سے متعلق امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اگر ناجائز کو دوا کے لئے استعمال کرنا جائز بھی ہو تو وہاں اس کے سوا دوا نہ ملے۔ اور یہ امر طبیب حاذق مسلمان غیر فاسق کے اخبار سے معلوم ہو۔ اور یہاں دونوں امر متحقق نہیں۔ فتاوی رضویہ جلد ۱ نصف اول ص ۳۹۴ حاصل یہ ہوا کہ اس صورت میں بھی شرط نہ پائے جانے کی وجہ سے ناجائز چیزوں کو بطور دوا استعمال کرنا جائز و روا نہ ہوگا۔

امام احمد رضا قدس سرہ اصل مذہب (کہ ظاہر الروایۃ و معتمد فی المذہب ہے) کو اپناتے ہوئے حکم صادر

فرماتے ہیں۔ طبیب اگر کوئی ناجائز چیز دوا میں بتائے جب تو جائز نہیں اگرچہ طبیب مسلمان ہو اور جائز چیز میں حرج نہیں اگرچہ کافر ہو۔ فتاویٰ رضویہ جلد ۱ نصف آخر ص ۱۵ ۔

(محصول)

ان تفاصیل سے ثابت ہوا کہ الکحل ناجائز و حرام ہے الکحل اور کسی بھی ناجائز و حرام چیز کو بطور دوا استعمال کرنا جائز نہیں اگرچہ مسلمان طبیب یہ کہے کہ اس سے شفا ہوگی یہی اصل مذہب ہے اور مجدد اعظم و فقیہ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کلام سے یہی ظاہر و باہر!!

(الکحل اسپرٹ و شراب کی تیسری قسم) کو بطور دوا استعمال کرنے کی حرمت پر مجدد اعظم، فقیہ اعظم کا صاف صریح فرمان)

فتاویٰ رضویہ جلد دہم نصف آخر ص ... میں ہے: شراب کسی قسم کی ہو مطلقاً حرام بھی ہے اور پیشاب کی طرح نجس بھی برانڈی ہو خواہ اسپرٹ خواہ کوئی بلا جس دوا میں اس کا جز ہو خواہ کسی طرح اس کی آمیزش ہو اس کا کھانا پینا حرام اس کا لگانا بھی حرام اس کا بیچنا خریدنا بھی حرام۔ طبیب کہ اس کا استعمال بتائے مبتلائے گناہ۔ تمام یہی ہمارے ائمہ کرام کا مذہب صحیح و معتمد ہے اسی کے ص ۵۰ میں ہے: انگریزی دوا جس میں شراب پڑتی ہے جیسے ٹنکچر وہ مطلقاً ناجائز ہے۔

فتاویٰ رضویہ جلد یازدہم ص ۲۸ میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ دوا میں بھی ان کا استعمال حرام ہی ہے اسی کے ص ۹۱ میں ہے کہ اشیائے خوردنی نیز ادویہ میں اس کا استعمال مطلقاً حرام ہے۔

فتاویٰ رضویہ جلد دوم ص ۱۲ میں ہے: ہاں انگریزی دواؤں میں جتنی دوائیں رقیق ہوتی ہیں جنھیں ٹنکچر کہتے ہیں ان سب میں یقیناً شراب ہوتی ہے وہ سب حرام بھی ہیں اور ناپاک بھی نہ ان کا کھانا حلال نہ بدن پر لگانا جائز۔

بہار شریعت جلد شانزدہم ص ۱۲۶ میں ہے۔ انگریزی دوائیں بکثرت ایسی ہیں جن میں اسپرٹ اور شراب کی آمیزش ہوتی ہے ایسی دوائیں ہرگز استعمال نہ کی جائیں۔

الکحل اور ابتلائے عام

ابتلائے عام کی دو صورتیں ہوں گی (۱) وہ امر ہے جس کو عام طور پر لوگ کرنے لگے ہوں (۲) وہ امر ہے جس کے کرنے پر لوگ مجبور ہو گئے ہوں اور نہ کرنے پر حرج و دشواری میں پڑ جائیں۔ یہی صورت باعث تخفیف حکم

اور حجت ہے ۔ حلبی کبیر ج ۱ ص ۱۲ میں ہے ۔

یتعذر الاحتراز عنه ووقع الحرج فی الحکم عنایہ ج ۱ ص ۱۲ میں والبلوی فیما یلیق دون مایتعمد کے تحت مسطور ہے ۔ فیه البلوی لحصوله بغیر فعله فجاز ان یجعل معفوا بخلاف العمد ۔ پہلی صورت کا کچھ اعتبار نہیں ورنہ محرمات کے جواز کا باب وا ہو جائے گا ۔ کہ جب کسی محرم کو عام طور پر لوگ کرنے لگ جائیں ۔ حکم حرمت مرفوع ہوا آج بہت کم مجلسیں عوام کی ہوں یا خواص کی غیبت سے خالی ہوتی ہیں ۔ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ پچاس برس پہلے کی مجلسوں کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں : کہ آج کل مسلمانوں میں یہ بلا بہت پھیلی ہوئی ہے اس سے بچنے کی طرف بالکل توجہ نہیں کرتے بہت کم مجلسیں فرنگی محلی ایسی ہوتی ہیں جو چغلی اور غیبت سے محفوظ ہوں ۔ بہار شریعت جلد ۱۶ ص ۱۳۹

مولانا عبد الحی اپنی کتاب زجر الشباب والشیبة عن ارتکاب الغیبة کے دیباچہ ہی میں لکھتے ہیں کہ : اس زمانے میں جب میں نے دیکھا کہ سب گناہوں سے زائد غیبت میں لوگ مبتلا رہتے ہیں اور عوام و خواص سب اس کو خفیف سمجھتے ہیں اور عمدۃ النصائح ص ۳۳ میں لکھتے ہیں کہ عوام و خواص مبتلا اس بلائے عظیم (غیبت) کے ہیں ۔ حضرت شمس العلماء علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس حرام سے بچنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے آج کل مسلمانوں میں یہ بلا بہت پھیلی ہوئی ہے اس سے بچنے کی طرف بالکل توجہ نہیں کرتے بہت کم مجلسیں ایسی ہوتی ہیں جو چغلی اور غیبت سے محفوظ ہوں قانون شریعت جلد ۲ ص ۲۲ تو کیا اس ابتلائے عام کی وجہ سے غیبت کرنی جائز و روا ہو گی ۔ نہیں ہو گی نہیں ہو گی نہیں ہو گی بلکہ اس سے بچنے کی کوشش کی جائے گی ۔

الکحل آمیز دواؤں میں مبتلا ہونا اس سے بھی کم ہے پھر کس طرح اس ابتلاء کا اعتبار کر لیا جائے ۔ کیا تصویر کشی عام نہیں ہے ۔ عوام تو عوام خواص بھی بلا ضرورت شرعیہ اس بلا میں مبتلا ہیں تو کیا حکم مرفوع ہو جائیگا ! نہیں تو میری نظر میں ابتلائے عام کی دوسری صورت ہی باعث تخفیف احکام ہونی چاہیئے کہ وہ امر ہے جس کے کرنے پر لوگ مجبور ہو گئے ہوں اور نہ کرنے پر حرج و دشواری میں پڑ جائیں نہ عوام کے از خود مبتلا ہونے کا اعتبار اور نہ ہی خواص کے ۔ اور جب یہ مراد لی جائے تو الکحل آمیز دواؤں کے استعمال پر لوگ مجبور نہیں ہوئے ہیں کہ اس کے سوا طبی دوائیاں اور کچھ انگریزی دوا جو الکحل کے اختلاط سے پاک ہوتی ہیں فراہم ہیں ۔

اب رہی بات جلد شفا ملنا یا دیر سے ۔ عموماً طبی دوائیں بتدریج موثر ہوتی ہیں اور الکحل آمیز انگریزی دوائیں بستعجیل ۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر مسلم حکیم کہے کہ حرام چیزوں کے استعمال پر جلد شفا ملے گی تو مذہب معتمد یہی ہے کہ جائز نہیں ۔

فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے ۔ وان قال الطبیب یتعجل شفاءك فیه وجهان علامہ شامی رحمہ اللہ الباری فرماتے

ہیں کہ لایجوز فی ظاہر المذہب جلد شفا ملے یا بے دوا اس کے سوا کوئی دوسری دوا ہو یا نہ مسلم طبیب حاذق کہے یا نہ کہے مطلقاً مذہب معتمد میں حرام چیزوں کا استعمال بطور دوا جائز نہیں اسی فتاوی عالمگیری ج ۵ ص ۳۵۵ میں ہے۔

قال لہ الطبیب الحاذق علتك لاتندفع الا باكل القنفذ او الحیۃ او دواء یجعل فیہ الحیۃ لایحل اكلہ كذا فی الغنیۃ ساہی یا سانپ ایسی دوا جس میں سانپ ڈالا جائے علاج کے لئے بھی کھانا حلال نہیں اگرچہ حکیم حاذق کہے کہ تیرا مرض بغیر اس کے نہ جائے گا۔ اور کچھ فقہائے کرام اجازت بھی دیتے ہیں تو شرط کے ساتھ کہ اسکے سوا دوا نہ ملے اور شفا کا علم طبیب حاذق مسلمان غیر فاسق کی خبر سے ہو یہاں یہ امر متحقق نہیں۔ اسی عالمگیری میں ہے۔ یجوز للعلیل شرب الدم والبول واكل المیتۃ للتداوی اذا اخبرہ طبیب مسلم ان شفاءہ فیہ ولم یجد من المباح ما یقوم مقامہ۔

ابتلائے عام کی دوسری صورت کے درست رجز کا جائزہ

اور نہ کرنے پر حرج و دشواری میں پڑ جائیں ۔ حرج کی دو صورتیں ہوں گی ۔ حرج شرعی ہوگا۔ حرج جانی۔ دوا نہ کرنے پر حرج شرعی تو نہیں کہ نہ کرنے پر گناہ ہو۔ اس سے پہلے لکھ آئے ہیں کہ دوا علاج کرنا وجہ استحباب میں ہے۔ نہ کرنے پر کچھ بھی مضایقہ و گناہ نہیں۔

قابل توجہ یہ امر ہے کہ دوا علاج کرنا مستحب اور الکحل حرام قطعی ہی سہی تو کیا امر مستحب کے لئے حرام قطعی کی رخصت دی جاسکتی ہے اور نہ حرج جانی کہ مسلمانوں کو حرج و ضیق میں ڈالتا ہے جبکہ اسکے سوا یونانی دوائیں اور کچھ انگریزی دوائیں جن میں الکحل کی آمیزش نہیں ہوتی ہے۔ قریب قریب ہر جگہ ملتی ہیں۔ ہاں یکسر اسکے سوا کوئی اور مباح دوا نہیں ملتی تو غور کیا جاتا ۔ اگر الکحل آمیز دوا استعمال نہ کرنے پر حرج مان بھی لیا جائے تو یہ دو اس حرج کو کہاں اٹھا رہی ہے۔

امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں کہ بارہا اطبا نسخے تجویز کرتے ہیں اور ان کے موافق دوا نے پر اعتماد بھی رکھتے ہیں پھر ہزار دفعہ کا تجربہ ہے کہ ہرگز ٹھیک نہیں اترتے بلکہ کبھی بجائے نفع مضرت کرتے ہیں اور قرابادین کی بالاتوانیاں کون نہیں جانتا یہاں تک کہ اکذب من قرابادین الاطباء مثل ہوگی علی الخصوص اس بارے میں ڈاکٹروں کا قول تو بدرجۂ اولی قابل قبول نہیں کہ نہ انھیں دین اسلام کے حلال و حرام کا غم و اہتمام نہ اس ملک والوں کی معرفت مزاج و طرق علاج و تدقیق علل و تحقیق علامات میں حذاقت کامل و مہارت تام فتاوی رضویہ جلد ثانی ص ۱۱۹

متاخرین کے اصل مذہب سے عدول کرنے کی مصلحت

متاخرین اہل فتویٰ کے سامنے کون سی مصلحت تھی جس کی وجہ سے اصل مذہب پر فتویٰ نہ دیا۔ یہی نا کہ سرود، فسق و فجور کا راستہ بند کرنا تھا کہ اغراض صحیحہ کو اغراض فاسدہ کا سہارا نہ بنائیں۔ اسلئے مطلق حکم حرمت سنا گیا۔ جب ان کے زمانے میں اغراض صحیحہ کی مدار کر جاتے تھے تو کیا اب امید کی جا سکتی ہے کہ اغراض صحیحہ تک محدود رہیں گے۔ نہیں، نہیں، نہیں دو چار قدم نہیں بلکہ دس قدم آگے ہیں اور بیس قدم آگے رہیں گے۔ تو کیا درء المفاسد اهم جلب المصالح کے تحت ناجائز و حرام کا حکم نہ سنایا جائے۔

اور رنگ میں الکحل کی آمیزش کے لئے ثبوت شرعی درکار۔ اگر ثابت ہو جائے تو بوجہ عموم بلوی حکم طہارت دیا جائے گا کہ ہر قسم کے رنگوں میں الکحل کی آمیزش ہوتی ہے تو طہارت کا حکم نہ دینا حرج و دشواری میں ڈالنا ہے جسے شرع مطہر کہ کمال یسر و سماحت ہے ہرگز گوارا نہیں فرماتی یا ابتلائے عام کی دوسری صورت کے دوسرا جز رہے۔ پہلا جز کہ عام طور پر لوگ اس کے کرنے پہ مجبور ہو گئے ہوں جب ثابت ہو جائے کہ ہر قسم کے رنگ میں الکحل کا جز ضرور ہوتا ہے اور ایسا رنگ نہ ملتا ہو جو الکحل کی آمیزش سے خالی ہو تو ثابت ہے کہ لوگ مجبور رہیں اس کے کرنے پر

والحاصل ہر قسم کے رنگ کا استعمال جائز اگر الکحل کی آمیزش ثبوت شرعی سے ثابت ہو تو بوجہ عموم بلوی کہ رنگوں میں رنگ ریزوں کا ابتلائے عام ہے حکم جواز ہوگا ورنہ اصل الاشیاء الاباحت کے تحت جائز و مباح رہے گا۔ اور الکحل آمیز دوا استعمال کرنا جائز نہیں کہ ابھی تک ابتلائے عام کی حالت پیدا نہیں ہوئی ہے۔

آخر میں الکحل آمیز دوا سے متعلق امام احمد رضا قدس سرہ کے خیر خواہانہ کلمات تحریر ہو رہے ہیں۔

مسلمان اسے خوب سمجھ لیں اور ڈاکٹری علاج میں ان ناپاکیوں نجاستوں سے بچیں خصوصاً سخت آفت اس وقت ہے کہ علاجوں میں قضا آجائے اور مسلمان اس حالت میں مرے کہ معاذ اللہ اس کے پیٹ میں شراب ہو۔

والعیاذ باللہ رب العالمین

مولانا عبدالحق صاحب
استاذ اشرفیہ مبارکپور۔

الکحل

حامداً و مصلیاً و مسلماً۔

الکحل، اسپرٹ، ٹنکچر کا شمار شراب کی بدترین قسموں میں کیا جاتا ہے اور ان چیزوں کی آمیزش سے نہ صرف انگریزی دوائیں بنتی ہیں بلکہ ہومیوپیتھک، آیورویدک دواؤں میں بھی ان کا استعمال کثرت کے ساتھ کیا جاتا ہے اور اس کے علاوہ مختلف پیشوں اور صنعتوں میں بھی یہ چیزیں استعمال میں آتی ہیں۔ مثلاً خوشبو، وارنش، رنگ، روشنائی، پینسل کا ییڈ۔ غرضیکہ ان کا استعمال پوری فراخدلی کے ساتھ دنیا بھر کے مختلف صنعتوں میں کیا جارہا ہے۔

بنیادی طور پر اس مقام پر اس پہ غور کرنا ہے کہ الکحل، اسپرٹ، ٹنکچر آمیز دواؤں اور یا اس کے علاوہ دیگر اشیاء جن میں ان چیزوں کی ملاوٹ ہوتی ہے یا کسی بھی طرح آمیزش ہوتی ہے ان کے استعمال کی شرعی طور پر کوئی گنجائش ہے یا نہیں اور ہے تو کن مخصوص حالات میں اور نہیں ہے تو مسلمان ان سے بچنے کے لئے کیا تدابیر اور صورت اختیار کریں۔ جب کہ یہ بات بھی محقق طور پر ثابت ہے کہ مذکورہ بالا چیزیں من از قسم شراب ہیں۔

لہذا ہم پہلے شراب کی مختلف قسم کی حقیقت اور ماہیت اور ان کی حلت و حرمت، طہارت و نجاست کا مختصر مگر جامع خاکہ مستند اجلۂ فقہائے کرام کے کلام سے التقاط کرکے پیش کرتے ہیں تاکہ مسئلۂ دائرہ میں غور کرنے میں مدد مل سکے۔

لغت میں ہر پینے کی چیز کو شراب کہتے ہیں پانی ہو یا اس کے علاوہ کوئی دوسری چیز حلال ہو خواہ حرام۔ اور اصطلاح فقہاء میں شراب اسے کہتے ہیں جس میں نشہ ہو اور حرام ہو۔[1]

---

[1] بہار شریعت حصہ ہم ص۱۱

شریعت مطہرہ میں حرام ونجس چار قسم کی شرابیں ہیں جیسا کہ قدوری میں ہے اور اسے صاحب ہدایہ نے بھی متن کا جزء بنایا ہے ــــ فرماتے ہیں :

الاشربة المحرمة اربعة الخمر وهی عصیر العنب اذا غلا واشتد وقذف بالزبد والعصیر اذا طبخ حتی یذهب اقل من ثلثیه ونقیع التمر ونقیع الزبیب اذا اشتد وغلا ۔

قال صاحب الهدایة فی بیان ماهیتها الخمر وهی النیّ من ماء العنب اذا صار مسکرا وهذا عندنا وهو المعروف عند اهل اللغة واهل العلم ۔

وقال بعض الناس هو اسم لکل مسکر لقوله علیه السلام کل مسکر خمر وقوله علیه السلام الخمر من هاتین الشجرتین واشار الی الکرمة والنخلة ولانه مشتق من مخامرة العقل وهو موجود فی کل مسکر ولنا انه اسم خاص باطباق اهل اللغة فی ماذکرناه ولهذا اشتهر استعماله فیه وفی غیره غیره ولان حرمة الخمر قطعیة وهی فی غیرها ظنیة وانما سمی خمرا لتخمره لا لمخامرة العقل على ان ماذکرتم لا ینافی کون الاسم خاصا فیه فان النجم مشتق من النجوم وهو الظهور ثم هو اسم خاص للنجم المعروف لا لکل ماظهر وهذا کثیر النظیر ۔ والحدیث الاول طعن فیه یحیی بن

حرام شرابیں چار ہیں ۔ خمر، انگور کی شراب کو کہتے ہیں ۔ یعنی انگور کا کچا پانی جسمیں جوش آجائے اور شدت پیدا ہوجائے اور جھاگ پھینکدے ۔ اور عصیر یعنی شیرۂ انگور کو پکایا اور دو تہائی سے کم جل گیا اور جوش آکر تیزی پیدا ہوجائے ۔ تیسری اور چوتھی قسم نقیع تمر اور نقیع الزبیب ہے یعنی کھجور اور منقیٰ کو پانی میں بھگو دیا گیا جب ان دونوں میں بھی جوش آکر تیزی پیدا ہوجائے تو ۔ بھی حرام ونجس ہوجائیگی صاحب ہدایہ ان شرابوں کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں خمر وہ انگور کا کچا پانی جسمیں نشہ پیدا ہوجائے اور یہ ہمارے نزدیک ہے اور یہی اہل لغت اور اہل علم کے درمیان مشہور ہے ــــ اور بعض لوگوں (امام مالک اور امام شافعی) نے کہا کہ خمر ہر مسکر کو کہتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ ہر مسکر خمر ہے ۔ اور اس فرمان کی وجہ سے کہ خمر ان دونوں درختوں سے ہے ۔ اور حضور نے انگور اور کھجور کے درختوں کی طرف اشارہ فرمایا اور اسلئے بھی کہ خمر مشتق ہے مخامرۃ العقل سے یعنی جو چیز بھی عقل کو ڈھانپ لے اور یہ معنی ہر نشہ آور چیز میں پایا جاتا ہے ۔ اور ہم احناف کی دلیل یہ ہے کہ خمر اپنی حقیقت کے لحاظ سے صرف انگور کا کچا پانی ہے جسمیں جوش آکر تیزی پیدا ہوجائے ، اسی وجہ سے لفظ خمر کا استعمال صرف اسی معنی ہی میں مشہور ہے اور اسکے غیر کیلئے دوسرے نام ہیں اور اسلئے بھی کہ خمر کی حرمت قطعی ہے اور اسکے علاوہ دیگر شرابوں کی حرمت ظنی ، اجتہادی ہے اور خمر تخمر سے مشتق ہے

معین والثانی ارید بہ بیان الحکم اذ ھو اللائق بمنصب الرسالۃ واما العصیر اذا طبخ حتی یذھب اقل من ثلثیہ وھو المطبوخ ادنی طبخۃ ویسمی الباذق والمنصف وھو ما ذھب نصفہ بالطبخ فکل ذلک حرام عندنا اذا غلا واشتد وقذف بالزبد او اذا اشتد علی الاختلاف واما نقیع التمر وھو السکر وھو النیٔ من ماء التمر ای الرطب فھو حرام مکروہ۔

واما نقیع الزبیب وھو النیٔ من ماء الزبیب فھو حرام اذا اشتد وغلا۔ [1]

جسکے معنی شدت وقوت کے ہیں ذکر خامرۃ العقل سے علاوہ ازیں جو آپ لوگوں نے ذکر کیا ہے وہ اس بات کے منافی نہیں کہ لفظ خمر بایں معنی میں خاص ہو اسلئے کہ نجم نجوم کو مشتق ہے بمعنی ظہور پھر بھی وہ لفظ نجم ایک مخصوص ستارے کے ساتھ خاص ہے ہر ظاہر ہو نیوالے پر اسکا اطلاق نہیں ہوتا۔ اور اسکی بہت سی نظیریں ہیں۔ اور پہلی حدیث کا جواب یہ ہے کہ اسمیں یحییٰ بن معین نے طعن کیا ہے۔ اور دوسری میں بیان حقائق نہیں ہے بیان حکم ہے (یعنی حکم حرمت) اسلئے کہ یہی منصب رسالت کے لائق ہے۔

اور عصیر وہ شیرۂ انگور ہے جو پکایا گیا اور دو تہائی سے کم جل گیا۔ جسکی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ آدھا جل گیا ہو اسکو منصف کہتے ہیں۔ اور اگر ایک تہائی جلا ہو اسکو باذق کہتے ہیں۔ جب اسمیں جوش آکر تیزی پیدا ہو جائے اور جھاگ پھینکدے تو یہ بھی ہمارے نزدیک حرام و نجس ہے۔ اور جھاگ پھینکنے کی شرط صرف امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک ہے حضرات صاحبین کے نزدیک مشتد ہو جانا کافی ہے اور نقیع التمر اسکا دوسرا نام سکر بھی ہے۔ وہ تر کھجور کا پانی جسمیں جوش آکر تیزی پیدا ہو جائے اور جھاگ پھینکدے اور نقیع الزبیب وہ ہے کہ منقیٰ کو پانی میں بھگو یا گیا ہو جب اسمیں نشہ پیدا ہو جائے اور جھاگ پھینکدے تو یہ بھی حرام و نجس ہو جاتا ہے۔

یہ چاروں قسم کی شرابیں حرام و نجس تو ہیں لیکن ان کے درمیان بہت سے احکام میں فرق ہے۔

(۱) خمر — کی حرمت قطعی ہے اس کا قطرہ قطرہ پیشاب اور بہتے خون کی طرح حرام و نجس ہے اور دیگر شرابوں کی حرمت ظنی و اجتہادی ہے۔

---

[1] ہدایہ اخیرین کتاب الاشربہ ص ۴۰۶ تا ۴۰۷

(۲) خمر۔ کی حرمت لعینہا ہے یعنی اپنے نفس ذات کی وجہ سے حرام و نجس ہے۔ اس لئے کہ قرآن حکیم میں اس کو (رجس) کہا گیا ہے جس کے معنی پلیدی کے ہیں اور اس کو عمل شیطان سے تعبیر کیا گیا ہے اور حصول فلاح و کامرانی کو اس سے اجتناب و برأت پر معلق کیا گیا ہے۔ اور دیگر شرابیں معلول بعلت اسکار ہیں یعنی تا حد اسکار ہی پر حد واجب ہوگی اس سے کم پر نہیں اور خمر کے ایک قطرہ بھی پینے پر حد واجب ہے۔

(۳) خمر کو حلال جاننے والا نص قطعی کا منکر ہونے کی وجہ سے کافر ہے حد یہ ہے کہ معتزلہ نے خمر کے کثیر مسکر کو حرام کہا اور قلیل کی حرمت کا انکار کیا تو صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ یہ کفر ہے۔ اس لئے کہ قرآن میں خمر کو رجس کہا گیا ہے اور رجس (یعنی پلیدی) وہ ہے جو حرام لعینہ ہو اور خمر کی حرمت احادیث متواترہ سے بھی ثابت ہے اور پوری امت کا اجماع بھی اس کی حرمت پر منعقد ہو چکا ہے اور دیگر شرابوں کو حلال جاننے والے کی تکفیر نہیں کی جا سکتی کیونکہ اس کی حرمت ظنی اور اجتہادی ہے۔

(۴) خمر بالاتفاق نجاست غلیظہ ہے اور دیگر شرابیں نجاست خفیفہ ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ نجاست غلیظہ ہیں۔ یہ ہدایہ کی عبارت کا مفاد ہے۔ لیکن علامہ شامی نے فرمایا کہ امام سرخسی کے نزدیک نقیع التمر اور نقیع الزبیب میں نجاست خفیفہ ہی مختار ہے۔

یہ ساری تفصیلات مندرجہ ذیل کتب سے لی گئی ہیں۔

در مختار ورد المحتار ـــــ کتاب الاشربہ۔ ص ۳۱۹ تا ۳۲۰

ہدایہ آخرین ـــــ کتاب الاشربہ۔ ص ۴۷۰ تا ۴۷۴

ان چاروں شرابوں کے علاوہ دیگر اشربہ جیسے مثلث یعنی وہ شیرۂ انگور جسے اتنا پکایا گیا ہو کہ دو تہائی جل جائے اور نبیذ تمر اور نبیذ منقی یا کسی بھی چیز سے تیار شدہ ہو مثلاً گیہوں، جو، شہد، جوار، مہوا خواہ انگور اور کھجور ہی سے کیوں نہ تیار کی گئی ہو جو مندرجہ بالا طریقہ کے علاوہ ہو ـــ امام محمد اور امام شافعی کے نزدیک یہ مشروبات بھی دیگر اشربہ محرمہ کی طرح قلیل وکثیر سب حرام و نجس ہیں اور فتویٰ بطور انسداد ذرائع فساد انہیں کے قول پر دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ عالمگیری میں ہے۔

الفتوی فی زماننا بقول محمد حتی یحد من سکر من الاشربة المتخذة من الحبوب والعسل واللبن والتین لان الفساق یجتمعون علی هذه الاشربة فی زماننا یقصدون

ہمارے زمانے میں فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے۔ اس شخص پر حد جاری کی جائیگی جو کسی قسم کے اناج، شہد، دودھ، انجیر سے بنائی ہوئی مشروبات نشہ کی حد تک پیئے۔ اسلئے کہ فساق اس زمانے میں اس قسم کی شرابوں پر اکٹھا ہوتے ہیں

السکر واللھو بشربھا کذا فی التبیین [1]   اور انکی غرض انکے پینے سے نشہ اور مستی ہوتی ہے۔

گزشتہ بحث میں چار حرام شرابوں کے علاوہ دیگر مشروبات کے مسکر ہونے کی صورت میں نجاست وحرمت کا جو حکم تحریر کیا گیا ہے وہ صرف رقیق اور سیال اشیاء کا ہے۔ لیکن جو چیزیں خشک ہوں جیسے گانجہ، بھانگ، افیون وغیرہ تو یہ اشیاء اپنے اصل کے اعتبار سے پاک وحلال ہیں اور حد اسکار سے کم دوا وغیرہ کے لئے ان کا استعمال جائز ہے۔ اور نشہ کی حد تک اگر استعمال کر لیا جس سے مخبوط الحواس ہوگیا تو یہ اگرچہ حرام ہے لیکن پھر بھی حد واجب نہیں ہے۔ کیونکہ حد سیال مسکر کے ساتھ واجب ہوتی ہے نہ کہ خشک چیزوں سے۔ خاتم المحققین علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں!

اقول الظاھر ان ھذا خاص بالاشربۃ المائعۃ دون الجامد کالبنج والافیون فلا یحرم قلیلھا بل کثیرھا المسکر وبہ صرح ابن حجر فی التحفۃ وغیرہ وھو مفھوم من کلام ائمتنا لانھم عدوھا من الادویۃ المباحۃ وان حرم السکر منھا بالاتفاق ولم نر احدا قال بنجاستھا ولا بنجاسۃ نحو الزعفران مع ان کثیرہ مسکر ولم یحرموا اکل قلیلہ ایضا ویدل علیہ انہ لا یحد بسکرھا کما یاتی بخلاف المائعۃ فانہ یحد ویدل علیہ قولہ فی غرر الافکار۔ ولا یلزم من حرمتہ نجاستہ کالسم القاتل فانہ حرام مع انہ طاھر ھذا ما ظھر لفھمی القاصر ملتقطا [2]

کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم رقیق مشروبات کے ساتھ خاص ہے۔ خشک کا یہ حکم نہیں۔ جیسا بھانگ اور افیون کہ اسکا قلیل حرام نہیں بلکہ کثیر جو مسکر ہو وہ حرام ہے جیسا کہ ابن حجر وغیرہ نے اسکی تصریح فرمائی اور یہی ہمارے ائمہ کرام کے قول سے بھی سمجھا جاتا ہے اسلئے کہ ہمارے ائمہ کرام نے بھانگ اور افیون وغیرہ خشک چیزوں کو مباح ادویہ میں شمار کیا ہے اگرچہ بالاتفاق نشہ ان سے بھی حرام ہے اور ہم نہیں جانتے کہ کسی نے مذکورہ بالا چیزوں اور زعفران وغیرہ کو نجس کہا ہو باوجود اسکے زعفران بھی حد اسکار تک استعمال کرنا حرام ہے۔ لیکن اسکی قلیل مقدار میں کھانے کو فقہاء نے حرام نہیں ٹھہرایا ہے اور ان چیزوں کے حد اسکار تک استعمال کی صورت میں بھی حد نہیں واجب ہوگی۔ بخلاف رقیق نشہ آور اشیاء کے کہ اسمیں حد واجب ہے۔ اور کسی چیز کے حرام ہونے سے اسکا نجس ہونا لازم نہیں آتا جیسا کہ زہر ہلاہل کہ وہ حرام ہونے کے باوجود طاہر اور پاک ہے۔ یہی میری فہم ناقص میں ظاہر ہوا۔

---

[1] عالمگیری کتاب الاشربہ ص ۱۳۰   [2] رد المحتار کتاب الاشربہ ص ۳۲۴

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"قول منصور و مختار میں تاڑی وغیرہ ہر مسکر پانی کا قطرہ قطرہ مثل شراب حرام و ناروا ہے اور نہ صرف حرام بلکہ پیشاب کی طرح مطلقاً نجاست غلیظہ ہے۔ یہی مذہب معتمد اور اسی پر فتویٰ ہے"۔

اس کے بعد آگے چل کر آپ فرماتے ہیں:

"یہ سب بربنائے مذہب مفتیٰ بہ تھا اور اصل مذہب کہ شیخین مذہب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے اعنی طہارۃ المثلث العینی والمطبوخ العنبی والنبیذ و سائر الاشربۃ من غیر الکرم والنخلۃ مطلقاً وحلہا کلہا دون قدر الاسکار۔ حاشا یہ بھی قول ساقط و باطل نہیں بلکہ بہت باقوت ہے بلکہ اصل مذہب یہی ہے۔ ان سے یہی جمہور صحابہ کرام حتیٰ کہ حضرات اصحاب بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے، یہی قول امام اعظم ہے عامۂ متون مذہب مثل مختصر قدوری و ہدایہ و وقایہ و نقایہ و کنز و غرر و اصلاح وغیرہا میں اسی پر جزم و اقتصار کیا اکابر ائمہ ترجیح و تصحیح مثل امام اجل ابو جعفر طحاوی و امام اجل ابو الحسن کرخی و امام شیخ الاسلام ابو بکر خواہر زادہ و امام اجل قاضی خان و امام اجل صاحب ہدایہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسی کو راجح و مختار رکھا ہے بلکہ خود امام محمد نے کتاب الآثار میں اسی پر فتویٰ دیا ہے اسی کو ماخوذ فرمایا ہے۔ علمائے مذہب نے بہت سی کتب معتمدہ میں اس کی تصحیح فرمائی یہاں تک کہ اکد الفاظ ترجیح علیہ الفتویٰ سے بھی تذییل آئی خزانۃ المفتیین میں ہے۔ فی الہدایۃ والنہایۃ وفتاوی قاضی خان وظہیر الدین والخلاصۃ وفتاوی الکبری وفتاوی اہل سمرقند والحیری الاصح ما علیہ ابو حنیفۃ و ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ۔

جامع الرموز میں ہے۔ وھو الصحیح لان الخمر موجودۃ فی العقبی فینبغی ان یحل من جنسہ فی الدنیا انموذج ترغیبا فی المغفرات وئلا یلزم تفسیق الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

ہندیہ میں فتاوی کبریٰ سے ہے۔ العصیر اذا شمس حتی ذہب ثلثاہ یحل شربہ عند ابی حنیفۃ و ابی یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ وھو الصحیح۔ در منتقی میں ہے وصحح غیر واحد قولہما[1] ملتقطا

اب اللہ عزوجل کی تائید سے سوالنامے کے جوابات کی طرف متوجہ ہوتا ہوں سوالنامے کے فاضل مرتب نے ماشاء اللہ بڑی عرق ریزی اور جانفشانی کے ساتھ سوالات کو مرتب کیا ہے جو ہمارے

---

[1] فتاویٰ رضویہ جلد یازدہم ص ۱۰۸ تا ۹۴۔

لئے باعثِ فخر ہے۔ جزاہ اللہ عنی وعن جمیع المسلمین خیر الجزاء۔

فاضل مرتب الکحل، اسپرٹ، ٹنکچر کے اجزاء ترکیبیہ اور ان اشیاء کی طبی و کیمیائی تجزیہ پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ اب تک کی تمام تفصیلات کا خلاصہ یہ ہے کہ صبغ یعنی ٹنکچر، الکحل کے محلول یا تقطیر وغیرہ کے ذریعہ تیار ہوتا ہے اور الکحل، اسپرٹ سے تو جو حکم اسپرٹ کا ہوگا وہی الکحل اور ٹنکچر اور ان سے مرکب تمام ادویہ کا بھی ہوگا۔

اہل سنت وجماعت کا موقف

آپ فرماتے ہیں کہ متذکرہ بالا چیزوں میں اہل سنت وجماعت کا موقف وہی ہے جو مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے ارشاد فرمایا ہے:

(۱) فان اسپارتو وھی روح النبیذ خمر تشعابل من اخبث الخمور فھی حرام و رجس نجس نجاسة غلیظة کالبول[1]

بے شک اسپرٹ۔ جس کا معنی روح النبیذ ہے شراب ہے بلکہ وہ سب سے گندی شراب ہے یہ حرام اور نجس ہے اور ناپاک بھی اور اسکی نجاست پیشاب کیطرح نجاستِ غلیظہ ہے۔

(۲) شراب کسی قسم کی ہو مطلقاً حرام بھی ہے اور پیشاب کی طرح نجس ہے۔ برانڈی ہو خواہ اسپرٹ، خواہ کوئی بلا جس دوا میں اس کا جزء یا خواہ کسی طرح اس کی آمیزش ہو اس کا کھانا پینا بھی حرام۔ اس کا بیچنا خریدنا بھی حرام، طبیب کہ اس کا استعمال بتائے مبتلائے گناہ و آثام۔ یہی ہمارے ائمہ کرام کا مذہب صحیح و معتمد ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں۔ ڈاکٹری ٹنکچر وغیرہ رقیق دوائیں عموماً اسپرٹ کی آمیزش سے خالی نہیں ہوتیں وہ سب حرام و نجس ہیں[2]

مجدد اعظم امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کے ارشادات عالیہ سے یہ معلوم ہوا کہ ٹنکچر، اسپرٹ الکحل سبھی شراب ہیں اور پیشاب کی طرح ناپاک بھی۔ لہٰذا ان کا استعمال حرام وگناہ ہے۔

سوال ۱ تا ۳ کے جواب میں معروض ہے کہ الکحل، اسپرٹ، ٹنکچر وغیرہ اعلیٰحضرت کے نزدیک نہ تو خمر ہیں اور نہ شراب کی اس قسم میں داخل ہیں جو ہمارے ائمہ کرام کے نزدیک باتفاق آراء شراب ہوں (یعنی باذق، منصف، نقیع التمر، نقیع الزبیب) میں یہ چیزیں داخل نہیں جیسا کہ ان اشیاء کی ماسبق کی تعریفات سے ظاہر ہے۔ باقی رہا یہ سوال کہ مذکورہ بالا چیزوں سے مخلوط دواؤں میں عموم بلویٰ کی حالت پیدا ہو چکی ہے یا نہیں۔ یہ تفصیل طلب ہے۔ پہلے اس نکتے پر غور کرنا لازم ہے کہ فقہائے کرام

---

[1] فتاویٰ رضویہ ج ۲ ص ۱۲۹ [2] فتاویٰ رضویہ ج ۱ - النصف آخر ص ۷.

نے ماضی میں کن کن چیزوں میں عوام و خواص کے مبتلا ہونے پر حکم شرع میں تخفیف کا حکم دیا ہے اور اس کے باعث حرج تصور کیا ہے۔

اور عرف تعامل کی شرعی حیثیت کیا ہے اور عرف تعامل کسے کہتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ ضرورتیں کتنی شدید تھیں اور کتنے افراد کے اس میں مبتلا ہو جانے کا ظن غالب تھا اور ایسی ہی شدید یا اس سے کچھ کم و بیش ضرورت مذکورہ چیزوں سے مخلوط دواؤں اور دیگر اشیاء میں پائی جاتی ہے یا نہیں پہلے ہم عرف و تعامل کی تعریف و توضیح پیش کرتے ہیں اور یہ کہ کتنے لوگوں کا تعامل شرع میں معتبر ہے جس کی وجہ سے احکام بدل جاتے ہیں اور ان کی شرعی حیثیت کیا ہے۔

عموم بلویٰ یا تعامل وہ امر ہے جس سے عامۃ الناس کا بچنا دشوار ہو اور علماء اور جہلاء سبھی اس میں مبتلا ہوں اگرچہ بعض افراد کا بہ دقت تمام اس سے بچنا ممکن ہو لیکن بعض افراد کا اس سے بچ جانا تعامل یا عموم بلویٰ کے پائے جانے میں حارج نہ ہوگا اور نیز اس عموم بلویٰ یا تعامل کے لئے کسی ایک ملک کے بلاد کثیرہ میں پایا جانا کافی ہے یہ ضروری نہیں کہ پوری دنیا کے مسلمانوں کا اس پر عمل درآمد ہو اور نہ یہ ضروری ہے کہ ہمیشہ سے ہو بلکہ کسی ایک زمانہ میں یہ صورت حال پائی جائے تو تعامل عند الشرع معتبر ہوگا۔ اور اس کی وجہ سے قیاس کو مطلقاً ترک کر دیا جائے گا اور نص کی بھی تخصیص اس کے ذریعہ کی جا سکتی ہے البتہ نص کو اس کی وجہ سے ترک نہیں کیا جائے گا۔ اس کی پوری تحقیق کیلئے فتاویٰ رضویہ جلد یازدہم کا مطالعہ کریں۔ اپنے مدعیٰ کے اثبات میں اس کی دو عبارت حاضر خدمت کر رہا ہوں۔

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ والرضوان فرماتے ہیں:

"تو عرف و تعامل جس میں اجتہاد درکنار علم بھی درکار نہیں علماء جہلاء سب کا عملدرآمد ہوتا ہے"[1]

آگے چل کر اسی کتاب کے اسی صفحہ پر فرماتے ہیں: "ائمہ اسلاف نے ہمیشہ لاجرم اپنے ہی قطر کے بلاد کثیرہ میں عمل کا نام عرف و تعامل رکھا اور اسی کو مبنائے احکام قرار دیا ہے۔ انصاف کیجئے تو امر واضح ہے۔"

مندرجہ ذیل عبارات سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عرف و تعامل کی وجہ حکم بدل جاتا ہے اور ایک ملک کے بھی بلاد کثیرہ کا تعامل معتبر ہے۔

اذا اشتری ثمار بستان و بعضها قد خرج و بعضها لم یخرج فتلك بجوز هذا البیع ظاهر	جب کسی نے کسی باغ کے پھل کو خریدا جس میں کچھ پھل ظاہر ہو چکے ہیں اور بعض ابھی نکلنا باقی ہیں تو کیا یہ بیع

---

[1] فتاویٰ رضویہ ج ۱۱ ص ۲۶ ۔

المذهب انه لا يجوز وكان شمس الائمة الحلوانی يفتی بجوازه فی الثمار [1]

جائز ہے یا نہیں ظاہر مذہب یہ ہے کہ بیع جائز نہیں اور شمس الائمہ حلوانی اسکے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں۔

بحر الرائق میں امام جلیل ابوبکر محمد بن فضل سے اسی بیع معدوم کے بارے میں مروی ہے۔

استحسن فيه لتعامل الناس بانهم تعاملوا بيع ثمار الكرم هذه الصفة ولهم فی ذالك عادة ظاهرة وفی نزع الناس عن عاداتهم حرج [2]

لوگوں کے عملدرآمد کی وجہ سے اسکو درست رکھا گیا ہے اس لئے کہ انگور کے پھل اس طور پر بیچنے کی ان لوگوں کی عادت ہے اور لوگوں کو ان کی عادت سے جدا کرنا حد درجہ مشکل ہے۔

اور حضرت علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے اپنا محققانہ فیصلہ ان الفاظ میں سناتے ہیں۔

قلت لا يخفى تحقق الضرورة فی زماننا لاسيما فی مثل دمشق الشام كثيرة الاشجار والثمار فانه لغلبة الجهل على الناس لا يمكن الزامهم بالتخلص باحد الطرق المذكورة وان امكن بالنسبة الى بعض افراد الناس لا يمكن بالنسبة الى عامتهم وفی نزعهم عن عادتهم حرج كما علمت [3]

کہا کہ اسمیں کوئی خفا نہیں ہے کہ ہمارے زمانے میں ضرورت متحقق ہے خاص طور سے ملک شام کے دمشق میں جو بہت درخت اور پھل والی جگہ ہے اسلئے کہ لوگوں پر جہالت کے غلبہ کی وجہ سے انھیں اس سے چھٹکارا دلانا ممکن نہیں ہے اگرچہ بعض افراد کا اس سے بچنا ممکن ہے لیکن عامۃ الناس کیلئے یہ چیز ممکن نہیں اور انھیں انکی عادت سے جدا کرنے میں حرج ہے جیسا کہ تم نے جانا۔

عرف وتعامل کی وجہ سے احکام بدل جاتے ہیں اس کے چند نظائر حاضر خدمت ہیں۔

(۱) قرآن کریم کی تعلیم پر اجرت لینے سے ممانعت میں احادیث کثیرہ وارد ہیں یہاں تک کہ حدیث پاک میں ہے کہ تعلیم قرآن پر عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک کمان بھیجی گئی انھوں نے یہ خیال فرمایا کہ یہ کوئی مال نہیں ہے اور جہاد میں بھی یہ کمان کام دے گی اسے قبول فرمالیا۔ اسکے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب اس معاملہ کو دریافت کیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ان اردت ان يطوقك الله طوقا من نار فاقبلها [4]

اگر تو چاہے کہ اللہ تعالیٰ تیرے گلے میں آگ کا طوق ڈالے تو تو اس کو لے لے۔

[1] ایضاً ص ۲۲ [2] ایضاً ص ۲۲ [3] ایضاً ص ۱۳ [4] رواہ ابوداؤد ابن ماجہ۔

اور نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اقرؤا القرآن ولا تأکلوا بہ ۱؎

لوگوں کو قرآن کی تعلیم دو لیکن اسکی اجرت نہ کھاؤ

اور قیاس بھی اسی بات کا مقتضی کہ تعلیم قرآن پر اجرت لینا جائز نہیں ہونا چاہئے جیسا کہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

لان القربۃ متی حصلت وقعت عن العامل ولھذا تعتبر اھلیتہ فلا یجوز لہ اخذ الاجر من غیرہ کما فی الصوم والصلوۃ ۲؎

اس لئے کہ جب عبادت حاصل ہوئی تو کرنے والے کیطرف واقع ہوگی۔ اسی وجہ سے کرنے والے کی اہلیت کا اعتبار کیا گیا ہے تو اس کیلئے غیر سے اجرت کا لینا جائز نہ ہوگا جیسا کہ نماز روزہ کی اجرت کسی غیر سے نہیں لے سکتا۔

بلکہ فقہائے احناف نے اس سلسلے میں ایک ضابطہ کلیہ وضع فرمایا۔ فرماتے ہیں:

والاصل ان کل طاعۃ یختص بھا المسلم لایجوز الاستیجار علیہ عندنا۔

ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ طاعت جو مذہب اسلام کے ساتھ مختص ہو اس پر اجرت لینا ہمارے نزدیک جائز نہیں۔

اس بنا پر متقدمین فقہائے کرام نے یہی فتویٰ دیا تھا کہ اذان، حج، امامت، قرآن کریم، اور فقہ کی تعلیم پر اجرت لینا اور دینا دونوں ناجائز اور حرام ہے۔ لیکن اس سب کے باوجود عرف کے بدل جانے اور ضرورت کی وجہ سے اذان، امامت، قرآن و فقہ کی تعلیم دینے پر اجرت کے جائز ہونے کا فتویٰ دیا گیا جیسا کہ یہی امام برہان الدین مرغینانی اپنی مشہور زمانہ کتاب ہدایہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

وبعض مشائخنا استحسنوا الاستیجار علی تعلیم القرآن الیوم لانہ ظھر التوانی فی الامور الدینیۃ ففی الامتناع یضیع حفظ القرآن وعلیہ الفتویٰ ۳؎

اور ہمارے بعض مشائخ نے دور حاضر میں تعلیم قرآن پر اجرت لینے کو مستحسن جانا ہے اسلئے کہ دینی امور میں لوگوں کے اندر سستی ظاہر ہو چکی تو عدم جواز کی تقدیر پر قرآن کی تعلیم ضائع ہو جائیگی اور فتویٰ مشائخ ہی کے قول پر ہے۔

نظیر دوم:۔ بٹائی پر زمین دینے کی سخت ترین ممانعت میں متعدد احادیث کریمہ وارد ہیں یہاں تک کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔

من لم یذر المخابرۃ فلیؤذن بحرب

جو بٹائی نہ چھوڑے وہ اللہ اور اس کے رسول سے

۱؎ رواہ احمد فی المسند ۲؎ ہدایہ اخیرین ص ۲۸۴ ۳؎ الیضاً ص ۲۰۳

من الله ورسوله [1] جنگ کا اعلان کرے۔

حضرات صحابہ کرام اور تابعین عظام کا یہی مسلک رہا کہ بٹائی پر زمین کو نا جائز اور حرام جانتے تھے۔ حضرت امام الائمہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی احادیث کریمہ اور حضرات صحابہ و تابعین کے ارشادات کی وجہ سے عدم جواز کے قول کو اختیار فرمایا۔

اور قیاس بھی اسی کا مقتضی ہے کہ جائز نہ ہو اس لئے کہ اس میں اجرت مجہول ہی نہیں بلکہ معدوم ہے لیکن اس سب کے باوجود حضرات صاحبین علیہما الرحمہ نے جب یہ ملاحظہ فرمایا کہ اب حالات بدل گئے ہیں اور لوگوں میں عام رواج بٹائی پر زمین دینے کا ہو گیا ہے۔ تو ان حضرات نے جواز کا فتویٰ دیا۔ جیسا کہ ہدایہ میں ہے۔

قال ابو حنیفة رحمة الله علیه المزارعة بالثلث والربع باطلة۔	امام اعظم نے فرمایا کہ تہائی یا چوتھائی پر زمین کو بٹائی میں دینا باطل ہے۔
الا ان الفتوی علی قولهما لحاجة الناس الیها ولظهور تعامل الامة لهما والقیاس یترك بالتعامل کما فی الاستصناع [2]	مگر فتویٰ حضرات صاحبین کے قول پر ہے لوگوں کی ضرورت اور تعامل امت کی وجہ سے اور قیاس تعامل کی وجہ سے ترک کر دیا جاتا ہے۔

جو لوگ علم فقہ سے اشتغال رکھتے ہیں اور شب و روز خدمت فقہ میں لگے ہوئے ہیں وہ ادنیٰ تتبع و تلاش سے تعامل و عموم بلویٰ کی وجہ سے جو احکام بدلے ہیں ان کی سیکڑوں نظیریں نکال سکتے ہیں جنکو ان نظائر کو دیکھنا ہو وہ خصوصیت کے ساتھ فتاویٰ رضویہ کا مطالعہ کرے حضرت مجدد اعظم امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتاویٰ رضویہ جلد یازدہم میں اپنے صرف ایک فتویٰ میں تیس ایسے نظائر کی نشاندہی فرمائی ہے۔ جو عرف و تعامل کے بدلنے کی وجہ سے بدل گئے ہیں۔

امام موصوف نے اپنے نادرہ روزگار رسالہ اجلی الاعلام ان الفتویٰ مطلقا علی قول الامام۔ جو فتاویٰ رضویہ جلد اول میں طبع ہو چکا ہے جو شاندار فاضلانہ بحث استیا ستہ یعنی ضرورت، حرج، عرف، تعامل، مصلحت، دفع فساد سے متعلق فرمائی ہے۔ جو قابل مطالعہ ہی نہیں واجب الحفظ ہے جس کے مطالعہ سے بے شمار شکوک و شبہات مرتفع ہو جائیں گے۔ اور سیکڑوں لاینحل مسائل کے حل کی راہ آسان ہو جائے گی اس کا ایک ضروری اقتباس ہدیہ ناظرین کرتا ہوں اختصار کی وجہ سے

[1] رواہ ابو داؤد والطحاوی [2] ہدایہ اخیرین کتاب المزارعۃ ص۲۰۳

صرف ترجمہ پر اکتفا کرتا ہوں۔ رسالہ مذکورہ کے پانچویں مقدمے میں فرماتے ہیں:

کہ قول دو قسم کے ہیں صوری اور ضروری۔ تو صوری وہ منقول قول ہے اور ضروری وہ ہے جو کسی قائل کا قول نہ ہو خاص طور پر لیکن وہ قول ضمناً ہو اور ضرورۃً اس کا حکم کیا گیا ہو یعنی اگر وہ اس خصوص میں کلام کرتا تو یہ کلام کرتا۔ اور بسا اوقات حکم ضروری حکم صوری کے مخالف ہوتا ہے ایسی صورت میں قول ضروری غالب ہوتا ہے، اور اگر اس صورت میں کوئی قول صوری اختیار کرے تو قائل کی مخالفت قرار پاتا ہے اور قول صوری سے عدول کرنا اور قول ضروری کو اپنانا اس کی موافقت اور اتباع قرار پائے گا۔ مثلاً زید ایک نیک شخص ہے تو عمرو نے اپنے خادم کو اس کی تعظیم و تکریم کا حکم دیا اور صراحت کے ساتھ حکم کھلا دیا اور باصرار و تکرار دیا اور وہ یہ پہلے کہہ چکا تھا کہ تم کسی فاسق کی تعظیم کبھی مت کرنا۔ اب ایسا ہوا کہ کچھ عرصہ بعد زید فاسق ہو گیا۔ اب اگر اس شخص کے خادم پہلے نص کی وجہ سے اس کی تعظیم کریں تو گنہگار ہوں گے اور نہ کریں تو فرمانبردار قرار پائیں گے۔ اور اس قسم کی چیزیں اقوال ائمہ میں بھی ہوتی ہیں اور ان کا اسباب یہ ہو سکتے ہیں۔ ضرورت، حرج، عرف، تعامل، اہم مصلحت، دفع فساد۔ اور یہ اس لئے ہے کہ ضرورتوں کا استثناء، حرج کا دفع کرنا اور مصالح دینیہ کی رعایت جو زیادہ مفاسد سے خالی ہوں اور مفاسد کو دور کرنا، عرف کو اختیار کرنا اور تعامل پر عمل کرنا یہ ایسے شرعی قواعد کلیہ ہیں جو سب کو معلوم ہیں اور ائمہ یا تو ان کی طرف مائل ہیں یا ان کے قائل ہیں یا ان پر اعتماد کرتے ہیں اگر کسی مسئلے میں امام کی نص موجود ہو اور پھر یہ تغیرات پائے جائیں تو ہم قطعی طور پر یہ جان لیں گے کہ اگر یہ امور حضور امام اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہوتے تو آپ کا قول ان کے مقتضیٰ پر ہوتا نہ ان کے خلاف تو ایسی صورت میں ان کے ضروری قول پر عمل جو آپ سے منقول نہ ہو یہ آپ ہی کے قول پر عمل ہے۔ اور عقود الدریہ میں علامہ شامی نے اس قسم کے بہت سے مسائل شمار کرائے ہیں اور بہت سے مسائل کے لیے اشباہ کا حوالہ دیا ہے اور فرمایا ہے کہ ان تمام کے احکام زمانہ کے تغیرات کی وجہ سے بدل گئے ہیں یا تو ضرورت کی وجہ سے، یا تو عرف کی وجہ سے، یا احوال کے قرائن کے باعث اور فرمایا کہ ان میں سے کوئی چیز مذہب سے خارج نہیں۔ کیونکہ اگر صاحب مذہب خود اس زمانے میں ہوتے تو یہی قول کرتے اور اگر یہ تغیر آپ کے زمانہ میں واقع ہوتا تو وہ اس کے خلاف تصریح نہ کرتے۔

اسی نے مجتہدین فی المذہب کو جرأت دی ہے اور متاخرین صاحب الرائے نے ظاہر مذہب کی کتب سے ثابت شدہ مذہب کی جو مخالفت کی ہے وہ اپنے زمانے کے اعتبار سے ہے جیسا کہ خود انھوں نے اس کی تصریح کی ہے [1]

---

[1] فتاوی رضویہ جلد اول ص ۳۰۵

خلاصہ بحث ــــ امام موصوف کی تحریر کا منشا یہ ہے کہ اشیاء ستہ مذکورہ میں سے اگر کوئی چیز پائی جائے تو نص امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی تغییر جائز ہے یہ اور بات ہے کہ اس صورت میں بھی قول امام ہی کی پیروی ہوگی۔ قول صوری کی تصحیح قول ضروری کی ہوگی اور اگر امام اعظم زندہ ہوتے تو قول ضروری بھی انھیں اشیاء ستہ کے مطابق ہوتا۔ اور امام اعظم ان اشیاء ستہ کا ضرور لحاظ فرما کر اس کے مطابق حکم دیتے مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی گذشتہ بالا تحریر کی روشنی میں تمام علماء و مفتیان کرام کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ زمانہ کے تغیرات کا بغور جائزہ لیں اور وہ جدید مسائل جو قوم مسلم کے لئے سخت الجھن کے باعث ہیں ان کا شرعی حل بیان فرمائیں اور اگر وہ گذشتہ فقہاء کے نصوص جو انھوں نے اپنے زمانہ کے اعتبار سے ارشاد فرمائے تھے اس پر قانع رہے اس زمانے کے تغیرات سے صرف نظر کر لیا تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ ملت اسلامیہ کے ساتھ ان کی خیر خواہی نہ ہوگی اور ہرگز وہ اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔
جیسا کہ خود مجدد اعظم علیہ الرحمۃ نے اپنے اسی رسالہ مبارکہ میں تغیرات زمانہ کی وجہ سے بہت سے احکام میں تبدیلی کی مثالیں دینے کے بعد علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے فرماتے ہیں:

فقد ظہر لک ان جمود المفتی والقاضی علیٰ ظاہر المنقول مع ترک العرف والقرائن الواضحۃ والجہل باحوال الناس یلزم منہ تضییع حقوق کثیرۃ وظلم خلق کثیرین [1]

اس سے معلوم ہوا کہ مفتی یا قاضی کا محض منقولات کے ظاہر کو پکڑ کر بیٹھ جانا۔ اور لوگوں کے عرف قرائن واضحہ اور لوگوں کے احوال سے صرف نظر کر لینا بہت سے حقوق کے زائل ہو جانے کا باعث ہوگا اور خلق خدا پر ظلم و تعدی ہوگی۔

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے صرف ان قواعد و ضوابط کو اپنی کتاب کی زیب و زینت کے لئے نہیں پیش فرمایا ہے بلکہ اسی کے مطابق آپ کا عمل بھی رہا ہے، ابتداءً آپ نے الکحل، اسپرٹ، ٹنکچر آمیز دواؤں یا ان چیزوں کی آمیزش سے تیار شدہ دیگر اشیاء کے استعمال کو مطلقاً ناجائز حرام قرار دیا۔ جیسا کہ ابتداءً آپ کے مختلف فتاویٰ کو ناظرین ملاحظہ فرما چکے ہیں۔
لیکن جب آپ نے انقلابات زمانہ اور تغیر حالات کو ملاحظہ فرمایا تو نہ صرف یہ کہ اپنے سابق موقف میں لچک پیدا کی بلکہ اس کے برخلاف فتویٰ دیا جس کی بہت سی نظیریں فتاویٰ رضویہ جلد دوم اور جلد یازدہم میں موجود ہیں ــــ میں ان میں سے صرف دو فتویٰ کا ضروری اقتباس نقل کرتا ہوں۔ آپ سے استفتا ہوا۔
کہ مصری ایک سرخ رنگ کے کاغذ میں جس کی نسبت قوی گمان ہے کہ پڑیا کے رنگ میں رنگا گیا ہو بندھی تھی

[1] فتاویٰ رضویہ جلد اول ص ۲۹۳

اس کی سرخی فی الجملہ مصری میں آگئی تو وہ مصری کھائی جائے یا نہیں؟

اس کے جواب میں آپ نے ارقام فرمایا۔

پڑیا کی نجاست پر فتویٰ دیئے جانے میں فقیر کو کلام کثیر ہے۔ ملخص اس کا یہ کہ — پڑیا میں اسپرٹ کا ملنا اگر بطریق شرعی ثابت بھی ہو تو اس میں شک نہیں کہ ہندیوں کو اس کی رنگت میں ابتلائے عام ہے اور عموم بلویٰ، نجاست متفق علیہا میں باعث تخفیف، حتیٰ فی موضع النص القطعی کما فی ترشش البول قدر رؤس الابر. کما حققہ المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر (ص ۱۰۹ ج ۱) نہ کہ محل اختلاف میں جو زمانۂ صحابہ سے عہد مجتہدین تک برابر اختلافی چلا آیا نہ کہ جہاں صاحب مذہب حضرت امام اعظم و امام ابو یوسف کا اصل مذہب طہارت ہو، اور وہی امام ثالث امام محمد سے بھی ایک روایت اور اسی کو امام طحاوی وغیرہ ائمہ ترجیح و تصحیح نے مختار و مرجح رکھا ہو۔

نہ کہ ایسی حالت میں جہاں اس مصلحت کو بھی دخل نہ ہو جو متاخرین اہل فتویٰ کو اصل مذہب سے عدول اور روایت اخرائے امام محمد کے قبول پر باعث ہوئی۔

نہ کہ جب مصلحت الٹی اس کے ترک اور اصل مذہب پر افتاء کی موجب ہو۔ تو ایسی جگہ بلا وجہ، بلکہ بخلاف وجہ مذہب مہذب صاحب مذہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ترک کر کے مسلمانوں کو ضیق و حرج میں ڈالنا اور عامۂ مومنین و مومنات جمیع دیار و اقطار ہندیہ کی نمازیں معاذ اللہ باطل اور انہیں آثم و مصر علی الکبیرہ قرار دینا روشن فقہی سے یکسر دور پڑتا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

آپ دوسرے فتویٰ میں ارشاد فرماتے ہیں! (۲) انگریزی منجروں میں عموماً اسپرٹ ہوتی ہے تو کھانے، پینے کے سوا رنگنے وغیرہ میں جہاں خود اس کا چھونا، لگانا پڑے وہ بھی ممنوع و ناجائز ہے۔ اخذاً باصل المذہب والتفصیل فی فتاوینا۔

فتاویٰ رضویہ کے ان دونوں اقتباس سے مندرجہ ذیل چیزیں ثابت ہوئیں۔

(۱) اسپرٹ: نہ تو خمر ہے جو مطلقاً حرام ہے۔ اور نہ ان شرابوں میں سے ہے جس کی حرمت متفق علیہا ہے (یعنی باذق، منصف، نقیع العنب، نقیع التمر سے) بلکہ اسپرٹ ان شرابوں میں سے ہے جو ہمارے فقہائے احناف کے درمیان مختلف فیہ ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قلیل و کثیر سب حرام و نجس ہے۔

لہ فتاویٰ رضویہ ج ۲ ص ۴۵

(۲) امام محمد کے مذہب پر فقہائے احناف ایک مصلحت کی وجہ سے فتویٰ دیتے تھے وہ مصلحت یہ تھی کہ اس قسم کی شرابوں پر فساق و فجار اکٹھے ہو کر مستی اور نشہ کے لئے پیتے تھے لیکن اب جبکہ مصلحت بدل گئی اور مسلمانوں کو اس قسم کی شراب آمیز دواؤں اور رنگ میں ابتلائے عام ہوگیا تو پوری امت مرحومہ کو گنہگار اور گناہ کبیرہ پر اصرار کرنے والا ٹھہرانا یقیناً قطعاً اس کو پسند کرتا ہے اور یہ روش فقہ کے بالکلیہ خلاف ہے۔

اس وجہ سے اب حضرات شیخین کے مذہب کے موافق عموم بلوی کی وجہ سے اس عطری کے جواز کا فتویٰ دیتا ہوں جس میں اسپرٹ کی آمیزش ہوگئی ہو۔

(۳) انگریزی دواؤں میں عام طور پر اسپرٹ ہوتی ہے تو کھانے پینے کے سوا صرف کپڑوں میں رنگنے کی حد تک عموم بلوی کی وجہ سے جواز کا فتویٰ دیا۔

یہ پہلا فتویٰ جو نقل کیا ہے وہ ۱۳۰۱ھ کا ہے البتہ دوسرے فتویٰ کی کوئی تاریخ مذکور نہیں اور اس وقت ۱۴۱۲ھ چل رہی ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک صدی قبل اسپرٹ آمیز اشیاء کا استعمال اتنا کثیر ہو چکا تھا کہ جس سے عام مسلمانوں کا بچنا حد درجہ مشکل ہوگیا تھا یہاں تک کہ فقیہ فقید المثال کو عموم بلوی کی وجہ سے جواز کا فتویٰ دینا پڑا۔

اب میں اپنے اس مقالہ کو ایک ضروری گذارش کو پیش کرکے ختم کرنا چاہتا ہوں۔

ضروری گذارش ـ اہل علم پر روز روشن کی طرح یہ بات عیاں ہے کہ موجودہ زمانہ میں صرف ہند و پاک کے مسلمان ہی نہیں بلکہ جہاں تک میری معلومات ہے کہ دنیا کے بیشتر ممالک میں انگریزی دواؤں اور اسپرٹ آمیز اشیاء کا استعمال عام ہے اب جب کہ ماہر اطباء دنیا سے ناپید ہو چکے ہیں اور اگر کہیں خال خال ایک آدھ حکیم موجود بھی ہیں تو ان کا طریقۂ علاج اس قدر فرسودہ اور صبر آزما ہوتا ہے کہ ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں کہ ان کا علاج کرا سکے اور کتنے ایسے مہلک امراض ہیں جن میں سوائے انگریزی طریقۂ علاج کے کوئی چارۂ کار نہیں۔ اور یہ بھی میں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ کتنی آبادیاں دیہات و قصبات ہیں کہ جہاں ماہر طبیب تو کیا کوئی نیم حکیم بھی موجود نہیں ہے کہ جن سے علاج ممکن ہو سکے ایسی صورت میں بھی اگر مسلمانوں کو اس کا مکلف کیا گیا کہ دنیا کے جس گوشے میں بھی کوئی حکیم موجود ہو اسی سے علاج کرانا لازم ہے تو یہ تکلیف مالایطاق اور روش فقہ کے سراسر خلاف اور تا تریاق از عراق آوردہ شود مار گزیدہ مردہ شود کے مصداق ہوگا۔

لہٰذا جب شرق تا غرب الکحل، اسپرٹ، ٹنکچر آمیز دواؤں کا استعمال عام ہوگیا اور اسپرٹ آمیز اشیاء

کے بھی استعمال سے بچنا حد درجہ دشوار ہوگیا تو عموم بلویٰ، ضرورت شدیدہ، اور دفع حرج کی وجہ سے انگریزی دواؤں اور ان اشیاء کا استعمال جائز ہونا چاہیئے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

بعض لوگوں کو یہ خلجان ہوسکتا ہے کہ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے عموم بلویٰ کی وجہ سے صرف کپڑوں میں جو اسپرٹ آمیز رنگ سے رنگے گئے ہوں حکم طہارت دیا ہے باقی رہا کھانے اور پینے والی چیزوں میں تو اس کا قطعاً اعتبار نہیں کیا ہے بلکہ رنگنے کے لئے اگر اسے چھونا اور لگانا پڑے تو اس کو بھی ممنوع اور ناجائز قرار دیا ہے۔

اس اشکال کا خلاصہ یہ ہوا کہ عموم بلویٰ کی وجہ سے باب طہارت ونجاست میں تو تخفیف ہوگی لیکن اشیاء کی حلت وحرمت میں اس کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

جواب اشکال

اگرچہ میں اس کا جواب مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ ہی کے کلام سے پیش کردوں تو شاید زیادہ موزوں ہوگا۔ حقہ کی اباحت سے متعلق بحث کرتے ہوئے اور مولانا عبد الحیٔ لکھنوی کو بھی یہی خلجان ہوا تھا کہ عموم بلویٰ صرف باب طہارت ونجاست ہی میں مؤثر ہوتا ہے باب حلت وحرمت میں نہیں ان کا رد کرتے ہوئے آپ ارشاد فرماتے ہیں:

اقول۔ ولنا نفتی بھذا ان عامۃ المسلمین اذا ابتلوا بحرام حل بل الاصراف عموم البلوی من موجبات التخفیف شرعا وما ضاق امر الا اتسع فاذا وقع ذالک فی مسئلۃ مختلف فیھا ترجح جانب الیسر صونا للمسلمین عن العسر ولا یخفی علی خادم الفقہ ان ھذا کما ھو جار فی باب الطھارۃ والنجاسۃ کذالک فی باب الاباحۃ والحرمۃ۔

مجدد اعظم فرماتے ہیں کہ ہماری یہ مراد نہیں ہے کہ عام مسلمان جب کسی حرام کام میں مبتلا ہوجائیں تو وہ چیز حلال ہوجائیگی بلکہ مسالہ یہ ہے کہ عموم بلویٰ تخفیف حکم کے اسباب میں سے ہے اور کوئی امر مشکل ایسا نہیں ہے جو آسان نہ ہو پس جبکہ عموم بلویٰ مختلف فیہ مسئلہ میں پایا جائے تو ایسی صورت اختیار کی جائیگی جس میں مسلمانوں کیلئے آسانی ہو انھیں دشواری سے بچانے کیلئے اور خادم فقہ پر پوشیدہ نہیں ہے کہ حکم تخفیف جیسا کہ باب طہارت ونجاست میں جاری ہے ایسے حلت وحرمت کے باب میں بھی جاری ہے۔

اب یہ بات اظہر من الشمس ہوگئی کہ خواہ اسپرٹ اور الکحل آمیز کھانے پینے والی دوائیں ہوں یا کوئی دوسری چیز جس میں اسپرٹ وغیرہ کی کوئی آمیزش ہو تعامل مسلمین عموم بلویٰ اور دفع حرج کی وجہ سے ان سب کا استعمال شرعاً جائز ہوگا اور اگر ورع وتقویٰ کی وجہ سے بچا جائے تو بہتر ہے۔

ھذا ما ظھر فی فھمی الناقص والعلم بالحق عند ربی جل مجدہ۔"

مفتی معراج القادری صاحب

رکن مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ

الکحل و اسپرٹ اور ٹنکچر آمیز دواؤں کا شرعی استعمال

الکحل اور اسپرٹ اور ٹنکچر یہ سب خمر مجازی ہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ سب خالص شراب ہیں، جن کا قطرہ قطرہ مثل شراب حرام بلکہ پیشاب کی طرح مطلقاً نجاست غلیظہ ہے۔ یہی مفتی بہ ہے۔

- عصر حاضر کی ادویہ کی جتنی نوعیں ہیں ان میں سے کوئی بھی نوع الکوحل وغیرہ کی آمیزش سے محفوظ نہیں اور حسب اختلاف بالا شیخین کے نزدیک استعمال جائز اور قول امام محمد پر ناجائز و حرام
- عہد حاضر میں دواؤں کے استعمال میں یقیناً ابتلائے عام متحقق ہے اس لئے اس کی بنیاد پر مسلک شیخین جو اصل مذہب ہے اس پر فتویٰ اور عمل ہونا چاہئے۔ جیسا کہ فقیہ فقید المثال اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اسی ابتلائے عام کا لحاظ کر کے رنگین کپڑوں میں طہارت کا حکم دیا ہے۔
- دواؤں کے علاوہ دوسری اشیاء مثلاً خوشبو، رنگ، وارنش وغیرہ میں بھی وجہ مذکور کے پیش نظر حکم طہارت ہونا چاہئے۔ ہمارے ان تمام دعووں کی دلیلیں قدرے تفصیل سے یہ ہیں:

کتب فقہ اور اصطلاح شرع میں خمر کا جو حقیقی معنی بیان کیا گیا ہے اس کی روشنی میں مسئلہ دائرہ کی تینوں چیزیں خمر حقیقی سے نہیں اولاً اس لئے کہ خمر حقیقی بنانے کے لئے انگور جو نا شرط ہے یعنی یہ خمر صرف انگور سے بنائی جاتی ہے جبکہ زیر بحث امور ثلٰثہ کے لئے یہ شرط نہیں بلکہ یہ چیزیں انگور کے علاوہ گنا، مہوہ، غلہ آلو، چقندر وغیرہ سے بھی بنائی جاتی ہیں۔

ثانیاً اس لئے کہ اس کے لئے انگور کا کچا پانی ہونا شرط ہے اور امور ثلٰثہ دائرہ کے لئے طبخ ضروری ہے اب ہم اس کی وضاحت کے لئے خمر حقیقی کا معنی اور امور ثلٰثہ دائرہ کے بنانے کی کیفیت ترکیب مختصراً پیش کرتے ہیں:

الخمر۔ ھی النی من ماء العنب اذا غلی واشتد وقذف بالزبد [۱] خمر۔ انگور کا وہ کچا پانی جس

---

[۱] تنویر الابصار ج ۵ ص ۲۸۸

جوش آکر تیزی پیدا ہوجائے اور جھاگ پھینک دے۔

فقہ کی مختلف کتابوں میں خمر کا یہی معنی بیان کیا گیا ہے جو اس کا حقیقی اور اصلی معنی ہے اور بقیہ دوسری شرابوں پر جہاں اس کا اطلاق ہوتا ہے وہ مجازاً ہے۔

چنانچہ درمختار میں ہے۔ وقد تطلق الخمرة علی غیر ما ذکر مجازاً ۱؎

اسی کے تحت شامی میں ہے۔ قال فی المنح ھذا الاسم خص بھذا الشراب باجماع اھل اللغة ولا نقول ان کل مسکر خمر لا شتقاقہ من مخامرة العقل فان اللغة لا یجری فیھا القیاس فلا یسمی الذنب قارورة لقرارہ الماء واما قولہ صلی اللہ علیہ وسلم کل مسکر خمر وکل مسکر حرام و قولہ ان من الحنطة خمرا وان من الشعیر خمرا فجوابہ ان الخمر حقیقة تطلق علی ما ذکرنا وعبیدہ کل واحد لنا اسم مثل المثلث والباذق والمنصف ونحوھا واطلاق الخمر علیھا مجاز، علیہ یحمل الحدیث ۲؎

درمختار اور شامی کی دونوں عبارتوں سے یہ بالکل عیاں ہے کہ اسم خمر حقیقةً اسی معنی کے ساتھ خاص ہے جو تنویر الابصار کے حوالے سے گذرا، اور اس کا اطلاق دوسری شرابوں پر بطور مجاز ہے اور خمر حقیقی کا یہ معنی نہ الکوحل میں موجود اور نہ ہی اسپرٹ اور ٹنکچر میں۔ کیونکہ سوالنامہ میں مخزن الادویہ کے حوالے سے اسپرٹ بنانے کی جو ترکیب درج ہے اس کی رو سے یہ ضروری ہے کہ اس میں تقطیر وکشید ہو، ایسکے بغیر شراب خالص یا ریکٹی فائیڈ اسپرٹ نہیں حاصل ہوسکتی جیسا کہ الکوحل بنانے میں اس کی صراحت کی گئی ہے۔

سوالنامہ میں اس کا یہ طریقہ لکھا ہے۔

"گنا یا جس چیز کے رس یا شیرہ سے الکحل بنانا مقصود ہوتا ہے اسے کسی برتن میں بند کرکے ایک مقررہ مدت تک سڑایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس میں کیڑے پیدا ہوجاتے ہیں پھر اسے آگ پر جوش دیا جاتا ہے جب وہ ایک مخصوص درجۂ حرارت پر پہونچتا ہے تو اس کی بھاپ کو ایک پائپ کے ذریعے گزار کر دوسرے برتن میں اسے محفوظ کیا جاتا ہے یہ بھاپ دوسرے برتن میں پانی کے قطرات کی شکل میں ٹپکتی ہے یہی جمع شدہ بھاپ یا قطرات الکوحل کے نام سے موسوم ہیں"

الکحل کے بنانے کی ترکیب سے یہ عیاں ہے کہ بھاپ یا جمع شدہ بھاپ کے قطرات اور اس کے کشید کے لئے طبخ ضروری امر ہے۔ اور ریکٹی فائیڈ اسپرٹ کے لئے تقطیر وکشید درکار اس میں بھی طبخ لابدی وضروری

۱؎ درمختار ج ۵ ص ۲۸۸ ۲؎ ردالمحتار ج ۵ ص ۲۸۸

اور اسپرٹ ہی سے الکحل کا وجود۔ کورکٹیڈ فائیڈ اسپرٹ میں سے کم از کم نو فیصدی پانی کو علاحدہ کرنے کے بعد بھرلت کشید کرنے سے خالص الکحل ہوتا ہے [1]

اور الکحل سے ٹنکچر جیسا کہ سوالنامہ سے ظاہر ہوتا ہے تو جو حکم اسپرٹ کا ہوگا وہی الکحل اور ٹنکچر کا۔ اور اسپرٹ جبکہ خمر حقیقی نہیں تو الکحل اور ٹنکچر بھی نہیں کہ امور ثلاثہ دائرہ مطبوخ ہوتے ہیں اور خمر حقیقی غیر مطبوخ غالباً یہی وجہ ہے خلیطین کی حلت کا حکم دیا گیا اور نقیع الزبیب کی حرمت کا۔ ہدایہ میں ہے۔

(ھذا من الخلیطین وکان مطبوخا لان المروی عنہ (ای ابن عمر) حرمۃ نقیع الزبیب وھو النی منہ [2] ۔ فتح القدیر میں ہے۔ لان الخمر علی ما مر ھی النی من ماء العنب اذا صار مسکرا والمطبوخ لیس بخمر قطعا [3]

اس کے علاوہ خمر صرف انگور سے تیار ہوتا ہے اور الکحل وغیرہ انگور کے علاوہ دوسری ان تمام اشیاء سے بھی تیار ہوتا ہے جس میں شکر پائی جاتی ہے۔

الکحل واسپرٹ وغیرہ خمر کے دوسرے ان اقسام سے بھی نہیں

جن کی حرمت پر ہمارے ائمہ کرام کا اتفاق ہے

خمر حقیقی کے علاوہ دوسری وہ قسمیں جن کی حرمت ونجاست پر ہمارے ائمہ کرام کا اتفاق ہے اگرچہ اسکی حرمت ظنی واجتہادی ہے وہ تین قسمیں ہیں۔ (۱) العصیر۔ اذا طبخ حتی یذھب اقل من ثلثیہ۔ انگور کا وہ شیرہ جسے دھوپ یا آگ میں اتنا پکایا گیا ہو کہ دو تہائی سے کم جل کر ختم ہو جائے۔

اس کی دو قسمیں ہیں۔

(الف) باذق۔ ھو المطبوخ ادنی طبخۃ۔ وہ عصیر جو معمولی پکایا گیا ہو۔ (ب) منصف۔ وھو ما ذھب نصفہ بالطبخ وہ عصیر جسے پکا کر آدھا ختم کر دیا گیا ہو (اور آدھا باقی ہو) (۲) نقیع التمر۔ وھو السکر وھو النی من ماء الرطب اذا اشتد وقذف بالزبد۔ نقیع التمر جس کا دوسرا نام سکر ہے۔ ترکھجور کا کچا پانی (جس میں تیزی آجائے اور جھاگ پھینکدے) (۳) نقیع الزبیب۔ وھو النی من ماء الزبیب

[1] مخزن الادویہ ص ۲۲۰ بحوالہ سوالنامہ ص [2] الخلیطین۔ وھو ماء من نقیع التمر ونقیع الزبیب یخلطان فیطبخ بعد ذالک ادنی طبخۃ ہدایہ ص [3] فتح القدیر جلد ۹ ص ۲۹۔

بشرط ان یقذف بالزبد بعد الغلیان (ای علی بنفسہ لا بالنار) منقی کا کچا پانی جس میں جوش اگر تیزی پیدا ہو جائے اور جھاگ پھینک دے۔

ان خمور ثلثہ کے متعلق ائمہ احناف کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ اگرچہ حرام ہیں تاہم ان کی حرمت قطعی نہیں بلکہ ظنی و اجتہادی ہے۔ ہدایہ میں ہے:

"حرمۃ ھذہ الاشربۃ دون حرمۃ الخمر حتی لا یکفر مستحلھا و یکفر مستحل الخمر لان حرمتھا اجتہادیۃ و حرمۃ الخمر قطعیۃ ولا یجب الحد بشربھا حتی یسکر و یجب بشرب قطرۃ من الخمر و نجاستھا خفیفۃ فی روایۃ و غلیظۃ فی اخری و نجاسۃ الخمر غلیظۃ روایۃ واحدۃ و یجوز بیعھا و یضمن متلفھا عند ابی حنیفۃ خلافا لھما[1]"

الکوحل وغیرہ مذکورہ خمور ثلثہ سے بھی نہیں اس لئے کہ عصیر میں یہ شرط ہے کہ وہ پکنے میں دو تہائی سے کم تک جلا دیا گیا ہو۔ یعنی مخصوص درجہ حرارت ضروری ہے نیز اس کے لئے انگور ہونا ضروری ہے جبکہ الکوحل نہ تو انگور کے ساتھ مخصوص اور نہ ہی اسمیں مخصوص درجۂ حرارت کی قید۔ اور الکوحل نقیع التمر، نقیع الزبیب بھی نہیں اسلئے کہ ان دونوں میں علی حسب الترتیب کھجور یا منقی کا کچا پانی ہونا ضروری ہے۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ نقیع التمر اور نقیع الزبیب جبکہ یہ دونوں معمولی طور پر پکائے گئے ہوں تو ان کا استعمال جائز ہے تاسیس النظیر میں ہے۔

"قال ابو حنیفۃ و ابو یوسف فی قولہ الاخیر ان نقیع الزبیب و نقیع التمر اذا طبخ ادنی طبخۃ جاز شربھما للتداوی و لاستمراء الطعام و عند محـ[redacted]ـنا [redacted]یحل غرب[redacted]داوی واستمراء الطعام[2]"

الکوحل اور اسپرٹ وغیرہ مذکورہ بالا خمور ثلثہ سے بھی نہیں اس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ اعلیحضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے مسئلہ ثلثہ دائرہ کو شراب کی متفق علیہ قسموں سے شمار نہیں فرمایا بلکہ اسے مختلف فیہ مشروبات سے قرار دیا ہے جیسا کہ متعدد فتاوی سے عیاں ہے فرماتے ہیں:

"انگریزی تجزیوں میں عموماً اسپرٹ ہوتی ہے تو کھانے پینے کے سوا رنگنے وغیرہ میں جہاں خود اس کا چھونا لگانا پڑے وہ بھی ممنوع و ناجائز ہے۔ صرف کپڑوں میں فقیر کے نزدیک بوجہ عموم بلویٰ حکم طہارت ہے اخذا باصل المذہب[3]"

---

[1] ہدایہ ج ۴ ص ۴۹۵ [2] تاسیس النظیر ص ۲۳ [3] ہدایہ ج ۴ ص ۸۹۔

آخذاً بالاصل المذہب سے بالکل واضح ہے کہ آپ نے اسپرٹ وغیرہ کو مختلف فیہ مشروبات سے قرار دیا ہے۔ خمور اربعہ کے علاوہ بقیہ مشروبات کا حکم۔ اور مسئلہ دائرہ تمام شد۔

شراب کی چار قسموں کے علاوہ بقیہ مشروبات خواہ وہ انگور، کھجور کے ہوں یا گیہوں، جو، شہد وغیرہ کے۔ امام محمد کے نزدیک وہ بھی شراب اور ناپاک و حرام ہیں۔ اور فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے۔ ہدایہ میں جامع صغیر کے حوالہ سے ہے۔

وماسوی ذلک من الاشربۃ فلا باس بہ . . . . وھو نص علی ان ما یتخذ من الحنطۃ والشعیر والعسل والذرۃ حلال عند ابی حنیفۃ ولا یحد شاربہ عندہ وان سکر منہ وعن محمد انہ حرام [1]

فقہ کی بہت سی کتابوں میں اختلاف اور فرق احکام کی تصریح ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ والفتوی فی زماننا بقول محمد۔ تنویر الابصار میں ہے۔ وحرمھا محمد مطلقا وبہ یفتی۔ شامی میں ہے۔ الفتوی فی زماننا بقول محمد لغلبۃ الفساد۔ الکوحل اور اسپرٹ وغیرہ انھیں مشروبات سے ہیں جن کی حرمت و عدم حرمت سے متعلق ہمارے ائمہ کرام کا اختلاف ہے اور مسلک مفتی بہ جو مسلک امام محمد ہے اس کی رو سے اس کا استعمال ناجائز و حرام اور مثل پیشاب قطرہ قطرہ ناپاک و نجس نجاست غلیظہ ـــــ ان چیزوں کی آمیزش خواہ دواؤں میں ہو یا خوشبو رنگ۔ وارنش وغیرہ میں سب کا حکم قول مفتی بہ پر یہی ہے کہ یہ ناپاک و نجس اور حرام ہیں۔

الکوحل و اسپرٹ آمیز وغیرہ چیزوں میں امام احمد رضا قدس سرہٗ کا فتویٰ :

اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے الکوحل و اسپرٹ وغیرہ کو مفتی بہ قول پر خالص شراب قرار دیا ہے اور ان دواؤں یا چیزوں کو جن میں اس کی آمیزش ہو اس کے استعمال پر ناجائز و حرام کا فیصلہ صادر فرمایا ہے۔

فرماتے ہیں :

۔ اسپرٹ واقعی شراب بلکہ سب شرابوں سے تیز و تند ہے حتیٰ کہ اپنی تیزی کے سبب سم ہو گئی۔ مذہب معتمد مفتی بہ یہ ہے کہ ہر مائع مسکر کا ایک قطرہ بھی حرام اور نجس ہے لہذا اشیاء خوردنی نیز ادویہ میں اس کا استعمال مطلقاً حرام ہے [2]

۔ انگریزی دواؤں میں شراب پڑتی ہے جیسے ٹنکچر وہ مطلقاً ناجائز ہے [3]

اور فرماتے ہیں :

---

[1] ہدایہ اخیرین ص ۴۸۰ [2] یازدہم ص ۸ [3] ایضاً ص ۱۸۸

... انگریزی رقیق دوائیں جو ٹنچر کہلاتی ہیں ان میں عموماً اسپرٹ ہوتی ہے۔ اور اسپرٹ یقیناً شراب بلکہ شراب کی بدتر قسموں سے ہے وہ نجس ہے ان کو کھانا حرام لگانا حرام ہے [1]

فقہائے کرام نے مذہب شیخین کے خلاف امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک پر فتویٰ دیا یہ بطور سد ذرائع تمام تھا اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے مذہب شیخین پر بھی فتویٰ دیا۔ اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جہاں اعلیٰحضرت نے مختلف فیہ مشروبات سے متعلق فتویٰ عدم جواز دیا ہے، وہیں آپ نے اپنے عہد مبارک میں بوجہ ابتلائے عام بہ صرف گنجائش اور نرمی کا پہلو اپنایا بلکہ مذہب شیخین پر متعدد فتاوے صادر فرمائے۔ آپ سے سوال ہوا —— مصری ایک سپید رنگ کے کاغذ میں جس کی نسبت توی گمان ہے کہ پڑیا کے رنگ میں رنگا گیا ہے۔ بندھی ہوئی تھی اس کی سرخی فی الجملہ مصری میں آگئی۔ تو وہ مصری کھائی جائے یا نہیں؟ تو آپ نے یہ جواب ارقام فرمایا:

پڑیا کی نجاست پر فتویٰ دیئے جانے میں نظر کو گنجائش کلام ہے۔

ملخص جس کا یہ کہ پڑیا میں اسپرٹ کا ملنا اگر بطریق شرعی ثابت بھی ہو تو اس میں شک نہیں کہ ہندوں کو اس کی رنگت میں ابتلائے عام ہے اور عموم بلویٰ بہ نجاست متفق علیہا میں باعث تخفیف حتیٰ فی مورد النص القطعی کما صرح بہ غیر واحد من ائمۃ الاکابر کما حققہ المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر [1]

نہ کہ محل اختلاف میں جو زمانہ صحابہ سے عہد مجتہدین تک برابر اختلافی چلا آیا نہ کہ جہاں صاحب مذہب حضرت امام اعظم و ابو یوسف کا اصل مذہب طہارت ہو اور وہی امام ثالث امام محمد سے بھی ایک روایت اور اسی کو امام طحاوی وغیرہ ائمہ ترجیح و تصحیح نے مختار و مرجح رکھا ہو۔ نہ کہ ایسی حالت میں جہاں اس مصلحت کو دخل نہ ہو۔ جو متاخرین اصل فتویٰ اصل مذہب سے عدول اور روایت افرادِ امام محمد کے قبول پر باعث ہوئی نہ کہ جب مصلحت الٹی اس کے ترک اور اصل مذہب پر اقتصار کی موجب ہوتی تو ایسی جگہ بلاوجہ بلکہ برخلاف وجہ مذہب مہذب صاحب مذہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ترک کر کے مسلمانوں کو ضیق و حرج میں ڈالنا اور عامۂ مومنین و مومنات جمیع دیار و امصار ہندیہ کی نمازیں معاذ اللہ باطل اور انھیں آثم و مصر علی الکبیرہ قرار دینا روش فقہی سے کس قدر دور پڑتا ہے وباللہ التوفیق [2]

دوسرے فتوے میں آپ نے یہ فرمایا۔

---

[1] یازدہم ص ۸۸   [1] ردالمحتار جلد ۵ ص ۳۲۲

[2] فتاویٰ رضویہ جلد دوم ص ۵۹ باب الانجاس۔

"بادامی رنگ کی پڑیاں تو مفاسد تہیں اور رنگت کی پڑیا سے ورع کے لئے بچنا اولی ہے پھر بھی اس سے نماز نہ ہونے پر فتویٰ دینا آج کل سخت حرج کا باعث ہے۔ والحرج مدفوع بالنص و عموم البلوی من موجبات التخفیف لاسیما فی مسائل الطہارۃ والنجاسۃ لہٰذا اس مسئلہ میں مذہب حضرت امام اعظم و امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے عدول کی کوئی وجہ نہیں ہمارے ان اماموں کے مذہب پر پڑیا کی رنگت سے بلاشبہ نماز جائز ہے فقیر اس زمانے میں اسی پر فتویٰ دینا پسند کرتا ہے"[1]

عصری تقاضوں کے مطابق احکام شرع میں تبدیلی

اہل علم اچھی طرح جانتے ہیں کہ شریعت کے احکام عصری تقاضے وقت اور زمانے کے لحاظ سے تبدیل ہوتی رہتی ہے وکم من شئ یختلف باختلاف الزمان والمکان[2] مثلاً ظاہر مذہب یہ ہے کہ عورت اگر مرتد ہو جائے تو دونوں میں فوراً نکاح فسخ ہو جائے گا لیکن اب فتویٰ اس پر ہے کہ عورت اگر مرتد ہو جائے تو عقد نکاح برقرار رہے گا۔ نکاح سے خارج نہ ہوگی۔ اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں،

"اب فتویٰ اس پر ہے کہ مسلمان عورت معاذ اللہ مرتد ہو کر بھی نکاح سے نکل نہیں سکتی وہ بدستور اپنے شوہر کے نکاح میں ہے"[3]

ومن ذالک افتائی مرارا بعدم انفساخ نکاح امرأۃ مسلمۃ بارتدادھا لما رأیت من تجاسرھن مبادرۃ الی قطع العصمۃ کما بینتہ فی الیسر من فتاوانا وکم لہ من نظیر[4]

پہلے حکم یہ تھا کہ جس امام سے حقیقتاً سہو نہ ہوا ہو مگر اس نے سہو کے گمان سے سجدۂ سہو کر لیا ہو اور مسبوق جو اقتدا میں تھا اس نے بھی سجدہ کر لیا۔ پھر معلوم ہوا کہ حقیقتاً امام سے سہو نہیں ہوا تھا تو مسبوق کی نماز فاسد قرار پائے گی۔ اسلئے کہ امام کے سلام پھیرنے ہی سے مسبوق منفرد ہو گیا اور مقام اقتدا میں منفرد ہونا مفسد نماز ہے۔ در مختار میں ہے۔ ولو ظن الامام السہو فسجد لہ فتابعہ فبان ان لاسہو فالاشبہ الفساد لاقتدائہ فی موضع الانفراد[5] شامی میں ہے۔ الانفراد فی موضع الاقتداء مفسد کعکسہ[6]

لیکن بعد میں فقہائے متاخرین نے صحت نماز کا حکم دیا کیونکہ قرار حضرات میں مسائل شریعت میں

---

[1] فتاویٰ رضویہ ج ۲ ص ۱۸۰ تا ۱۸۱ [2] فتاویٰ عالمگیری ج ۳ ص ۹۵ [3] حاشیہ فتاویٰ رضویہ جلد اول ص ۳۰۷ رسالہ اجلی الاعلام [4] ایضاً [5] در مختار جلد اول ص ۳۰۲ [6] رد المحتار ج اول ص ۴۰۱

ناواقفی زیادہ غالب ہے اس لئے ایسی صورت حال میں نماز کے فاسد ہونے کا حکم دینا لوگوں کو حرج میں مبتلا کرنا ہے ۔ اور حرج مدفوع ہے ۔ شامی میں ہے ۔

«قوله فالاشبه الفساد وفی الفیض وقیل لا تفسد وبه یفتی وفی البحر عن الظهیریه قال الفقیه ابو اللیث فی زماننا لا تفسد لان الجهل فی القراء غالب[1] ۔

پہلے کے فقہاء کرام نے یہ حکم دیا تھا کہ مسجد یا اس کے مال واسباب کو دوسری مسجد میں منتقل کرنا جائز نہیں نہ تملیکاً نہ عاریۃً اگرچہ مسجد ویران ہو چکی ہو ۔ جیسا کہ شامی میں ہے ۔ مگر بعد کے فقہائے کرام نے حالات زمانہ کی رعایت کرکے اصل مذہب کے برخلاف بوجہ ویرانی مسجد ایک مسجد کے سامان کو دوسری مسجد میں منتقل کرنے کی اجازت دیدی خود مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں :

« جو مسجد ویران ہو چکی ہو اس کی آبادی کی کوئی صورت نہ ہو اور اس کے آلات کی حفاظت نہ ہو سکے تو اب فتویٰ اس پر ہے کہ اس کے کڑی تختے وغیرہ دوسری مسجد میں دیئے جا سکتے ہیں »[2]

ابتلائے عام اور احکام شرع میں تبدیلی

مسائل شرعیہ کی تبدیلی کے اسباب میں سے ایک سبب دفع حرج وابتلائے عام بھی ایک سبب ہے جسے اصطلاح میں عموم بلویٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کی بنیاد پر بھی احکام میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے ۔ جس کی صدہا نظیریں کتب فقہ میں موجود ہیں ۔

اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں :

« چھ باتیں ہیں جن کے سبب قول امام بدل جاتا ہے لہذا قول ظاہر کے خلاف عمل ہوتا ہے وہ چھ باتیں یہ ہیں (۱) ضرورت (۲) دفع حرج (۳) عرف (۴) تعامل (۵) دینی ضروری مصلحت کی تحصیل (۶) کسی فساد موجود یا مظنون بظن غالب کا ازالہ »

اسباب ستہ مذکورہ میں سے ایک سبب تعامل جسے عموم بلویٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے جو احکام میں تخفیف یا تبدیل کا باعث بنتے ہیں ۔ عموم بلویٰ کی تعریف کثیر کتب فقہ کی طرف مراجعت کے باوجود دستیاب نہ ہو سکی البتہ اس سے متعلق فقہائے کرام کی کچھ عبارتوں سے عموم بلویٰ کا مفہوم مستفاد ہوتا ہے ۔

عموم بلویٰ ۔ وہ امر عام جس کا رواج بہت سے شہروں میں اس طرح ہو گیا ہو کہ عوام وخواص سبھی مبتلا ہو گئے ہوں اور جس سے بچنا دشوار و حرج و دشواری کا باعث ہو ۔

---

[1] رد المحتار جلد اول ص ۴۲۳   [2] حاشیہ فتاویٰ رضویہ جلد اول ص ۳۰۴

مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

بالجملہ حد التحقیق اس مسئلے میں سوا حکم اباحت کے کوئی راہ نہیں ہے خصوصاً اس حالت میں جبکہ دفع با ستر قادر با تمام سرزمین بلاد و بقاع تمام دنیا کو اس سے ابتلاء ہے تو عدم جواز کا حکم دینا عامہ امت مرحومہ کو معاذ اللہ فاسق بنانا ہے جسے ملت حنفیہ سمحہ سہلہ غرا بیضا ہرگز گوارا نہیں فرماتی۔ اسی میں ہے:

فی الافتاء دفع الحرج عن المسلمین فان اکثرھم مبتلون تناولہ ؎

امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنے عہد میں جب کچھ چیزوں کے بارے میں عموم بلویٰ ملاحظ فرمایا تو آپ نے اس ابتلائے عام کی بنیاد پر حکم جواز صادر فرمایا جیسا کہ متعدد نظائر پیش کئے گئے۔

عصر حاضر میں ابتلائے عام کی بنیاد پر حکم جواز دینا مشائخ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں

اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنے عہد میں جب رنگین کپڑوں میں ابتلائے عام ملاحظہ فرمایا تو آپ نے جواز کا حکم صادر فرمایا۔ اس سے واضح ہے کہ اگر آپ اپنے عہد میں دواؤں میں بھی ابتلائے عام ہو گیا ہوتا تو آپ یقیناً رنگین کپڑوں کی طرح اس میں جواز ہی حکم دیتے یا آج کے عہد میں آپ تشریف فرما ہوتے تو بھی آپ ابتلائے عام کا لحاظ کرتے۔

شرح عقود رسم المفتی میں ہے:

قلت لکن ربما عدلوا عما اتفق علیہ ائمتنا للضرورۃ ونحوھا کما مر فی مسئلۃ الاستیجار علی تعلیم القرآن ونحوہ من الطاعات التی فی متروک الاستیجار علیہا ضیاع الدین۔ اسی میں ہے۔ فھذا ما افتی بہ المتاخرون عن ابی حنیفۃ واصحابہ لعلمھم بان ابا حنیفۃ واصحابہ لو کانوا فی عصرھم لقالوا بہ لذلک ورجعوا عن قولھم الاول ——— نیز اسی میں ہے: وعلم انہ لو کان ابو حنیفۃ رای ما راوا لافتی بہ۔

مسئلہ دائرہ میں مذہب شیخین پر عمل ہونا چاہیے

اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنے عہد میں جب رنگین کپڑوں میں ابتلائے عام ملاحظہ فرمایا تو آپ نے جواز کا حکم صادر فرمایا۔ اس سے واضح ہے کہ اگر آپ اپنے عہد میں دواؤں میں بھی ابتلائے عام کو دیکھا ہوتا تو آپ یقیناً رنگین کپڑوں کی طرح اس میں جواز ہی حکم دیتے یا آج کے عہد میں

؎ فتاویٰ رضویہ جلد دہم ص ۱۴۔

آپ تشریف فرما ہوتے تو بھی آپ ابتلائے عام کا لحاظ کرتے۔

شرح عقود رسم المفتی میں ہے:

قلت لکن ربما عدلوا عما اتفق علیہ ائمتنا لضرورۃ ونحوھا کما مر فی مسئلۃ الاستئجار علی تعلیم القرآن ونحوہ من الطاعات التی فی ترک الاستئجار علیھا ضیاع الدین۔ اسی میں ہے۔ فھذا اما التی بہ المتاخرون عن ابی حنیفۃ واصحابہ لعلمھم بان اباحنیفۃ واصحابہ لو کانوا فی عصرھم لقالوا بذلک ولرجعوا عن قولھم الاول۔ نیز اسی میں ہے: وعلم انہ لو کان ابوحنیفۃ رأی ما رأوا لافتی بہ۔

مسئلہ دائرہ میں مذہب شیخین پر عمل ہونا چاہئے

دور حاضر میں اسپرٹ اور الکوحل آمیز مروجہ ادویہ کے استعمال پر تو بیرون ہندوستان بلکہ پوری دنیا میں جو ابتلائے عام ہے وہ محتاج بیان نہیں اور نہ ہی اس کے ثبوت پر زیادہ کلام کی ضرورت ہے — عوام تو عوام علماء بلکہ ان میں متقین بھی ان دواؤں کے استعمال میں شدید مبتلاء ہیں۔ بلکہ اب صورت حال یہ ہے کہ اگر استعمال نہ کیا جائے تو سخت دشواری اور تنگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسلئے ضرورت ہے کہ مذہب شیخین پر عمل کرکے جواز استعمال کا حکم دیا جائے جیسا کہ اعلیٰحضرت نے اسی ابتلاء کی بنیاد پر رنگین کپڑوں میں جواز کا حکم صادر فرما کر مذہب شیخین پر عمل فرمایا ہے بلکہ اس کی قوت وصلابت پر یہ روشنی ڈالی ہے۔

یہ سب بربنائے مذہب مفتی بہ تھا اور اصل مذہب کہ شیخین مذہب کا قول ہے اعنی طہارۃ المثلث یعنی والمطبوخ التمری والزبیبی وسائر الاشربۃ عن غیر الکرم والنخلۃ مطلقا وحلھا کلھا دون حد الاسکار۔ حاشا یہ قول بھی ساقط و باطل نہیں بلکہ بہت باقوت خود اصل مذہب یہی ہے اور یہی جمہور صحابہ کرام حتی کہ حضرت اصحاب بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے — یہی قول امام اعظم ہے۔ عامہ متون مذہب مثل مختصر قدوری و ہدایہ وقایہ نقایہ وکنز وغرر و اصلاح وغیرہا میں اسی پر جزم و اقتصار کیا۔ اکابر ائمہ ترجیح و تصحیح مثل امام اجل ابوجعفر طحاوی و امام اجل ابوالحسن کرخی و امام شیخ الاسلام ابوبکر خواہر زادہ و امام اجل قاضی خان و امام اجل صاحب ہدایہ رحمہم اللہ عنہم نے اسی کو راجح و مختار رکھا بلکہ خود امام محمد نے کتاب الآثار میں اسی پر فتویٰ دیا اسی کو مذہب قرار دیا علمائے مذہب نے بہت سی کتب معتمدہ میں اسی کی تصحیح فرمائی یہاں تک کہ الفاظ التوجیح علیہ الفتوی سے بھی تذئیل آئی۔ (فتاویٰ رضویہ یازدہم ص۳۳ رسالۃ الفقہ التسجیلی)

اور جب عموم بلویٰ کے پیش نظر قول امام بدل جاتا ہے اور کے خلاف فتویٰ ہوتا ہے۔ تو ایسی صورت میں کہ جب اصل مذہب ہی وجہ مذکور کی بنیاد پر عمل کرنا ہو تو بدرجہ اولیٰ یہاں عمل ہونا چاہیے۔ اور یہ مشائخ کرام اور فقہاء عظام کے تنظریات اور ان کے تصریحات کے معارض بھی نہیں۔ اس لئے کہ یہ انھیں کلیات پر عمل کرنا ہے۔ جو فقہاء کے یہاں مسلم ہیں جیسے دفع حرج کا ضابطہ کہ یہ باعث تخفیف حکم ہے۔ مثلاً نجس کنویں کے پاک ہو جانے سے ڈول رسی اور پانی نکالنے والے کے ہاتھ کی طہارت کا حکم دینا کہ یہ بھی دفع حرج کے پیش نظر ہے۔ حاشیہ نور الایضاح میں ہے۔

لان نجاسة هذه الاشياء كانت بنجاسة الماء تتكون طهارتها بطهارته نفيا للحرج ؎

اسلئے کہ اب یہ ضابطہ جہاں کہیں ہوگا وہ باعث تخفیف حکم بنے گا۔

الکوحل آمیز دوسری چیزوں کا حکم اور یہ کے علاوہ وہ چیزیں جن میں الکحل وغیرہ کی آمیزش ہوتی ہے ان میں اگر واقعی ابتلائے عام ہے تو ان میں بھی حکم جواز ہونا چاہیے۔ لیکن ان میں ابتلائے عام کا کافی غور و خوض کے بعد کرنا چاہئے کیونکہ اسمیں وہ حرج نہیں لازم آتا۔ جو تنگی و دشواری کا باعث بنے۔ مثلاً دیوار، الماری، کرسی وغیرہ اسکا استعمال بطور زینت بھی ہوتا ہے۔

اعلیحضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاوے کا مجموعہ
فتاویٰ رضویہ
حصہ دوئم | سوئم | دہم
فقہ کا انسائیکلوپیڈیا
اہلسنت کا عظیم شاہکار
برکاتی پبلشرز
پہلی منزل، نیک محمد بلڈنگ چھاگلہ اسٹریٹ کھارادر کراچی۔

مولانا شمس الہدیٰ صاحب
استاذ اشرفیہ مبارک پور

جواز بشرائط

الکحل

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ وعلیٰ آلہ واصحابہ اولی الصدق والصفا۔

امابعد ــــــــ دور حاضر میں دواؤں کا بازار اتنا گرم ہے کہ دنیا کا کوئی گوشہ بھی اس کی بھیڑ بھاڑ سے خالی نہیں اور لوگ اپنی ہر شفا اسی بازار میں تلاش کرتے ہیں معمولی سی تکلیف ہوئی ڈاکٹروں، طبیبوں کے دروازے کا دستک دینے لگتے ہیں اور انھیں اپنا مرشد تصور کرتے ہیں کہ اگر وہ کہہ دے فلاں چیز استعمال کرو تو ہم حلال وحرام کی تمیز کئے بغیر اس پر اندھا دھند ٹوٹ پڑتے ہیں اور اگر ان کی زبان سے نکل گیا کہ فلاں فلاں شئی سے پرہیز کرو تو بلا سوچے سمجھے فرائض وواجبات تک سے رخ موڑ لیا کرتے ہیں۔

ہماری شریعت طاہرہ جن سہل ترین علاجوں کو پیش فرماتی ہے ہم اس سے یکسر غافل رہتے ہیں۔ شہد کا اس کے بارے میں ارشاد ہوا ہے۔ فیہ شفاء للناس۔ اور کلونجی جس کے سلسلہ میں فرمایا گیا۔ ۔ علیکم بھذہ الحبیبۃ السوداء ۔ (بخاری ج ۲ باب طب) وضو کے بچے پانی پینے سے ستر مرض سے شفاء ہے۔ (فتاویٰ رضویہ) مسواک کرنے میں ستر فوائد اور بہت سی بیماریوں کا درماں مضمر ہے (شامی) وغیرہ وغیرہ طب نبوی سے استفادہ مومنوں ہی کی شان ہے۔

الکحل، اسپرٹ، ٹنکچر یا ان جیسی کسی اور نشہ آور سے آمیز دواؤں کی حلت اور حرمت کا مسئلہ ان کے شراب یا نوع شراب سے ہونے پر دائر ہے لہٰذا ہم اولاً شراب سے متعلق کچھ کلام کریں گے پھر الکحل وغیرہ کا جائزہ مستقل نقطۂ نظر سے لیں گے۔

ہر نشہ آور خمر وشراب ہے

خمر: ہر نشہ آور رقیق کو کہتے ہیں اور مذہب مہذب اسلام ہر ایک کی حرمت کا اعلان کرتا ہے۔ حسب ذیل دس دلائل اس مدعیٰ کے ثبوت کے لیے کافی ہیں۔

۱ ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے خلیفہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو لغت عرب کے نہ صرف ماہر اور عالم شریعت تھے بلکہ محرم اسرار شریعت اور افصح عرب سے تھے جن کا اکثر مشورہ وحی الٰہی کے مطابق ہوا کرتا تھا وہ مسجد نبوی میں منبر رسول پر کھڑے ہو کر اعلان فرماتے ہیں۔ والخمر ما خامر العقل ، رواہ الشیخان فی صحیحیہما۔ (فتح الباری ج ۱۰ ، کتاب الاشربہ ، تفسیر قرطبی ج ۶ مائدہ ص ۲۹۲ ، قمر الاقمار شرح نور الانوار ص ۱۰۳)

۲ ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ خطبہ مجمع صحابہ میں دیا جو اہل لسان تھے سب نے خمر کا یہی مطلب سمجھا کسی نے انکار نہ کیا لہٰذا اجماع صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم سے بھی خمر کا معنی عام ہی جانا گیا۔
(الجامع لاحکام القرآن ج ۶ مائدہ ص ۲۹۲ ۔ فتح الباری ج ۱۰ ص ۳۳)

۳ ۔ جب آیت تحریم خمر نازل ہوئی تو اس وقت مدینہ طیبہ میں پانچ چیزوں کی شراب موجود تھی ، انگور چھوہارا ، شہد ، گیہوں ، جو ، اور امام بخاری کی تحقیق میں جب تحریم خمر کا نزول ہوا تو مدینہ شریف میں شراب انگور تھی ہی نہیں یا بہت کم پائی جاتی تھی اخرجہ البخاری من حدیث ابن عمر۔ (قرطبی ج ۶ ، ہدایہ باب الاشربہ ، فتح الباری ج ۱۰ ص ۳۵ ۔)

اس آیت سے سارے اصحاب رسول نے ہر مسکر کی حرمت سمجھی اور اس میں انھیں کوئی تردد نہ رہا حالانکہ قرآن پاک انھیں کے لغت میں نازل ہوا ہے ، حرمت پر ہر قسم کی شراب مدینہ کی گلیوں میں بہنے لگی اگر معنی عام نہ سمجھا گیا ہوتا تو یوں بے دریغ تضییع مال نہ کرتے ۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۳۴) بلکہ حضرت انس کا صریح ارشاد ہے ۔ إنا نعدها يومئذ للخمر ، ہم ان سب کو خمر ہی شمار کرتے ہیں ۔
(بخاری ج ۲ ص ۸۳۶ ، فتح الباری ج ۱۰ ص ۳۹)

کسی استثنا کا ذکر کہیں نہیں ملتا اسی لئے بلند پایہ مفسر حضرت ابو عبد اللہ قرطبی فرماتے ہیں :
واذا ثبت هذا ابطل مذهب ابی حنیفة والكوفيين القائلين بان الخمر لا تكون الا من العنب وما كان من غيره لا يسمى خمرا ولا يتناوله اسم الخمر وانما يسمى نبيذا ۔ (قرطبی ج ۶ ص ۲۹۳)
(وانا اقول لا عزلية فان المجتهد قد يخطئ ويصيب)

تقریر ترمذی مکی میں ہے ۔ يؤيده بعض آثار الصحابة ابا حنيفة رحمهم الله الا ان كثرة الروايات والتوى الصريحة يدل على عموم الحرمة فلذا افتى المتأخرون على قولهما خصوصا في زماننا ۔

۴ ۔ کثیر احادیث کریمہ بھی اسی معنی عموم پر دال ہیں ۔ جس ذات بابرکات پر قرآن نازل ہوا ان سے زیادہ معنی قرآن کو کون سمجھ سکتا ہے ۔ ان کا ارشاد ہے : كل مسكر خمر وكل خمر حرام ، (رواہ ابن عمر وعائشہ رضی اللہ عنہم)

وقال الامام الترمذی حدیث حسن صحیح • بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی بحوالہ الخمر ص۱۱۲ وروح المعانی ج ۲ ص۱۱۲
احمد، ابن حبان، دارقطنی بحوالہ درایہ، بنایہ ج ۴) اسی روایت میں یہ بھی ملتا ہے کہ حضور اقدس نے یہ کلمہ شراب شہد اور شراب جو کے بارے میں سوال کرنے پر فرمایا تھا۔ اس میں حضور سے جنس شراب کے متعلق سوال تھا نہ قدر مسکر سے کیونکہ اگر مقدار مسکر کا سوال ہوتا تو یوں ہوتا۔ اخبرنی عما یحل منه وما یحرم۔ جیسا کہ زبان عربی سے واقف پر مخفی نہیں ہے۔ (فتح ج ۱۰ ص۴۲) گو اس سند میں یحیی بن معین بھی ہیں جن پر بعض فقہاء کو کلام ہے مگر تمام ائمہ حدیث ان کے ثقہ ہونے پر متفق ہیں حتی کہ امام احمد بن حنبل ان کے سلسلہ میں فرماتے ہیں • کل حدیث لا یعرفه یحیی بن معین فهو لیس بحدیث (بنایہ ج ۴) اور امام زیلعی (جن کے بارے میں کہا جاتا ہے ہو اکثرهم اطلاعا) کا کہنا ہے کہ یحیی بن معین پر طعن مجھے کسی حدیث کی کتاب میں نہ ملا۔ (درایہ، فتح ۱۰ ص۴۴)

۲ عن ابن عباس عن النبی صلی الله علیه وسلم قال کل مخمر خمر وکل مسکر حرام (ابوداؤد بحوالہ الخمر)

۳ عن قیس بن سعد بن عبادة قال سمعت رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم یقول۔ الا کل مسکر خمر وکل خمر حرام وایاکم والغبیراء (هی تعمل من الذرة) (مسند احمد، ابویعلی، بحوالہ الخمر ص۲۰)

۴ عن ابی هریرة قال النبی صلی الله تعالی علیه وسلم۔ الخمر من هاتین الشجرتین واشار الی الکرمة والنخلة۔ (مسلم، سنن اربعہ بحوالہ درایہ)

۵ عن النعمان بن بشیر حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا انگور، چھوہارا، شہد، گیہوں، جو سب سے خمر تیار ہوتی ہے میں تمہیں ہر نشہ آور سے منع کرتا ہوں۔ (احمد، ابوداؤد، دارقطنی، حاکم، ابن حبان وصححه من وجهین بحوالہ فتح ج ۱۰)

۶ قال مختار بن فلفل قلت لانس الخمر من العنب او من غیرها؟ قال ما خمرت من ذالک فهو الخمر، (اخرجه ابن ابی شیبة بسند صحیح بحوالہ فتح ج ۱۰ ص۴۲)

۷ عن جابر عن النبی علیه الصلوٰۃ والسلام قال الزبیب والتمر هو الخمر، (نسائی بحوالہ قرطبی ج ۶ ص۲۹۳)

۸ تمام مفسرین تحریم خمر کی آیتوں میں سورۂ نساء کی یہ آیت۔ لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاری بھی پیش کرتے ہیں اور اس میں لفظ سکر سے حالت نماز میں خمر کی حرمت بیان کی گئی معلوم ہوا کہ اصل بنیاد حرمت سکر ہے اور اس آیت کریمہ میں کسی نوع شراب کی تخصیص نہیں لہذا انگوری شراب ہو یا غیر انگوری ہو ان کے درمیان حکم میں تفریق کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ (الخمر ص۲۵)

اسی طرح اس آیت مبارکہ۔ یتخذون منه سکرا ورزقا حسنا۔ کے تحت حضرت ابن عمر اور رئیس الفقہاء

عبداللہ بن مسعود (جو ہمارے سلسلہ فقہ کے جد امجد ہیں) وغیرہ کی روایت ملتی ہے۔ السکر خمر۔ (بنایہ ج ۴ ص ۴۴۲)

۲۔ اکثر علماء لغت بھی ہر مسکر کو خمر کہتے ہیں مثل ابن اعرابی، ابو نصر جوہری، ابو نصر بن قشیری، ابو حنیفہ دینوری۔ امام راغب فی مفردات القرآن۔ وغیرہم ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ بلکہ جماہیر سلف و خلف سب کا یہی مذہب ہے جیسا کہ شیخ محقق دہلوی نے لمعات میں تصریح کی ہے۔

(القمر ص ۳، فتح ج ۱۰ ص ۳۲، بنایہ ج ۴ ص ۴۴۲، حاشیہ ترمذی ج ۲ ص ۱۰)

۳۔ قمر الاقمار شرح نور الانوار ص ۱۲۳ میں مولانا عبد الحلیم لکھنوی رقم طراز ہیں کہ لفظ خمر یا تو ہر نشہ آور کے لئے موضوع ہے یا آیت قرآن میں بطور عموم مجاز خمر سے مراد ہر نشہ والی چیز ہے۔

۴۔ علامہ سید شہاب الدین آلوسی نے اپنی تفسیر روح المعانی ج ۲ ص ۱۱۱ میں اس قول کی وضاحت یوں فرمائی ہے کہ لغت عرب میں در حقیقت خمر انگور کے نشہ آور کچے پانی کو کہتے ہیں اور اس کے علاوہ میں خمر کا استعمال مجاز ہے لیکن شارع نے ہر نشے کی چیز میں اسے حقیقت کر دیا ہے لہذا لفظ خمر ہر مسکر میں بطور حقیقت شرعیہ ہے جیسے صوم و صلوٰۃ اپنے معنی معروف میں حقیقت شرعیہ ہے وھی مقدمۃ علی الحقیقۃ اللغویۃ لان الحکم انما یتعلق بالاسم الشرعی دون اللغوی۔ (فتح ج ۱۰ ص ۲۹-۳۱)

اور فتح القدیر میں ہے۔ الاصل ان یعتبر فی الاسماء الشرعیۃ ما تنبیء عنہ من المعانی (ج ۹ باب تحریم)

تقریر ترمذی میں ہے کہ ہر مسکر لغۃً نہ بھی لیکن حکماً خمر ہی ہے۔

۹۔ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ مائعات مسکرہ سب شراب ہیں۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۱ ص ۸۶)

ایک مقام پر فرماتے ہیں۔ اسپار تو یہی روح النبیذ خمر قطعاً بل من اخبث الخمور فھی حرام و رجس۔ نجس نجاسۃ غلیظۃ کالبول (فتاویٰ رضویہ ج ۲ ص ۱۲۰) واضح رہے کہ اسپرٹ صرف آب انگور سے ہی تیار نہیں ہوتی بلکہ گڑ، شکر، آب سیب وغیرہ مختلف اشیاء سے بنائی جاتی ہے۔

۱۰۔ امام بخاری اور امام ترمذی وغیرہما محدثین رحمہم اللہ نے ایسا ایسا باب قائم کیا ہے جس سے خمر کا معنی یوں ظاہر ہے باب ماجاء فی الحبوب التی یتخذ منہا الخمر۔ باب ماجاء فی ان الخمر ما خامر العقل من الشراب۔

ہر مسکر سیال قلیل ہو یا کثیر سب حرام و نجس ہیں

یہی مسلک حضرت عمر، علی، سیدنا ابن مسعود، ابن عباس، ابن عمر، ابو ہریرہ، ابو موسیٰ اشعری، سعد بن ابی وقاص، ابی بن کعب، انس، عائشہ، عطاء، طاؤس، سعید بن مسیب، سعید بن جبیر، مجاہد، حسن

قاسم، قتادہ، عروۃ، عمر بن عبد العزیز، مالک، شافعی، اوزاعی، احمد، ثوری، ابو ثور، ابو عبید، اسحاق، ابن مبارک، وغیرہ ائمہ دین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کا ہے۔ (المغنی ج ۸ ص ۳۰۵، فتح ج ۱۰ ص ۲۹)

اس باب میں احادیث کریمہ بکثرت وارد ہیں۔

۱۔ ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ سرکار دوجہاں نے فرمایا:

کل شراب اسکر فھو حرام۔ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، مسند طیالسی، مالک، اہل السنن، ترمذی)

۲۔ ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام۔ (رواہ جابر، عمرو بن شعیب، ابن عمر، نسائی، ابن ماجہ، عبد الرزاق، حاکم، طبرانی، دارمی، ابوداؤد، احمد، دارقطنی، بحر۔

۳۔ عن سعد بن ابی وقاص عن النبی قال: انھاکم عن قلیل ما اسکر کثیرہ۔ اخرجہ ابن حبان والطحاوی وقال بصحتہ۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۴۳)

۴۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے سرکار سے شراب شہد اور شراب جَو کے بارے میں دریافت کیا تو صاحب جوامع الکلم نے ارشاد فرمایا۔ کل مسکر حرام۔ (بخاری، مسلم، نسائی، ابوداؤد، احمد، دارمی، ترمذی وقال حدیث حسن صحیح۔ الخمر ص ۱۳ کذا رواہ ابن عباس وابن مسعود وابن عمر وعمر وعلی کثیر من اجلۃ الاصحاب۔)

۵۔ عن النعمان بن بشیر بسند حسن۔ انی انھاکم عن کل مسکر۔ (ابوداؤد بحوالہ فتح ج ۱۰ ص ۴۳)

۶۔ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول کل مسکر حرام وقال وما اسکر منہ الفرق فملء الکف منہ حرام۔ (ابوداؤد، ترمذی)

۷۔ ما اسکر الجرۃ منہ فالجرعۃ منہ حرام۔ (ھدایہ ج ۴ اشربہ حدیث مفھوماً)

۸۔ جمہور علماء سلف وخلف کا یہی مذہب ہے کہ ہر شراب جس کی نوع نشہ لائے اس کا پینا حرام ہے قلیل ہو یا کثیر، کچا ہو یا پکا، کوئی امتیاز نہیں کہ وہ انگور سے کشید کیا گیا ہو یا غیر انگور سے حکم سب کا ایک ہے۔ (قرطبی ج ۶ ص ۲۹۵)

والی ذالک ذھب جمھور العلماء من الصحابۃ والتابعین۔ (فتح ج ۱۰ ص ۳۵)

۹۔ کل مسکر خمر وکل خمر حرام والی حدیث بھی اپنے اطلاق میں قلیل اور کثیر سب کو شامل ہے۔ (مغنی ج ۸ ص ۳۰۵)

۱۰۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بھی کل مسکر حرام کا یہی مطلب تحریر فرمایا کہ جس میں بھی صلاحیت اسکار ہو اس کا پینا کھانا حرام گو کہ جو مقدار لی جارہی ہے اس سے نشہ پیدا نہ ہوا۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۳۵، الخمر ص ۱۴، حاشیہ بخاری ج ۲)

حاشیہ بخاری میں ہے۔ "ان التحریم لا یتعلق بعین الخمر المعروفۃ عندھم بل کل ما اسکر فھو حرام۔" نیز یہی مفہوم ظاہر حدیث سے بھی نمایاں ہے لہٰذا النصوص صریحہ کے ہوتے ہوئے قیاس بے معنی ہی رہتا ہے اور کسی تاویل کی کوئی ضرورت نہیں مطلقاً حرمت جیسا کہ وضاحت کی جا چکی تمام صحابہ کے نزدیک مسلم ہے۔

انگور کے کچے نشہ آور پانی کو صرف حرمت مقدار قلیل وکثیر والی حدیث کا محل ٹھہرانا تخصیص بلا مخصص ہے اور نص قرآنی مطلق کو بلا وجہ مقید کرنا ہے۔ پھر اس کی وجہ بتانا تعجب خیز ہے کہ صرف انگور کے پانی میں خصوصیت ہے کہ اس کا قلیل، کثیر کا داعی ہے اس لئے اس کے قلیل میں بھی حکم حرمت ہے یا یہ کہنا کہ اس کی حرمت کا حکم مطلق تعبدًا ہے۔

کیونکہ یہ وجہ تو تمام مشروبات مسکرہ بلکہ غیر مسکرہ بلکہ ماکولات میں بھی پائی جاتی ہے یہ تو ایک عادت کی بات ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۶ ص ۲۹۵)

بعض نے حکم کی اس خصوصیت پر خبر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حجت بنایا یعنی ۔ حرمت الخمرۃ لعینھا والسکر من کل شراب۔

یہ استدلال خوب نہیں لگتا اولاً اس لئے کہ اس حدیث کی صحت محدثین کے نزدیک محل نظر ہے۔ ثانیاً اس وجہ سے کہ امام احمد کی روایت میں السکر کے بجائے المسکر مروی ہے لہٰذا یہ مفہوم اسی حدیث کا ہوا جو اوپر گذری یعنی کل مسکر حرام۔ اور احادیث کثیرہ صحیحہ سے جو اس خبر ابن عباس رضی اللہ عنہ کا تعارض تھا وہ بھی اس تقدیر پر منتفی ہو گیا۔ (مغنی ج ۸ ص ۳۰۵ ، فتح ج ۱۰ ص ۴۳)

لہٰذا اس حکم کی کوئی وجہ قوی نہیں کہ انگوری شراب کے علاوہ میں مقدار قلیل جو حد سکر بالفعل تک نہ پہنچے ہو حلال ہے کیونکہ ظاہر حدیث اس حکم سے آبی ہے اور اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو پھر اختلاف طبائع کی بنا پر مقدار کثیر کی بھی حلت ماننی پڑے گی۔ اس کے مقدار مسکر کا اندازہ کیونکر ہو گا۔ اور کس طبیعت کے لئے کیا مقدار نشہ لاتی ہے اور کیا مقدار نشہ نہیں لاتی۔ اس کا تعین بلا چکھے کیسے ہو گا۔ اس سے حکم حرمت بے اثر ہو کر رہ جائیگا اس کی اہمیت دلوں سے اٹھ جائے گی۔ بلکہ تمام مسکرات و مخدرات کا بازار گرم ہو جائے گا۔ امت مسلمہ شدید فتنہ میں پڑ جائے گی۔

لوگوں میں طرح طرح کے حیلوں سے شراب نوشی عام ہو جائے گی، عوام کالانعام وہ تو ذرا سا بھی نرم پہلو پا گئے تو ان کی ساری مشکل آسانی میں تبدیل ہو گئی، خوئے بد را بہانے بسیار۔

حدیث پاک میں ہے میری امت کے بعض لوگ شراب کا نام تبدیل کر کے اسے پئیں گے۔ یہ بھی ارشاد ہے کہ شراب نوشی کا عام ہونا آثار قیامت سے ہے۔ (بخاری ج ۲ ص ۸۳۷ ، فتاویٰ رضویہ ص ۵۶)

لہٰذا علمائے امت اور مفتیان کرام کو ان گوناگوں تباہیوں اور ہلاکتوں کے پیش نظر اس باب میں کوئی لچک یا نرم گوشہ اختیار کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ امام احمد بن حنبل جو بہت بلند پایہ محدث اور عظیم نقاد اور مجتہد کامل ہیں فرماتے ہیں: لیس فی الرخصة فی المسکر حدیث صحیح۔ مسکر کی رخصت میں کوئی ایک بھی حدیث صحیح نہیں ہے۔ یہی قول حضرت عبد اللہ بن مبارک کا بھی ہے۔

(مغنی ج ۸ ص ۳۰۶۔ فتح ج ۱۰ ص ۴۳)

اور احمد بن قاسم کا فرمانا ہے کہ میں نے ابو عبد اللہ کو فرماتے سنا ہے کہ ہر ایک نوع کی مسکرات کی تحریم میں نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بیس طرق سے احادیث مروی ہیں۔ (مغنی ج ۸ ص ۳۰۵)

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کا فتویٰ

جو بہتی چیز نشہ رکھتی ہو مذہب صحیح میں اس کا قطرہ قطرہ نہ صرف حرام بلکہ نجس بھی ہے۔ ھٰذا ھو قول محمد وھو الصحیح وعلیہ الفتویٰ۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۱ ص ۸۲)

قول منصور۔ مختار میں تاڑی وغیرہ ہر مسکر پانی کا قطرہ قطرہ مثل شراب حرام و ناروا ہے اور نہ صرف حرام بلکہ پیشاب کی طرح مطلقاً نجاست غلیظہ ہے یہی مذہب معتمد اور اسی پر فتویٰ ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۱ ص ۸۴)

ایک مقام پر آپ نے ذرا تفصیل سے کلام فرمایا، صحیح یہ ہے کہ مائعات مسکرہ یعنی جتنی پتلی بہتی رقیق و سیال ہو کر نشہ لاتی ہیں خواہ وہ مہوہ سے بنائی جائیں یا گڑ یا اناج یا لکڑی یا کسی بلا سے وہ شراب ہیں ان کا ہر قطرہ حرام بھی اور پیشاب کی طرح نجس و ناپاک بھی اور ان سے نشے میں شراب کی طرح حد بھی ہے اور صحیح یہ ہے کہ دوا میں بھی ان کا استعمال حرام ہی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۱ ص ۸۵)

شراب اور شرابی

شراب ایسی بدترین لعنت ہے کہ انسان جو اشرف المخلوقات ہے جسے تاج کرامت سے سرفراز فرمایا گیا جس کی فضیلت پر فرشتے رشک کریں، جب وہ شراب کا جام ہاتھ میں تھام لیتا ہے، اسے اپنے پاکیزہ منہ سے لگا لیتا ہے بلکہ مجلس شراب میں بیٹھ جانے سے بھی وہ نہ صرف نگاہ شریعت میں خوار و ذلیل ہو جاتا ہے بلکہ سماج کی نظر سے بھی اتر جاتا ہے، قعر ذلت و رسوائی میں جا گرتا ہے۔

ابن ابی دنیا کا بیان ہے کہ ایک شرابی پر میرا گذر ہوا دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھ پر پیشاب کر کے وضو کی طرح اپنے چہرے وغیرہ کو دھو رہا ہے اور کہتا ہے: الحمد للہ الذی جعل الاسلام نورًا والماء طھورًا

(روح المعانی ج ۷ ص ۱۱۳)

حکایت ہے کہ ایک شخص نے شراب پی لی اس کی عقل ماؤف ہو گئی ایک دیوانہ کو شراب نوشی کیلئے بلایا

دیوانے نے کہا تم نے تو میری طرح ہونے کے لیے شراب پی ہے اب میں کس کی طرح ہونے کے لئے اسے پیوؤں؟ (الخمر ص۲۲)

شرابی کو سلام کرنا اور اس کی عیادت کو جانے تک کی ممانعت احادیث مبارکہ میں ملتی ہے۔ تفصیل کے لیے "الادب المفرد للامام البخاری" وغیرہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ (الخمر ص۱۰)

ہر نبی و رسول مقتدائے زمن ہوتے ہیں ان کا عمل امت کے لئے نمونہ حسن ہوتا ہے، شراب کا حال یہ ہے کہ کسی بھی نبی و رسول سے کبھی بھی اس کے پینے کی کوئی روایت نہیں ہے۔ (روح المعانی ج۲ ص۱۱۳)

جس نے بھی یہ گمان کیا کہ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کسی بھی نشہ آور کو نوش فرمایا اس نے بہت بڑی بات کہہ دی، گناہ عظیم کا مستحق ہوا۔ معاذ اللہ من ذالک (فتح ج۱۰ ص۳۱-۳۲)

بلکہ کسی بھی صحابی رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام یا تابعی کی جانب یہ انتساب بھی درست نہیں کہ انھوں نے ایسی نبیذ کو حلال سمجھا جس کی مقدار کثیر نشہ لاتی ہو۔ (فتح ج۱۰ ص۳۳)

بعض مغربی تعلیم سے اس قدر متاثر ہیں کہ حرمت شراب کے قائل ہی نہیں دلیل یہ دیتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے "حرمت علیکم الخمر" یا "لا تقربوها" وغیرہ کا جملہ ارشاد نہ فرمایا جو حرمت پر دال ہیں۔

اور بعض عیار، خمر کا نام تبدیل کر کے اس کے پینے کو حلال گردانتے ہیں۔ اور بعض لوگ تاویل لاطائل کر کے کہ اس کا قلیل نشہ نہیں لاتا، اس کی حلت کا اعلان کرتے ہیں۔ (الخمر ص۵۵)

شراب وہ ام الخبائث ہے کہ اگر اس کی خباثت و شناعت کا قدرے تفصیل سے جائزہ لیا جائے تو کلام بہت طویل ہو جائے گا۔

فقہائے کرام نے اس کے ایک قطرہ کو بھی حلال سمجھنے والے کی تکفیر کی ہے۔ ادنیٰ قطرہ پی لینے پر بھی حد شرعی اسی کوڑے کا سزاوار ٹھہرایا ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رویشید ثقفی کی شراب کی دوکان میں آگ لگا دی تھی۔ (درایہ) مولیٰ علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں شراب کا ایک قطرہ گر کسی کنویں میں پڑ جائے اور اس پر منارہ تعمیر کر دیا جائے تو میں اس پر اذان نہ دوں اور کسی دریا میں گر جائے پھر سوکھ کر وہاں گھاس اُگے تو میں اپنے جانور وہاں نہ چراؤں۔ (روح المعانی ج۲ ص۱۱۳)

ع شراب یدلنی عرض الفتی ویفتح للشر ابوابہ

یورپ کے اطباء محققین نے تصریح کی ہے کہ خمر سے تداوی مطلقاً نافع نہیں بلکہ ضرر رساں ہے۔ ایک امیرکی طبیب حاذق "کیلوج" کہتے ہیں کہ تداوی بالخمر کے مضرات اجزاء جسم تلی، گردہ وغیرہ

میں اس کی وقتی شفا سے بہت زیادہ ہیں، ارشادِ خداوندی حق ہے۔ وَ اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا۔
نشہ آور کے سلسلے میں حدیث میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں خدا تعالیٰ نے تمہاری شفا حرام چیز میں نہیں رکھا۔ (بخاری ج ۲ ص ۸۴۰)

جواب اور نتیجۂ بحث

(۱ - ۲ - ۳) ماسبق کے دلائل و شواہد سے یہی معلوم ہوا کہ ہر نشہ والی رقیق بہ سیال خواہ وہ الکحل، اسپرٹ، ٹنکچر ہو یا کسی اور نام کی چیز ہو سب خمر ہے اور اس کا ایک ایک قطرہ و قطرہ سب حرام بلکہ ناپاک، نجاستِ غلیظہ مثل پیشاب کے ہے۔ دواؤں میں ان کو ملا کر استعمال حرام ہے۔۔ یہی فتویٰ فاضل بریلوی قدس سرہ کا بھی ہے۔
انگریزی رقیق دوائیں جو ٹنکچر کہلاتی ہیں ان میں عموماً اسپرٹ پڑتی ہے اور اسپرٹ یقیناً شراب بلکہ شراب کی نہایت بدتر قسموں سے ہے وہ نجس ہے ان کا کھانا حرام لگانا حرام۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۲ ص ۱۹۹)
آپ کا ایک اور فتویٰ اسی قسم کا گذر چکا۔ نیز فتاویٰ رضویہ جلد ۲ ص ۱۳۶ میں ایسے ہی مصرح ہے۔ اور آج بھی تمام ممالک اسلامیہ میں الکحل وغیرہ پر شدید پابندی حرمت ہی کے سبب ہے۔ نیز بہت سے فقہاء کرام نے اپنی کتب میں تصریح کی ہے الفتوی فی زماننا بقول محمد لغلبة الفساد غلبۂ فساد کے سبب ہمارے زمانہ میں فتویٰ امام محمد ہی کے قول پر ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ۱۱ ص ۵۱)
جب اس وقت غلبۂ فساد کا یہ حال تھا تو آج کا غلبۂ فساد بام عروج پر پہونچ چکا ہے جو حکم میں مزید شدت کا متقاضی ہے۔

رخصت بلاشبہ ہماری شریعت محمدیہ کا ایک حکم ہے۔ مگر عزیمت بھی اسی پاکیزہ دین کا معمول تحفہ ہے اس کی برکتوں کو کیوں پس پشت ڈال دیا جائے۔ اس کی سعادتوں کی تفصیل لوگوں سے مخفی رکھ کر انھیں محروم کیوں رکھا جائے۔ کیا ذیل کا واقعہ ہمارے لئے نمونۂ عبرت نہیں ہے۔ کہ حضرت عبداللہ بن حذافہ کو روم کے سرکشوں نے ایک ایسی کوٹھری میں مقید کر رکھا تھا جس میں صرف شراب سے ملا پانی اور خنزیر کا بھنا گوشت تھا۔ تین دن تک اس میں بند رکھا کر گوشت اور شراب کھا پی لیں مگر حضرت نے ان میں سے کچھ بھی استعمال نہ فرمایا۔ جب انھیں حضرت کی موت کا اندیشہ ہوا تو اس میں سے نکالا۔
حضرت ابن حذافہ رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا بخدا اللہ تعالیٰ نے میرے لئے اسے حلال قرار دیا تھا کیونکہ میں مضطر تھا لیکن میں تمہیں مذہب اسلام کے سہارے خوش نہیں کرنا چاہتا۔ لکن لم اکن لاشمتکم بدین الاسلام۔ (مغنی ج ۸ ص ۶۰۲)
ہاں جو نشہ آور غلیظ غیر سیال ہو اس کا استعمال بطور دوا فقہاء نے جائز لکھا ہے، مثلاً افیون، بھنگ، ہیروئن

پر حس ۔ ردالمحتار میں ہے ۔ اما الجامدات فلا یحرم منہا الا الکثیر المسکر۔
قال شیخ الاسلام خواہر زادہ فی شرحہ ۔ اکل السقمونیا والبنج مباح للتداوی۔ (بنایہ ج ۴ ص ۳۹۳)
اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ کیونکہ ان کی حرمت صرف اسکار کے سبب ہے نجاست کی وجہ سے نہیں اور حدیث ۔ ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام " میں صرف مائعات مسکرہ مراد ہیں ورنہ مشک وعنبر و زعفران بھی مطلقا حرام ونجس ہو جائیں کہ حد سے زیادہ ان کا کھانا بھی نشہ لاتا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۲ ص ۳۸۶)

(۴ ۔ ۵) جب فاضل بریلوی رحمہ اللہ نے منری میں جو اسپرٹ ملی پڑیا سے رنگین کاغذ میں بندھی رہتی ہے اور اس میں رنگت آجاتی ہے اور پڑیا سے رنگے کپڑے میں عموم بلویٰ کا قول کیا۔ تو آج قسم قسم کی دواؤں میں لوگوں کا ابتلاء عام بہت نمایاں ہے کہ امیر ہو یا غریب، دیہاتی ہو یا شہری، عالم ہو یا جاہل ہر ایک کو ان دواؤں سے آئے دن سابقہ پڑتا رہتا ہے۔

اور بیتی دوائیں عموما الکحل و اسپرٹ وغیرہ سے آلودہ ہوتی ہیں چاہے وہ ایلو پیتھک و ہومیو پیتھک کی دوائیں ہوں یا آیورویدک کی ہوں کوئی بھی الکحل کی آمیزش سے خالی نہیں ۔ حالت باینجا رسید کہ یونانی دوائیں بھی ان کی آلودگی سے پاک نہیں ۔ بلکہ الکحل وغیرہ تقریبا ۳۰ مختلف اشیاء میں مستعمل ہوتے ہیں حتی کہ طرح طرح کے کھانوں کو تعفن اور خراب ہونے سے بچانے کیلئے الکحل ڈالا جاتا ہے۔

مگر عموم بلویٰ کا سہارا لے کر الکحل، اسپرٹ وغیرہ مسکرات کو دوا کے نام پر مطلقا جائز ومباح قرار دینے سے فسق ورنا دکا طوفان امنڈ پڑے گا۔

میرے خیال میں آج یہاں کے مسلمانوں کے لئے الکحل وغیرہ سے آمیز دوائیں مباح ہیں لیکن مطلقا نہیں بلکہ جب دوسری دواؤں سے مکمل کام نہ بنے تب اور طبیب حاذق کے مشورہ کے بعد مگر دوا کی دوکانوں میں جو بعض مسکرات بنام دوا محض سرور ونشاط اور حصول نشہ کے خاطر بعض لیتے ہیں ان کے جواز کی ہرگز کوئی وجہ نہیں اس کا قطرہ قطرہ مثل شراب حرام ونجس ہے۔

اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ایک روایت المغنی لابن قدامہ ج ۸ ص ۳۰۸ میں ملی جو اس باب میں بہت واضح ہے۔ ۔ قال ابوحنیفۃ یباح شربہا للعطش والتداوی) سخت پیاس میں اور دوا کے طور پر شراب کا پینا مباح ہے۔

اور حدیث شریف میں جو یہ ارشاد ہے کہ حرام چیز میں تمہاری شفا نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک حرام ہے اس میں شفا نہیں لیکن بوقت ضرورت حرام نہیں لہذا اس سے شفا کی نفی نہیں یا یہ مراد ہے کہ حرام چیز میں تمہاری ایسی شفا نہیں جسمیں کوئی مضائقہ نہ ہو۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۲ ص ۱۲۹، قمرالاقمار ص ۲۳۵)

اور حدیث عرینیین سے بھی بغرض دوا استعمال کرنے کا جواز ظاہر ہے کہ صاحبین رحمہما اللہ نے ماکول اللحم کے پیشاب کو تداوی کے لئے مباح کا فتویٰ دیا جب کہ پیشاب پینے کی حرمت شراب نوشی سے شدید ہے کیونکہ حرمتِ پیشاب کبھی زائل نہیں ہوتی اور حرمتِ شراب، سرکہ بنا دینے سے زائل ہو جاتی ہے۔

(توضیح بحوالہ حاشیہ فضول الحواشی بحث متقابلات)

علاج کے لئے بھی الکحل وغیرہ کے ناجائز کا حکم لگانے سے لوگ سخت حرج میں پڑ جائیں گے والحرج مدفوع بالنص۔

ہومیوپیتھک کالج اور شعبہ سائنس کے بعض پروفیسران و دیگر حضرات سے تبادلہ خیال پر معلوم ہوا کہ رقیق دواؤں میں الکحل، اسپرٹ وغیرہ انکو خرابی سے بچانے یا ان کی زندگی میں اضافہ کیلئے ایسے مخصوص طریقے سے ملاتے ہیں اور کچھ ایسے کیمیاوی اجزاء ڈالے جاتے ہیں جس سے الکحل وغیرہ کی حقیقت مکمل تبدیل ہو جاتی ہے۔

اگر یہ واقعی ہے تو ان سے مخلوط دواؤں کا استعمال بلا تردد جائز اور درست ہے جیسا کہ شراب سرکہ یا اور کسی شئی میں منقلب الحقیقت ہو جائے تو بلاشبہ پاک اور مباح ہے۔

در مختار میں ہے:۔ لو عجن خبز بخمر صب فیہ خل یذہب اثرہ فیطہر۔ رد المحتار میں ہے: لانقلاب ما فیہ من اجزاء الخمر خلاً۔ قال ابو حنیفۃ ان طرح فیہا السمک والملح فصارت مربی وتحولت عن حال الخمر جاز وخالفہ محمد بن الحسن فی المربی وقال لا تعالج الخمر بغیر تحویلہا الی الخل وغیرہ۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۶۰۹، قرطبی ج ۶ ص ۲۹۱)

ان عجن بہ دقیقاً ثم خبزہ فاکلہ لم یحد لان النار کلت اجزاء الخمر فلم یبق الا اثرہ۔ ومعنی جوازہ التخلیل یجوز مطلقاً سواء صارت خلا بنفسہا او بعلاج کالقاء الملح وبغیر الملح کالنقل من الظل الی الشمس او بالعکس او بایقاد النار بالقرب منہ ولا یکرہ ہذا العمل عندنا۔ (بنایہ ج ۴ ص ۳۳۰)

اللحم اذا طبخ بالخمر یغلی بالماء الطاہر ثلاث مرات ویبرد فی کل مرۃ عند ابی یوسف۔ ص ۳۵۱

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ایک بکری تھی مر گئی حضور نے فرمایا اس کی کھال سے فائدہ اٹھاؤ عرض کیا گیا حضور وہ مردار ہے ارشاد رسول ہوا۔ ان دباغہا یحل کما یحل الخمر (دار قطنی)

اور جن روایتوں میں خمر کا سرکہ بنانے کی ممانعت ہے کما رواہ الترمذی ومسلم عن ابی سعید وانس فی روایۃ سئل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انتخذ الخمر خلاً؟ قال۔ لا۔ وقال الترمذی ہذا الحدیث حسن صحیح۔ (مغنی ج ۸ ص ۳۲۰)

یہ تشدید و تغلیظ پر محمول ہے کیونکہ وہ وقت ابتدائے اسلام کا تھا جیساکہ کتے کے جھوٹے میں حکم تشدید اولاً ہوا پھر وہ منسوخ ہوگیا۔ (بنایہ ج ۴ صفحہ ۳۵)

(۶) دیوار، دروازے، کرسیاں، پلنگ، میز وغیرہ جو مختلف قسم کے رنگوں سے مزین کئے جاتے ہیں ایسے رنگوں سے احتراز اولیٰ ہے جن میں اسپرٹ کا ہونا یقینی ہو، اگرچہ ابتلاء عام کی بناء پر حکم جواز ہے۔

شامی کے اس جزئیہ سے بھی تائید ملتی ہے۔

۔ فی الفتاوی الهندیة یکره ان یطین المسجد بطین قد بل بماء نجس بخلاف السرقین اذا جعل فیه الطین لان فی ذالك ضرورة وهو تحصیل غرض لا یحصل الا به كذا فی السراجیه۔ (شامی ج ۱ صفحہ ۲۲۱)

یعنی فتاویٰ ہندیہ میں ہے کہ مسجد میں ایسی مٹی لگانا جو نجس پانی سے بھگوئی ہو مکروہ ہے اور بربناء ضرورت گوبر میں مٹی ملا کر لگانے میں کراہت نہیں کیونکہ جس غرض کے لئے لگاتے ہیں وہ اسی طور پر حاصل ہوگا۔ فتاویٰ سراجیہ میں بھی ایسے ہی ہے۔ واللہ عزوجل اعلم

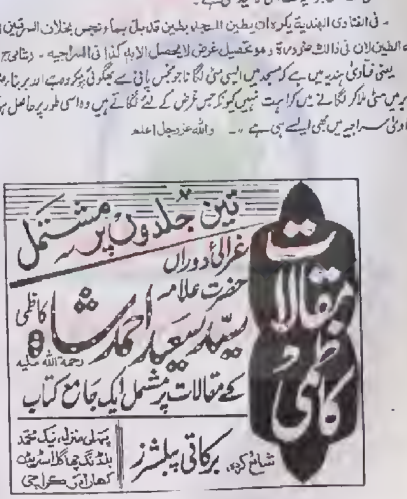

مولانا بدر عالم مصباحی
نائب مفتی جامعہ اشرفیہ مبارک پور

الکحل وغیرہ

الحمد للہ العلی العلام والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والکرام وعلیٰ الہ واصحابہ الذین ھم کالنجوم بین الخلق والاناس وعلی الائمۃ المجتہدین العظام ۔۔۔۔ اما بعد!

الکحل، اسپرٹ، ٹنکچر آمیز دواؤں کے استعمال کی شرعی حیثیت

الکحل، اسپرٹ، ٹنکچر شرعی ولغوی کسی اعتبار سے حقیقی خمر نہیں۔ بلکہ ان پر خمر کا اطلاق محض مجازاً ہے اسلئے کہ خمر حقیقی انگور کے اس کچے پانی کو کہتے ہیں جس میں جوش آکر تیزی آجائے اور جھاگ پھینکدے۔ اشیاء ثلثہ کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کو اقسام شراب سے شمار کیا جاتا ہے لیکن ان کی ماہیات پر غور کیا جائے تو من کل الوجوہ خمر حقیقی ان پر صادق نہیں آتا۔ تو حقیقۃً ان پر خمر کا اطلاق درست نہ ہوگا۔

جس طرح عصیر، نقیع التمر، نقیع الزبیب وغیرہا کو علماء نے خمر حقیقی نہیں کہا جبکہ ان میں بھی بعض کیفیات خمر حقیقی جیسی پائی جاتی ہیں۔ ہاں مجازاً انھیں خمر کہا گیا ہے۔ اسی طرح اشیائے مبحوث عنہا کو مجازاً خمر کہا جاتا ہے۔ جب اشیائے ثلثہ خمر حقیقی نہیں تو ان کے احکام بھی خمر حقیقی سے جداگانہ ہوں گے جس طرح عصیر نقیع التمر، نقیع الزبیب وغیرہ کے احکام خمر حقیقی سے مختلف ہیں۔ علامہ شامی فرماتے ہیں:

(۱) ای الثلثۃ المذکورۃ حرام اذا اشتد وغلی والالم یحرم اتفاقاً[۱] — اشیائے ثلثہ حرام ہیں جبکہ جوش آکر تیزی آگئی ہو ورنہ بالاتفاق حرام نہیں۔

---

[۱] ردالمحتار ص ۱۲۴ ج ۴

خمر حقیقی کا حکم

اس کے برخلاف خمر حقیقی کے بارے میں یہ ہے کہ اس کی ایک ایک بوند حرام مسکر ہو یا نہ ہو۔ درمختار میں ہے:

الخمر هي النيء من ماء العنب اذا غلى واشتد وقذف بالزبد وحرم قليلها وكثيرها ـــ

شراب انگور کا وہ کچا پانی جس میں جوش اگر تیزی آجائے اور جھاگ پھینک دے۔ اس کا قلیل و کثیر سب حرام ہے

درمختار ہی میں تھوڑی دور آگے یہ ہے۔ ويحد شاربها وان لم يسكر منها ويحد شارب غيرها ان سكر۔

شراب کی تلچھٹ کا حکم

یوں ہی فقہاء شراب کی تلچھٹ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اگر مسکر نہ ہو تو اسکے پینے پر حد نہیں ـــ درمختار میں ہے:

كره شرب دُرْدِيّ الخمر اي عكره والامتشاط ولكن لايحد شاربها۔

شراب کا تلچھٹ پینا مکروہ ہے اور اس سے کنگھی کرنا بھی۔ لیکن اس کے پینے والے پر حد نہیں۔

ظاہر ہے کہ تلچھٹ خمر حقیقی نہیں اسی لئے اس کا حکم خمر حقیقی سے مختلف ہے۔ حالانکہ اس میں قطعی طور پر خمر حقیقی کے اجزاء موجود ہیں اور خمر حقیقی کے بارے میں ابھی گزرا کہ اس کا قلیل کثیر برابر ہے۔ پھر بھی فقہاء یہاں خمر حقیقی سے جدا حکم بیان فرماتے ہیں۔ یہ اسی لئے کہ اس کل پر اب خمر حقیقی کا اطلاق نہیں یا اس لئے کہ غیر سے مرکب ہونے کے بعد اپنی ماہیت پر نہ رہا۔

مذکورہ بالا عبارات ـــ پر صاحب ردالمحتار کی تعلیق سے بھی تلچھٹ سے متعلق خمر حقیقی سے جداگانہ حکم کی وضاحت ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں:

وقال الشافعي يحد لانه شرب جزء الخمر ولنا ان قليله لايدعو الى كثيره لما في الطباع عن النبوة عنه فكان ناقصا فاشبه غير الخمر من الاشربة ولاحد فيها الا بالسكر ولان الغالب عليه الثفل فصار كما اذا غلب عليه الماء بالامتزاج ـــ

امام شافعی نے فرمایا کہ حد لگائی جائے گی اسلئے کہ اس نے شراب کا جزء پیا ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ قلیل شراب کثیر کی جانب داعی نہ ہوگی طبیعتوں میں اس سے دوری ہونے کی وجہ سے تو وہ ناقص رہا اور غیر خمر کے مشابہ ہو گیا۔ ان میں حد سُکر کے بعد ہی ہے اور اسلئے بھی کہ اس پر تلچھٹ غالب ہے تو ایسا ہی ہو گیا جیسے اس پر جب پانی کا غلبہ ہو جائے۔

ـــ درمختار ج ۳ ص ۲۹۰ ـــ ص ۳۰۳ ہدایہ جلد رابع۔

اقسام شراب شراب کی مختلف قسمیں ہیں اور مختلف چیزوں سے بنائی جاتی ہیں، احکام بھی مختلف ہیں:
۱۔ وہ شرابیں جو انگور سے بنائی جاتی ہیں۔ کل سات ہیں۔ (۱) خمر (۲) باذق (۳) طلاء (۴) منصف (۵) بختج (۶) جمہوری (۷) حمیدی۔

۲۔ وہ شرابیں۔ جو زبیب سے بنائی جاتی ہیں وہ دو ہیں (۱) نقیع (۲) نبیذ۔

۳۔ وہ شرابیں جو تمر سے بنائی جاتی ہیں وہ تین ہیں (۱) سکر (۲) فضیخ (۳) نبیذ تمری
عالمگیری میں ہے کہ ان تمام پر شراب کا اطلاق تو ہوتا ہے لیکن یہ سب حقیقۃً خمر نہیں۔ خمر صرف ایک ہے یعنی انگور کا وہ کچا پانی جس میں جوش آکر تیزی اور جھاگ پیدا ہو جائے۔
عالمگیری میں ان کی تفصیل اس طرح ہے۔

فالاشربة المتخذة من العنب احدها الخمر وهو اسم النی من ماء العنب بعد ما غلا واشتد وقذف بالزبد وسكن من الغليان عند ابي حنيفة وعندهما اذا غلا واشتد فهو خمر وان لم يقذف بالزبد والثاني الباذق هو اسم لما طبخ من ماء العنب حتى يذهب اقل من الثلثين سواء كان الثلث او النصف او يطبخ ادنى طبخة بعد ما صار مسكرا ويسكن من الغليان والثالث الطلاء وهو اسم للمثلث هو ما اذا طبخ ماء العنب حتى ذهب ثلثاه وبقي ثلثه فصار مسكرا والرابع المنصف هو ما اذا طبخ ماء العنب حتى ذهب نصفه والخامس البختج وهو ان يصب الماء على المثلث حتى يرق ويترك حتى يشتد والسادس الجمهوري وهو الذي من ماء العنب اذا صب عليه الماء وقد طبخ ادنى طبخة حتى ذهب ثلثه وبقي ثلثاه واما ما يتخذ من الزبيب نوعان نقيع وهو ان ينقع الزبيب في الماء

انگور سے بنائی جانے والی شرابوں میں اول خمر ہے۔ خمر انگور کے اس کچے پانی کو کہتے ہیں جس میں جوش آنے کے بعد تیزی اور جھاگ پیدا ہو جائے اور جوش ختم ہو جائے۔ یہ امام اعظم کے نزدیک ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک جوش آنے کے بعد تیزی آجائے اگرچہ جھاگ نہ پھینکے خمر ہے۔ دوم باذق ہے انگور کے اس پانی کو کہیں گے جسے پکا دیا جائے تو دو تہائی سے کم ختم ہو جائے یعنی جل جائے اب خواہ ایک تہائی ہو یا آدھا یا مسکر ہونے کے بعد تھوڑا سا پکا دیا جائے اور جوش ہو جائے سوم طلاء۔ مثلث کو کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ انگور کے پانی کو پکایا جائے کہ دو تہائی جل جائے اور صرف ایک تہائی باقی رہ جائے تو یہ مسکر ہو جائے گا۔ چہارم منصف ہے۔ یہ وہ ہے کہ انگور کے پانی کو اتنا پکا دیا جائے کہ نصف باقی رہ جائے۔ پنجم بختج یہ وہ ہے کہ مثلث میں پانی ملا کر چھوڑ دیا اور رقیق ہو کر اس میں تیزی آجائے ششم جمہوری ہے وہ یہ ہے کہ انگور کے پانی میں پانی ملا کر تھوڑا پکا دیا جائے یہاں تک کہ ایک تہائی جل جائے اور دو تہائی باقی رہ جائے۔ جمہوری ہی کو بعض لوگوں نے حمیدی

حتی خرجت حلاوته الی الماء ثم اشتد وغلا وقذف بالزبد والثانی النبیذ هو الذی من ماء الزبیب اذا طبخ ادنی طبخه وغلا واشتد واما ما یتخذ من التمر فثلثة انواع احدها السکر وهو الذی من ماء التمر اذا غلا واشتد علیه الفتوی اکثر اهل اللغة والثانی الفضیخ هو الذی من ماء التمر المذنب اذا غلا واشتد وقذف بالزبد والثالث النبیذ وهو الذی من ماء التمر اذا طبخ ادنی طبخة وغلا واشتد وقذف بالزبد وکذا یقع علی الماء الذی القی فیه التمر وخرجت حلاوته وغلا واشتد وقذف بالزبد۔

بھی کہا ہے۔ لیکن وہ شرابیں جو زبیب سے بنائی جاتی ہیں دو قسم کی ہیں۔ نقیع کہ زبیب کو پانی میں بھگو دیا جائے۔ یہاں تک کہ اسکی حلاوت پانی میں آجائے پھر جوش آنے کے بعد تیزی آجائے اور جھاگ پھینکدے۔ دوم نبیذ ہے یہ زبیب کا کچا پانی کہ اسے تھوڑا سا پکا دیا جائے اور اسمیں جوش آنے کے بعد تیزی آجائے لیکن وہ شرابیں جو تمر سے بنائی جاتی ہیں وہ تین قسم کی ہیں۔ اول سکر یہ کھجور کا کچا پانی کہ اسمیں جوش کر تیزی آجائے اسی پر اکثر اہل لغت کا فتویٰ ہے۔ دوم فضیخ مذنب کھجور کا کچا پانی کہ جوش آکر تیزی آجائے اور جھاگ پھینکدے سوم نبیذ کہ کھجور کا کچا پانی کو تھوڑا پکا دیا جائے اور جوش کے بعد تیزی آجائے اور جھاگ پھینکدے یوں اس پانی کو بھی نبیذ کہدیتے ہیں جسمیں کھجور ڈالدی جائے اور اسکی حلاوت پانی میں اتر آئے اور جوش آکر تیزی آجائے پھر جھاگ پھینکدے

مذکورہ بالا عبارت میں شراب نام کی کل بارہ چیزیں شمار کرائی گئیں لیکن حقیقۃً خمر صرف ایک ہے جس طرح ان بارہ اشیاء میں سے صرف ایک کو خمر کہا گیا بقیہ پر اطلاق خمر مجازاً ہے ـــــ بالکل اسی طرح الکحل، ٹنکچر، اسپیرٹ اگرچہ شراب کے اقسام سے ہیں۔ لیکن حقیقۃً خمر نہیں۔ اس لئے کہ ان پر خمر کا حقیقۃً اطلاق مختلف وجوہ سے محل اشکال اور محل نظر معلوم ہوتا ہے۔

اولاً۔ یہ طے نہیں کہ یہ خمر حقیقی ہی کے مقطرات بخارات ہیں۔ جو، مکئی، شہد، سیب، وغیرہ کی شراب کی بھاپ کے بھی مقطرات ہوسکتے ہیں؛ عالمگیری میں ہے:

اما الاشربة المتخذة من الشعیر والذرة والتفاح والعسل اذا اشتد وهو مطبوخ او غیر مطبوخ فانه یجوز شربه ما دون السکر عند ابی حنیفة وابی یوسف۔

ثانیاً۔ اگر یہ طے بھی ہوجائے کہ یہ خمر حقیقی ہی کی بھاپ کے مقطرات ہیں جب بھی انھیں خمر حقیقی نہیں کہا جائے گا اور نہ اس کا حکم جاری ہوگا۔ اس لئے کہ شی کی بھاپ سے پیدا شدہ قطرات کو عین شی نہیں کہا جائیگا اور نہ وہ حقیقۃً عین شی ہے۔ چائے کی بھاپ سے پیدا شدہ قطرات چائے نہیں۔

ثالثاً۔ اشیائے ثلثہ بر سبیل فرض اگر خمر حقیقی ہی ہوں جب بھی خمر حقیقی کے احکام جاری نہ ہوں گے اس لئے ان پر غیر کا غلبہ ہے۔ اور غیر خمر کا غلبہ ہے تو حکم بدل جائے گا۔ جیسے خون کی قے ناقض وضو ہے لیکن

اگر خون پر تھوک غالب آجائے تو ناقض نہیں۔ اور یہاں تو یہ غلبہ ہے کہ معنوی اور صوری کسی طرح خمر حقیقی کا پتہ ہی نہیں چلتا۔ عالمگیری میں ہے:

کما لو خلط الخمر بالماء اعتبر الغالب[1] خمر پر پانی کا غلبہ ہو تو غالب کا اعتبار ہوگا۔

حاصل یہ نکلا کہ یہ اشیاء غور و خوض کرنے کے بعد خمر حقیقی نہیں۔ اور جب خمر حقیقی نہیں ہیں تو ان کی حرمت قطعی نہ ہوگی۔ زیادہ سے زیادہ مکروہ تحریمی کا حکم مستفاد ہوگا۔ حرام قطعی نہیں کہ منکر کو کافر کہا جائے شارب کو حد لگائی جائے۔

واضح رہے کہ ہماری بحث کا محور تنہا الکحل، اسپرٹ، ٹنکچر نہیں بلکہ ان سے مرکب دوائیں ہیں۔ جن میں ان اشیاء ثلثہ کے غیر کا غلبہ ہوتا ہے اور غلبہ کا حکم گزرا کہ اب خمر حقیقی ماننے کے باوجود حرمت قطعی نہ ہوگی۔ اور جب یہ طے ہوگیا کہ ان کی حرمت قطعی نہیں۔ تو حد سکر تک نہ پہنچنے کی صورت میں شیخین کے مذہب پر جواز مستفاد ہے۔ جیسا کہ غیر خمر کے بارے میں شیخین کا یہی مذہب ہے۔

اما الاشربۃ المتخذۃ من الشعیر والذرۃ او التفاح او العسل اذا اشتد وھو مطبوخ او غیر مطبوخ فانہ یجوز شربہ ما دون السکر عند ابی حنیفۃ وابی یوسف[2]

فقہ اسلامی کے عظیم محقق امام احمد رضا قدس سرہ کی ایک تحریر بھی اس کی موید ہے۔ غیر خمر اگر حد سکر نہ پہنچے تو اس کی حلت سے متعلق مسلک شیخین بیان فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

یہ سب بر بنائے مذہب مفتی بہ تھا۔ اور اصل مذہب کہ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے۔ اعنی طہارۃ المثلث العنبی والزبیبی وسائر الاشربۃ من غیر الکرم والنخلۃ مطلقا وحلہا کلہا دون قدر الاسکار۔ حاشا یہ قول بھی ساقط و باطل نہیں بلکہ بہت با قوت ہے۔ خود اصل مذہب یہی ہے اور یہی جمہور صحابہ کرام حتی کہ حضرات اصحاب بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے۔ یہی قول امام اعظم ہے۔ عامہ متون مذہب مثل مختصر، قدوری، ہدایہ، وقایہ، نقایہ، کنز، غرر، اصلاح وغیرہا میں اسی پر جزم و اقتصار کیا۔ اکابر ائمہ ترجیح و تصحیح مثل امام اجل ابو جعفر طحاوی و امام اجل ابو الحسن کرخی، امام شیخ الاسلام ابو بکر خواہر زادہ و امام اجل قاضی خاں و امام اجل صاحب ہدایہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسی کو راجح و مختار رکھا۔ بلکہ خود امام محمد نے کتاب الآثار میں اسی پر فتویٰ دیا یہاں تک کہ آکد الفاظ ترجیح علیہ الفتویٰ سے تذییل آئی ہے[3]

---

[1] عالمگیری ج ۵ ص ۱۴۰ [2] عالمگیری ج ۵ ص ۱۴۰ [3] فتاویٰ رضویہ حادی عشر ص ۵۲

الکحل، اسپرٹ، الکحل آمیز دوائیں ایسی نہیں اگر کسی کو ان کے استعمال سے نشہ پیدا ہو، کسی کی عقل پر ان سے اصلاً اثر نہیں پڑتا ——— تو اب شیخین کے مذہب پر ان کے جواز میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا۔

رہ گئی بات ان اشیائے نشہ سے متعلق حکم حرمت کی جو بعض فقہاء کے اقوال سے ظاہر ہوتا ہے۔ خود محرر مذہب حضرت امام محمد اور بھی بہت سے فقہاء کے اقوال سے ناجائز اور حرام ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کے بھی بعض فتاوی سے حضرت امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کا موقف نمایاں ہے ——— وہ صرف سد باب ذرائع کے پیش نظر ہے۔ غور فرمائیں۔ تو یہاں یہ مصلحت اب مفقود ہے۔ کہ عوام و خواص اس میں بلا جھجک مبتلا ہیں۔

عام ابتلاء اور علاج و معالجہ

جب یہ ثابت ہو گیا کہ ان اشیائے مبحوث عنہا کی حرمت قطعی نہیں تو ایسی صورت میں عموم بلوی کی بنیاد پر بغرض علاج و معالجہ استعمال کی رخصت ممکن ہے بلکہ بہت سارے فقہی جزئیات میں ایسے مواقع پر رخصت ہی منقح ہے۔

حالات حاضرہ کو دیکھتے ہوئے مسئلہ مبحوث عنہا میں بھی دو دو طریقے سے رخصت کا تصور ہوتا ہے۔

۱؎ عوام و خواص کا ابتلاء، ۲؎ تداوی علاج و معالجہ ——— یہ دونوں اپنی اپنی جگہ رخصت کا راستہ ہموار کرتے ہیں۔ فقہاء نے دونوں کے لئے ضابطے وضع فرمائے ——— ہر ایک پر فقہی دلائل کے ساتھ مختصر سی گفتگو ہدیہ ناظرین ہے۔

۱؎ عام ابتلاء یا عموم بلوی ——— فقہاء کے ارشادات و تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ بہت سارے اسلامی معاملات میں عرف و عادت اور لوگوں کی حاجات و ضرورات پر احکام بدل جاتے ہیں۔ فقہ کی کتابوں میں اس کی بہت سی نظیریں موجود ہیں۔ اس کو عام ابتلاء کو عرف و تعامل سے بھی تعبیر کیا گیا ہے ——— یہ بھی عند الشرع حجت تسلیم کیا گیا ہے۔ شرح الاشباہ والنظائر میں ہے۔ الثابت بالعرف کالثابت بالدلیل الشرعی۔ اور مبسوط میں ہے۔ الثابت بالعرف کالثابت بالنص۔

کس طرح کا ابتلاء رخصت اور تبدیل احکام کا باعث بنے گا۔ اس سلسلے میں بھی علماء کی تصریحات موجود ہیں۔ اس کے لئے کچھ شرطیں بھی ہیں۔ مثلاً ایسا عام ابتلاء معتبر نہ ہوگا جو کسی نص قطعی کے خلاف ہو کہ اس کی بنیاد پر نص قطعی کا ترک لازم آئے۔ یونہی ایسا ابتلاء بھی معتبر نہ ہوگا کہ بغیر کسی حرج کے محض طلب سہولت کیلئے ہو ——— یونہی ایسا ابتلاء بھی معتبر نہ ہوگا جس سے کسی حل میاحات کے ذریعہ بچا ممکن ہو۔ ذیل میں علامہ شامی کا اس سلسلے میں ایک ضابطہ تحریر ہے۔

اذا خالف العرف الدلیل الشرعی فان خالفه من کل وجه بان لزم منه ترك النص فلا شك

عرف جب دلیل شرعی کے مخالف ہو تو اگر من کل الوجوہ مخالف ہو کہ اس سے ترک نص لازم آئے تو اسکے رد میں

فيرد كتعارف الناس كثيرا من المحرمات من الربا وشرب الخمر ولبس الحرير والذهب وغير ذلك مما ورد تحريمه نصا وان لم يخالفه من كل وجه بان ورد الدليل عاما والعرف خالفه في بعض افراده او كان الدليل قياسا فان العرف معتبر ان كان عاما فالعرف العام يصلح مخصصا كما مر عن التحرير ويترك به القياس كما صرحوا به في مسئلة الاستصناع ودخول الحمام والشرب من السقاء وان كان العرف خاصا فانه لا يعتبر وهو المذهب

کوئی شک نہیں۔ جیسے لوگ اکثر محرمات مثلاً سود شرب خمر، ریشم پوشی اور سونا پہننے کی عادی بن جائیں کہ جن کی حرمت پر نص وارد ہے۔ اور اگر عرف من کل الوجوہ نص کے مخالف نہ ہو بایں طور کہ دلیل عام وارد ہو اور عرف کسی فرد میں مخالف ہو یا دلیل قیاس ہو۔ تو عرف معتبر ہے اگر عام ہو کہ عرف عام مخصص بننے کی صلاحیت رکھتا ہے جیسا کہ تحریر میں گزری اور اس کی بنیاد پر قیاس ترک کر دیا جائے گا جیسا کہ فقہاء نے مسئلہ استصناع اور دخول حمام اور مشک سے پینے کے سلسلے میں صراحت فرمائی ہے اور اگر عرف خاص ہو تو وہ معتبر نہیں۔ یہی مذہب ہے۔

حاصل یہ کہ عوام الناس اگر کسی ایسے امر میں مبتلا ہو گئے جس کی حرمت پر نص قطعی نہیں اور اسکے خلاف میں حرج عظیم ہو تو ایسی صورت میں رخصت پر فتویٰ دیا جا سکتا ہے بلکہ بعض مواقع پر حکم رخصت لابدی اور ضروری ہے۔

مسئلہ مبحوث عنہا میں عوام و خواص یکساں مبتلا ہیں نیز اسکے خلاف میں حرج عظیم ہے تو فقہاء کے ضابطۂ رخصت کے تحت ضرور حکم رخصت یہاں بھی ثابت۔ علامہ شامی فرماتے ہیں:

فان تغير ما اعتاده عامة اهل العصر في عامة بلاد الاسلام لا حرج فوقه ولا شك انه فوق الحرج الذي عفي لاجله عن بعض النجاسات المنهية بالنص كطين الشارع الغالب عليه النجاسة كبول السنور في الثياب والبعر القليل في الآبار والمحلب۔

بیشک اس چیز کا بدلنا جس کے اکثر اہل زمانہ عام بلاد اسلام میں عادی بن چکے ہوں، اس سے بڑھ کر کوئی حرج نہیں اور کوئی شک نہیں کہ یہ اس حرج سے بڑھ کر ہے کہ جسکی بنیاد پر بعض وہ نجاستیں معاف ہیں جن کی نہی پر نص وارد ہے جیسے سڑک کی وہ مٹی جس پر نجاست غالب ہو۔ کپڑوں پر بلی کا پیشاب، کنوؤں اور دودھ کے برتن میں تھوڑی مینگنی۔

علامہ شامی مذکورہ بالا عبارت سے یہ افادہ کرنا چاہتے ہیں کہ اکثر بلاد اسلام اکثر اہل زمانہ جسکے عادی ہو جائیں۔ یہ عادی بن جانا خود حرج شدید ہے اور موجبات تخفیف سے ہے۔ اب ناظرین غور فرمائیں کہ الکحل ٹنکچر، اسپرٹ آمیز دواؤں کے استعمال اکثر بلاد اسلام بلکہ پوری دنیا میں ہو رہے ہیں اور پوری دنیا

کے لوگ اس کے عادی بن چکے ہیں۔ اس کے خلاف میں پوری امت کے لئے حرج عظیم ہے والحرج مدفوع بالنص وعموم البلوی من موجبات التخفیف لاسیما فی مسائل التداوی والعلاج۔ قد ورد بھما التخفیف فی باب التوضی والتیمم۔ و فی الاشباہ والنظائر۔ واعلم ان اعتبار العادۃ والعرف یرجع الیہ فی الفقہ فی مسائل کثیرۃ حتی جعلوا ذٰلک اصلاً۔ ص ۳۰

۳ تداوی، علاج ومعالجہ۔ شریعت مطہرہ میں بہت سے احکام فوت یا تلف عضو کے اندیشہ بلکہ ازدیاد مرض کے اندیشے سے بھی بدل جاتے ہیں۔ جیسے پانی پر قدرت ہونے کے باوجود مرض بڑھ جانے کا اگر اندیشہ ہو تو فقہ کی کتابوں میں جواز تیمم کی صراحت موجود ہے۔ اسی طرح اور بھی بہت سی نظیریں ہیں۔

اسی طرح علاج ومعالجہ کے سلسلے میں بھی رخصتیں ثابت ہیں۔ بعض فقہاء کے نزدیک تداوی بالمحرمات کی اجازت ہے جب کہ یہ معلوم ہو چکا ہو کہ اسکے غیر میں شفا نہیں یا غیر اس وقت دستیاب نہیں۔ بلکہ یہاں تک بعض فقہاء نے کہا کہ اگر حرام کے ذریعہ شفا جلد ہے اور غیر میں تاخیر شفاء ہے تب بھی شفا جلد حاصل کرنے کیلئے تداوی بالمحرمات کی اجازت ہے۔ علامہ شامی رقمطراز ہیں:

ان صاحب الخانیۃ والنھایۃ اختارا جوازہ ان علم فیہ شفاء ولم یجد دواء غیرہ۔ قال فی النھایۃ وفی التھذیب یجوز للعلیل شرب البول والدم والمیتۃ للتداوی اذا اخبرہ طبیب مسلم ان فیہ شفاءہ ولم یجد من المباح ما یقوم مقامہ وان قال الطبیب یتعجل شفاءک بہ فیہ وجھان وھل یجوز شرب العلیل من الخمر للتداوی فیہ وجھان کذا ذکرہ الامام التمرتاشی وکذا فی الذخیرۃ وما قیل ان الاستشفاء بالحرام حرام غیر مجری الاطلاق وان الاستشفاء بالحرام انما لا یجوز اذا لم یعلم ان فیہ شفاء اما ان علم ولیس لہ دواء غیرہ یجوز[1]

بیشک صاحب خانیہ اور صاحب نہایہ نے اسکے جواز کو اختیار فرمایا بشرطیکہ اس میں شفاء کا علم ہو اور اسکے علاوہ کوئی دوا نہ ملے۔ نہایہ میں فرمایا۔ تہذیب میں ہے۔ بیمار کو پیشاب خون پینا اور مردہ کھانا دوا کے لئے جائز ہے جبکہ کسی مسلمان ڈاکٹر نے یہ خبر دی ہو کہ اس میں شفاء ہے اور وہ اس کے قائم مقام کوئی مباح چیز نہ پائے۔ اور اگر ڈاکٹر اس کی جلد شفا بتائے تو دو صورتیں ہیں۔ اور اسمیں بھی دو صورتیں ہیں کہ شراب بطور دوا مریض کیلئے جائز ہے۔ ایسے ہی امام تمرتاشی نے ذکر کیا۔ ایسے ہی ذخیرہ میں بھی ہے۔ اور وہ جو کہا گیا کہ حرام سے حصول شفاء حرام ہے۔ وہ مطلقاً نہیں بلکہ اس وقت جبکہ اسمیں شفاء کا علم نہ ہو لیکن اگر اسے علم ہے کہ اس میں شفاء ہے اور اس کے علاوہ کوئی دوا نہیں ہے تو جائز ہے۔

---

[1] درمختار جلد ۵ ص ۲۲۸

الکحل، اسپرٹ، ٹنکچر آمیز دواؤں کا استعمال بعض امراض میں اپنا بدل نہیں رکھتا۔ اس وقت ظاہر ہے کہ ان کا استعمال ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ ورنہ فوت یا تلف عضو اور ازدیاد مرض کی صورت پیدا ہو جائے گی۔ ایسی صورت میں رخصت امر لابدی اور لازمی ہے۔ زیادہ سے زیادہ اس وقت بظاہر حدیث رسول ان اللہ لم یجعل شفاءکم فیما حرم علیکم کی مخالفت لازم آئے گی۔ لیکن یہ اس وقت جبکہ حدیث کو اس کے اطلاق پر باقی رکھا جائے۔ فقہاء نے اس کی توجیہ یہ فرمائی کہ یہ اس وقت ہے کہ شی حرام میں شفاء کا علم نہ ہو۔ لیکن جب شفاء کا علم ہو جائے تو وہ حرام، حرام ہی نہیں رہ جاتا۔ درمختار میں ہے:

ویجوز فی النهاية بمحرم اذا اخبره طبيب ان فيه شفاء ولم يجد مباحا يقوم مقامه قلت وفي البزازية ومعنى قوله عليه الصلوٰة والسلام ان الله لم يجعل شفاءكم فيما حرم عليكم نفى الحرمة عند العلم بالشفاء۔[1]

نہایہ میں حرام کو علاج کے لئے جائز قرار دیا ہے جب کہ کوئی مسلمان ڈاکٹر اس بات کی خبر دے کہ اسی میں شفاء ہے اور مریض اس کا قائم مقام کوئی مباح نہ پائے۔ بزازیہ میں رسول علیہ السلام کے اس ان اللہ لم یجعل شفاءکم فیما حرم علیکم کا مطلب یہ بتایا کہ شفاء کا علم ہونے کے بعد حرمت ختم ہو جاتی ہے۔

ردالمحتار میں بھی اسی کے مثل ہے کہ جس طرح پیاسے اور بھوکے کے لئے شراب اور مردہ حلال ہو جاتے ہیں اسی طرح طلب شفاء کے وقت مریض کے لئے حرام کی حرمت ساقط ہو جاتی ہے۔ غور فرمائیں کہ فقہاء کا یہ حکم رخصت اس حرام کے بارے میں جو نص قطعی سے ثابت ہے تو عام ابتلاء کی صورت میں وہ بھی بغرض علاج و معالجہ غیر خمر کے لئے ضرور حکم رخصت ثابت ہونا چاہیے۔ علامہ شامی رقم طراز ہیں:

فی النهاية عن الذخيرة يجوز ان علم فيه شفاء ولم يعلم دواء آخر وفي الخانية في معنى قوله عليه السلام ان الله لم يجعل شفاءكم فيما حرم عليكم كما رواه البخاري ان ما فيه شفاء لا بأس به كما يحل الخمر للعطشان في الضرورة وكذا اختاره صاحب الهداية في التجنيس فقال لو رعف فكتب الفاتحة بالدم على جبهته و

نہایہ ذخیرہ کے حوالہ سے ہے۔ اگر حرام میں شفاء کا علم ہو جائے اور اس کے علاوہ کسی دوسری دوا کا علم نہ ہو تو جائز ہے اور خانیہ میں رسول علیہ السلام کے ان اللہ لم یجعل شفاءکم کا مطلب یہ بتایا کہ جس چیز میں شفا ہو اس میں کوئی حرج نہیں جیسے ضرورت کے وقت پیاسے کے لئے شراب حلال ہے اسی کو صاحب ہدایہ نے اختیار فرمایا۔ فرمایا اگر نکسیر ہو تو اس کی پیشانی اور ناک پر خون سے سورہ فاتحہ لکھی جائے تو

---

[1] درمختار ج ۵ ص ۲۳۹

فقد جاز للاستشفاء وبالبول ايضا ان علم فيه شفاء لاباس به لكن لم ينقل وهذا لان الحرمة ساقطة عند الاستشفاء كحل الخمر والميتة للعطشان والجائع [1]

بغرض علاج جائز ہے اور پیشاب سے بھی اگر اسی میں شفاء کا علم ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن یہ منقول نہیں۔ اور یہ اسلئے کہ طلب شفاء کے وقت حرمت ساقط ہو جاتی ہے جیسے پیاسے اور بھوکے کیلئے شراب اور مردار۔

ردالمحتار میں تہذیب کے حوالے سے منقول ہے:

يجوز للعليل شرب البول والدم والميتة للتداوي اذا اخبره طبيب مسلم ان فيه شفاء ولم يجد من المباح ما يقوم مقامه [2]

بیمار کیلئے بطور دوا شراب پینا اور خون اور مردہ جائز ہے بشرطیکہ کسی مسلمان ڈاکٹر نے انہیں شفاء کی خبر دی ہو اور مریض اسکے قائم مقام کوئی مباح چیز نہ پائے۔

شارح بخاری علامہ بدرالدین محمود عینی تداوی بالمحرمات کے سلسلے میں حصول شفاء کے تیقن کے وقت جواز کے قائل ہیں۔ فرماتے ہیں:

الاستشفاء بالحرام جائز عند التيقن بحصول الشفاء

حرام سے شفا حاصل کرنا جائز ہے جب کہ حصول شفاء کا تیقن ہو۔

ان تمام جزئیات پر غور کرنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ علاج و معالجہ کو باب شریعت میں بہت اہمیت حاصل ہے حد یہ ہے کہ جس کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہو وہ بھی بغرض علاج و معالجہ حلال ہو جاتا ہے۔ کتب فقہ میں اس کی بہت سی نظیریں ہیں۔ تاہم اگرچہ فقہاء نے اس سلسلے میں اختلاف بھی کیا ہے لیکن رخصت کے بھی بہت سے اقوال ہیں جن کو سامنے رکھ کر علماء محققین آج کے دور ابتلاء میں امت مسلمہ کے لئے آسان راہ عمل متعین کر سکتے ہیں۔ لایکلف اللہ نفسا الا وسعہا بھی قرآنی ارشاد ہے۔ دفع حرج والحرج یزال بھی شرعی حدود کے اندر ہے۔ لہذا رخصت کے پہلو پر بھی غور کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اگرچہ سابق فقہاء کرام کی نگاہ میں رخصت ایک ضعیف پہلو ہے لیکن ابتلاء عام اور حاجت کے وقت دفع حرج کیلئے قول ضعیف پر بھی سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ تداوی بالحرام کے سلسلے میں علامہ شامی کی ایک عبارت سے بھی رخصت کا پہلو اجاگر ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں:

اختلف في التداوي بالمحرم فظاهر المذهب المنع وقيل يرخص اذا علم فيه الشفاء ولم يعلم

تداوی بالمحرم کے سلسلے میں اختلاف ہے ظاہر مذہب منع ہے۔ رخصت کا بھی قول ہے جبکہ اس میں شفاء کا علم ہو

---

[1] ردالمحتار ج ۱ ص ۲۱۰ [2] ج ۵ ص ۲۲۵

دواء آخر کما رخص فی الخمر للعطشان ؎ — اور کوئی دوسری دوا نہ معلوم ہو جیسے پیاسے کیلئے شراب کی اجازت دی گئی۔

کتب فقہ کی تصریحات سے ظاہر یہی ہے کہ فقہاء نے تداوی بالمحرمات کو کثرت سے حرام اور ناجائز ہی لکھا ہے خود اسلامی فقہ کے عظیم محقق امام احمد رضا قدس سرہ نے بھی صراحت کے ساتھ ناجائز اور اشد حرام تحریر فرمایا۔ الکحل اسپرٹ وغیرہ سے متعلق بھی امام موصوف بڑی شدت کے ساتھ ناجائز اور حرام ہی کا فتویٰ صادر فرماتے۔

لیکن میرے خیال سے یہ اس وقت کی بات ہے جب ان اشیاء میں ابتلاء عام نہیں تھا۔ طب یونانی کے دور عروج اور ماہر حاذق حکماء کی موجودگی میں اکثر امراض کا علاج ان اشیاء سے بھی ہو جاتا تھا۔ اسی لئے سد باب ذرائع کے لئے علماء رخصت کا فتویٰ نہیں دیتے۔ ورنہ انھیں علماء و فقہاء کے دور کو سامنے رکھیں تو صد ہا نظیریں ملیں گی جنھیں انھوں نے ناجائز ہونے کے باوجود ابتلاء عام کی وجہ سے اور دفع حرج کیلئے رخصت کا فتویٰ دیا یہ اپنی جگہ مسلم ہے۔ کم من احکام تختلف باختلاف الزمان والمکان۔ ممکن ہے ان کے دور میں نہ حرج رہا ہو نہ ابتلاء عام۔ لیکن آج جب حرج اور ابتلاء عام متحقق ہے تو آج بھی عدم جواز ہی کا فتویٰ دینا میرے خیال سے پوری قوم مسلم کو ابتلائے آثام کرنا ہے۔ ماضی قریب کے عبقری فقیہ مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہ کے فتاویٰ سے ان صورتوں میں بڑی صراحت کے ساتھ حکم رخصت موجود ہے۔ یہاں پر چند اقتباسات ہدیۂ ناظرین کر رہا ہوں جن میں عموم بلوی، تداوی عدم سکر کی صورت میں رخصت مستفاد ہے۔

فتاویٰ رضویہ جلد یازدہم میں اسپرٹ سے متعلق ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔ فقیر کے نزدیک صرف کپڑوں میں عموم بلویٰ حکم طہارت ہے۔

افیون وغیرہ کو بغرض دوا استعمال سے متعلق سوال کے جواب میں یوں رقم طراز ہیں۔ کہ اگر دوا کے لئے کسی مرکب میں افیون یا بھنگ یا چرس کا اتنا جز ڈالا جائے کہ جس کا عقل پر اصلاً اثر نہ پڑے۔ حرج نہیں۔

ناظرین غور فرمائیں کہ عموم بلویٰ حکم طہارت ہے لیکن صرف کپڑوں میں۔ یہ اس لئے کہ امام موصوف کے دور میں عموم بلویٰ صرف کپڑوں کی حد تک رہا ہوگا۔ لیکن آج جب کپڑوں کی طرح دواؤں میں بھی عام ابتلاء ہے تو یہاں بھی عموم بلویٰ سے حکم طہارت و حلت ثابت۔ خواہ مائعات ہو یا جامدات، حکم حلت و طہارت کی علت عموم بلویٰ ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ غیر خمر مثلاً افیون بھنگ چرس وغیرہ اگر حد سکر کو نہ پہنچے ہوں ان کا عقل پر اصلاً اثر نہ پڑتا ہو تو امام موصوف سے بغرض دوا کسی مرکب میں ملا کر حکم جواز ثابت۔ لہٰذا الکحل اسپرٹ، ٹنکچر وغیرہ بھی جب غیر خمر ہیں یعنی مجازاً خمر ہیں۔ تو یہ بھی اگر کسی مرکب میں بغرض دوا استعمال کئے گئے تو کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے کہ ان کا بھی عقل پر اصلاً اثر نہیں پڑتا ؎

مولانا آل مصطفیٰ مصباحی
استاذ جامعہ امجدیہ گھوسی

الکحل

سوالات :-

(۱) الکحل ، اسپرٹ ، اور ٹنکچر کیا شرعی نقطۂ نگاہ سے "خمر" ہیں ـــــــ ؟

(۲) اگر یہ خمر نہیں ہیں تو کیا ان شرابوں میں سے ہیں جن کی حرمت پر ہمارے ائمہ کرام کا اتفاق ہے۔ گو وہ حرمت ظنی و اجتہادی ہی سہی ـ ؟

(۳) یا ان کا شمار ان مشروبات سے ہوگا جو شیخین رحمہا اللہ کے نزدیک حد اسکار سے کم میں اغراض صحیحہ کے لئے حلال ہیں۔ لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ بھی شراب ہیں اور ناپاک و حرام ـ ؟

(۴) شراب کی مختلف قسم سے ہونے کی تقدیر پر کیا آج کے زمانے میں ایسی شرابوں سے مخلوط دواؤں میں عموم بلویٰ کی حالت پیدا ہو چکی ہے ، یا نہیں ـــ ؟

(۵) اگر عموم بلویٰ کی حالت پیدا ہو چکی ہے تو کیا آج کے زمانے میں دواؤں کے استعمال کی حد تک مذہب شیخین پر عمل اور فتویٰ جائز ہوگا ، یا نہیں ـــ ؟

(۶) امام احمد رضا قدس سرہٗ نے صرف رنگین کپڑوں کے بارے میں حکم طہارت دیا ہے لیکن آج کل دوسری اشیاء ـ مثلاً دیوار ، دروازے ، کرسیاں ، پلنگ ، میز وغیرہ ـ بھی مختلف قسم کے رنگوں سے مزین کئے جاتے ہیں ، ان کے بارے میں کیا حکم ہوگا ـــ ؟

امید کہ مسئلے کے تمام گوشوں کا تحقیقی جائزہ لے کر جواب ارقام فرمائیں گے ـ

خمر کی ماہیت

الجواب (۱) :ـــ الکحل ، اسپرٹ ، ٹنکچر شرعی نقطۂ نگاہ سے خمر نہیں۔ فقہائے احناف کے نزدیک ـ خمر کا ایک متعین مفہوم ہے ـــ یعنی ـ انگور کا کچا پانی جس میں جوش آکر تیزی پیدا ہو جائے

اور جھاگ پھینک دے۔ فقہ حنفی کی تمام مشہور و معتمد کتابوں میں خمر کی یہی ماہیت بتائی گئی ہے۔ "ھی النی من ماء العنب اذا غلی واشتد وقذف بالزبد"۔ صاحبین رحمہا اللہ کے نزدیک جوش اور تیزی پیدا ہو جانے کے بعد جھاگ پھینک کر صاف ستھرا ہونا خمر حقیقی ہونے کے لئے شرط نہیں۔ عالمگیری میں ہے :۔

"وقذف بالزبد ولکن عند العلیان عند ابی حنیفة وعندھما اذا غلی واشتد فھو خمر وان لم یقذف بالزبد"۔ (ج ۳ ص ۱۳۸)

خمر کی حقیقت محض وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی اس کے علاوہ دوسری شرابوں پر اس کا اطلاق حقیقتاً نہیں بلکہ مجازاً ہوتا ہے۔ درمختار میں علامہ محمد بن علی دمشقی فرماتے ہیں "وقد تطلق الخمر علی غیر ما ذکر مجازاً"۔ خاتم الفقہاء علامہ ابن عابدین شامی (متوفی ۱۲۵۲ھ) کی مندرجہ ذیل تحقیق سے اس کی پوری وضاحت ہو جاتی ہے۔ آپ رقمطراز ہیں :۔

(قوله وقد تطلق الخ) قال فی المنح هذا الاسم خص بالشراب باجماع اهل اللغة ولا نقول ان کل مسکر خمر لاشتقاقه من مخامرة العقل فان اللغة لا یجری فیه القیاس فلا یسمی الدن قارورة لقرار الماء فیه واما قوله صلی الله علیه وسلم کل مسکر خمر وکل مسکر حرام وقوله ان من الحنطة خمرا وان من الشعیر خمرا ومن الزبیب خمرا ومن العسل خمرا فجوابه ان الخمر حقیقة تطلق علی ما ذکرنا وغیرہ فکل واحد له اسم مثل المثلث والباذق والمنصف ونحوها واطلاق الخمر علیها مجاز وعلیه یحمل الحدیث اھ"

(رد المحتار ج ۵ ص ۳۱۱)

خمر کا مندرجہ بالا مفہوم حقیقی شراب کے ساتھ خاص ہونے پر علمائے لغت کا اجماع ہے۔ ہر نشہ آور چیز کو خمر اس لئے نہیں کہا جاتا کہ وہ مخامرۃ العقل (عقل کو ڈھانپ دینے والی) سے مشتق ہے کیونکہ یہ لغوی اعتبار سے قیاس کر کے ہر نشہ آور چیز کو خمر کہنا ہوا حالانکہ لغت میں قیاس جاری ہی نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ کسی علت مشترکہ پانی کا قرار پا جانا کے ہوتے ہوئے بھی مٹکا کو قارورہ نہیں کہا جائے گا۔ رہا یہ سوال کہ حدیث پاک میں ہے ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ نیز حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد۔ گیہوں ہو یا کشمش ہو یا شہد ان سب سے خمر تیار ہوتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ خمر اپنی حقیقت کے لحاظ سے تو صرف مذکورہ بالا مفہوم ہی پر بولا جاتا ہے اسکے علاوہ دیگر مشروبات کیلئے الگ الگ نام ہیں۔ مثلث۔ باذق۔ منصف وغیرہ۔ اور ان مشروبات پر خمر کا اطلاق محض مجازاً ہوتا ہے اور معنی مجازی کے اعتبار سے حدیث پاک میں بھی بقیہ شرابوں کو خمر کہدیا گیا ہے۔

شراب نوشی کی مذمت

منظر شرع میں شراب (خمر) نوشی نہایت قبیح اور مذموم فعل ہے جس کی مذمت قرآن کریم میں وارد۔ ارشاد ہے:

انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطن فاجتنبوہ (سورۂ مائدہ پ۷)

شراب اور جوا، اور بت اور پانسے ناپاک ہی ہیں، شیطانی کام تو ان سے بچتے رہنا۔

بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے:

لایشرب الخمر حین یشربها وهو مؤمن (۱) (رواہ البخاری عن ابی ہریرۃ)

شراب نوش کرتے وقت شرابی کا ایمان ٹھیک نہیں رہتا۔

لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم فى الخمر عشرة عاصرها ومعتصرها وشاربها وحاملها والمحمولة اليه وساقيها وبائعها وآكل ثمنها والمشترى لها والمشتراة له۔ (۲)

شراب کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس پر لعنت فرمائی، جو شراب کیلئے شیرہ نکالے، جو نکلوائے، جو پیئے، جو اٹھا کر لائے، جس کے پاس لائی جائے، جو پلائے، جو بیچے، جو دام کھائے، جو خریدے، اور جس کے لئے خریدی جائے۔

خمر کے احکام

شریعت طاہرہ میں خمر کے احکام دوسری شرابوں سے مختلف اور سخت ہیں۔ (۱) خمر کی حرمت قطعی۔ بلکہ ضروریات دین سے ہے۔ (۲) خمر کا حلال جاننے والا کافر ہے۔ (۳) خمر کی نجاست بالاتفاق نجاست غلیظہ ہے۔ (۴) خمر کی حرمت معلول بعلت اسکار نہیں۔ بلکہ حرام لعینہ ہے اسی لئے خمر کا ایک قطرہ بھی اگر کوئی پی لے تو اس پر حد جاری کی جائے گی۔ ہدایہ میں ہے:

ان عينها حرام غير معلول بالسكر، انها نجسة نجاسة غليظة كالبول، انه يكفر مستحلها سقوط تقومها فى حق المسلم، وحرمة الانتفاع بها، ويحد شاربها وان لم يسكر منها۔

ملخصاً (ہدایہ ج۴ ص ۴۹۲)

(۵) یہی وجہ ہے کہ خمر کا نہ تو داخلی استعمال درست ہے اور نہ ہی خارجی۔ فقہاء مطلق فرماتے ہیں:

لایجوز الانتفاع بها — خمر سے کسی طرح کا انتفاع روا نہیں۔

علامہ طحطاوی حاشیہ درمختار میں فرماتے ہیں:

(وحرم الانتفاع بها) ولو لسقى دواب او لطين او نظر للتلهى او فى دواء او

خمر سے نفع اٹھانا حرام ہے جانوروں کو پلائی جائے یا مٹی تر کی جائے بطور لہو ولعب استعمال کیا جائے یا

دھن او طعام او غیر ذالک الا للتخلیل او لخوف عطش لقدر الضرورة ولو حرا او (۱) بخاری ج ۲ ص ۸۳۶

بطور دوا، تیل، کھانا اور اس کے علاوہ دیگر تمام صورتیں حرام و ناجائز ہیں البتہ اس سے سرکہ بنانا شدت پیاس کے وقت بقدر ضرورت پینا جائز ہے، ضرورت سے زیادہ نشہ کی مقدار تک پینے سے حد واجب ہوگی۔ خمر سے مٹی تر کرنا۔ (۳)

فسکو تحنہ۔ او لبل طینہ۔ او فی دواء فی بدنہ ولو باحتقان او فی دبر دابتہ۔ هندیہ ولا یجوز الامتشاط بھا کما ھو عادة بعض النساء رغبة فی بریق الشعر۔ (طحطاوی ج ۴ ص ۲۲۳)

یا بدن کے اندر دوا کی غرض سے اُسے پہونچانا حقنہ لینا، یا جانوروں کے دبر میں اسے داخل کرنا یہ سب حرام و ناجائز ہیں۔ اسے کنگھا کرنے میں استعمال کرنا بھی جائز نہیں جیسا کہ بعض عورتیں بال بڑھانے کی غرض سے کیا کرتی ہیں۔

علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

عند اھل السنة والجماعة القلیل منھا والکثیر فی الحرمة وجمیع ما ذکرنا من الاحکام سواء۔ (مبسوط ج ۲۴ ص ۳)

خمر خواہ کم ہو یا زیادہ حرام ہونے اور جملہ احکام میں برابر ہے۔ یہی اہلسنت وجماعت کا موقف ہے۔

شدتِ پیاس کی ضرورت و مجبوری کے علاوہ خمر کے استعمال کی حرمت بحث و اختلاف سے بالاتر ہے۔ خواہ استعمال داخلی ہو یا خارجی، براہ راست ہو۔ یا کسی دوسری شے میں بطور جزو شامل کر کے۔

خمر کی مذکورہ فقہی تشریحات کے بعد۔ الکحل۔ اسپرٹ۔ ٹنچر کی ماہیت اور اس کی کیفیت ترکیب اختصار کے ساتھ ذیل میں بیان کی جا رہی ہے۔ تاکہ اس کی روشنی میں یہ فیصلہ کیا جا سکے کہ ان تینوں شرابوں میں سے کوئی بھی خمر حقیقی کے دائرہ میں کیوں نہیں آتا؟

الکحل بنانے کا طریقہ

علم الکیمیا کے ماہرین الکحل بنانے کا جو طریقہ بتاتے ہیں۔ ہم یہاں مختصراً نقل کر رہے ہیں۔

گنا، مہوہ، آلو، چقندر یا جس چیز کے رس یا شیرے سے الکحل بنانا مقصود ہوتا ہے۔ اسے کسی برتن میں بند کر کے ایک مقررہ مدت تک سڑایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس میں کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔ پھر اسے پائپ کے ذریعہ گذار کر دوسرے برتن میں محفوظ کر لیا جاتا ہے یہ بھاپ

لے جسے خمیر کہا جاتا ہے۔

دوسرے برتن میں پانی کے قطرات کی شکل میں ٹپکتی ہے۔ یہی جمع شدہ بھاپ، یا قطرات الکحل کہلاتے ہیں: (ماخوذ از سوالنامہ)

اسپرٹ کی ماہیت

اسپرٹ۔ اور۔ الکحل کے بنیادی اجزاء میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ محض جزوی فرق ہوتا ہے۔ دونوں کی حقیقت ایک ہی ہوتی ہے۔

ٹینچر کی ماہیت

ٹینچر کی وجہ تسمیہ بتاتے ہوئے "مخزن الادویہ" کے مصنف رقمطراز ہیں:

"انگریزی لفظ ٹینچر اور اس کے مترادف عربی لفظ صبغہ کے لغوی معنی رنگ کے ہیں۔ چونکہ اس قسم کا مرکب بنانے کے لئے جب ادویہ کو الکحل میں بھگوتے ہیں۔ تو اس میں انکے اجزائے موثرہ کے تحلیل ہوجانے کے علاوہ ان کی رنگت بھی آجاتی ہے یعنی وہ الکحل رنگین ہوجاتا ہے۔ اسلئے انگریزی و عربی میں اس کو ایسے نام سے موسوم کیا گیا"

اس اقتباس سے ٹینچر کی کیفیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ مزید وضاحت کے لئے علم الکیمیا کے ماہرین کا درج ذیل اقتباس ملاحظہ ہو:

"کسی چیز مثلاً پتی (جو ایک مفرد دوا ہے) کا جب عرق کشید کرنا ہوتا ہے تو اسے پکچا کر الکحل میں بھگویا جاتا ہے۔ الکحل اس دوا یا پتی کے ایک ایک رگ و ریشہ میں پہنچ جاتا ہے۔ اور اس کے ذریعہ پتی کا سارا عرق بآسانی کشید کر لیا جاتا ہے ــــ الکحل کے علاوہ کوئی چیز ایسی نہیں جو پتی کے اندر اس طرح سرایت کرجائے۔ جتنی الکحل سرایت کرتا ہے اس لئے مفرد ادویہ کو الکحل میں بھگویا جاتا ہے تاکہ ان کے تمام اجزائے مفیدہ بآسانی کشید ہوجائیں" (ماخوذ از سوالنامہ)

الکحل، اسپرٹ اور ٹینچر کی ماہیتوں پر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سب گویا ایک درخت کی متعدد شاخیں یا بلفظ دیگر ایک ہی مادہ کی مختلف شکلیں ہیں۔ جن میں بنیادی اعتبار سے کوئی فرق نہیں فرق صرف جزوی امور میں ہے۔ اسپرٹ یا الکحل کو جڑ اور بنیاد کی حیثیت حاصل ہے بقیہ دونوں شرابیں اسی جڑ کی دو الگ الگ شاخیں ہیں۔ اس لئے جو حکم اسپرٹ یا الکحل کا ہوگا وہی بقیہ دونوں شرابوں کا بھی۔

خمر کی فقہی ماہیت اور الکحل وغیرہ کے بنانے کے طریقوں کو سامنے رکھنے سے یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ ان تینوں شرابوں میں سے کوئی بھی خمر حقیقی کے دائرہ میں نہیں آتا۔ ہاں اگر انھیں خمر کہا جاسکتا ہے تو محض مجازاً۔ اس لئے خمر کے مذکورہ احکام ان شرابوں پر لاگو نہ ہونگے۔

خمر، الکحل میں فرق

خمر اور الکحل وغیرہ (تینوں شرابوں) کے درمیان کم از کم تین جوہری فرق موجود ہے

(۱) خمر صرف انگور سے تیار ہوتا ہے۔ جبکہ الکحل گنا، مہوہ، چقندر، آلو وغیرہ

ان تمام اشیاء سے جن میں شکر پائی جاتی ہے۔

(۲) خمر انگور کا کچا پانی ہوتا ہے۔ جبکہ الکحل تیار ہونے کے لئے اس کے مادوں کو آگ میں پکا کر اسے مخصوص درجۂ حرارت تک پہونچانا ضروری ہوتا ہے۔

(۳) مذکورہ طریقوں کے بعد بھاپ سے جو قطرات جمع ہوتے ہیں۔ وہی الکحل کہلاتے ہیں اور خمر کی یہ ماہیت نہیں۔ وہ تو انگور سے نچوڑا ہوا کچا شیرہ ہوتا ہے جس میں تیزی آجائے اور جھاگ پھینک دے۔

یہ بات بھی اپنی جگہ صحیح معلوم ہوتی ہے کہ انگور کے شیرہ سے تیار شدہ الکحل چونکہ بے حد گراں ہوتا ہے۔ اس لئے عام طور پر دواؤں میں ایسا الکحل نہیں ڈالا جاتا۔ ورنہ دوا کی قیمت کئی گنا زائد ہو جائے۔ اور اگر کسی دوا میں انگوری شراب (Wain Alcohol) ڈالا بھی جاتا ہو۔ تو اس کا حکم دوسری عام الکحل آمیز دواؤں سے مختلف نہ ہوگا۔ کیونکہ۔ الکحل بنانے کا جو طریقہ علم الکیمیا کے ماہرین بتاتے ہیں۔ اسکی روشنی میں خود انگور سے تیار شدہ الکحل خمر حقیقی کے دائرہ میں نہیں آتا۔ آگ پر پکانے نیز بھاپ کے ذریعہ منتقل کرنے میں خمر کی ماہیت شرعیہ بدل جاتی ہے ——— محقق علی الاطلاق علامہ ابن ہمام کی مندرجہ ذیل۔ بحث ،، سے بھی اس کی مکمل تائید ہوتی ہے۔ لفظ باذق ،، کے سلسلے میں صاحب ،، الفائق ،، پر رد کرتے ہوئے وہ رقمطراز ہیں :

قال فی الفائق هو تعریب باذه وهو الخمر. اقول فیما ذکر فی الفائق نظر لان الخمر علی ما تقرر هی النیئ من ماء العنب اذا صار مسكرًا والمطبوخ ليس بنيئ قطعا. والباذق اسم لطبخ من عصير العنب. ادنى طبخة فليس بخمر لا محالة ولهذا قال المصنف واما العصير اذا طبخ فی مقابلة قوله — واما الخمر فكيف يتصور ان يكون الباذق تعريب باذه بمعنى الخمر۔

صاحب الفائق نے باذق کو باذہ کی تعریب بتایا ہے یعنی خمر . . . . میں کہتا ہوں کہ۔ فائق ،، میں جو بیان کیا گیا ہے اسمیں نظر ہے۔ اسلئے کہ خمر نام ہے انگور کے کچے پانی کا جبکہ نشہ آور ہو جائے۔ اور جسے پکایا گیا ہو وہ نئی ، (کچا شیرہ) نہیں ہو سکتا۔ اور باذق نام اس شیرۂ انگور کا ہے جسے معمولی پکایا گیا ہو۔ تو اسے خمر کہا ہی نہیں جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ مصنف نے عصیر ،، پکے ہوئے شیرہ کو، خمر کے مقابلہ میں رکھا ہے تو باذق۔ باذہ بمعنی خمر کی تعریب ہونا کیونکر درست ہوگا ؟

(فتح القدیر ج ۹ ص ۲۹)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ شیرۂ انگور کو پکا دینے کے بعد خمر کی ماہیت دوسری ماہیت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

خمر کی حرمت تو اصحاب مذہب سے خود منقول چنانچہ عامۂ متون میں امام اعظم اور ان کے شاگردوں سے خمر کی جو تعریف منقول ہے اس میں "النیئ" کا لفظ صراحتاً موجود ہے۔ امام ابن ہمام کی ذیل میں ذکر کردہ توجیہ سے بھی یہی ظاہر ہے۔ وہ رقمطراز ہیں: اللھم الا ان یکون ماذکر فی الفائق مبنیا علی ما قاله بعض الناس من ان الخمر اسم لکل مسکر لا علی ما ھو المحقق عندنا من کونھا اسما خاصا للنئ من ماء العنب اذا اسکر۔ (فتح القدیر جلد ۹ ص ۲۹)

ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ فائق میں جو مذکور ہے۔ وہ بعض لوگوں کا قول ہے۔ جو ہر نشہ آور کو خمر کہہ دیا کرتے ہیں۔ اس کی بنا احناف کے قول محقق پر نہیں۔ احناف کا قول محقق یہ ہے کہ خمر ایک مخصوص نام ہے جس کا اطلاق اس کچے شیرۂ انگور پر ہوتا ہے۔ جو مسکر ہو۔ ان بنیادی اور جوہری فرق کے ہوتے ہوئے الکحل، اسپرٹ، ٹینچر کو ہرگز خمر نہیں کہا جا سکتا۔

الجواب (۲) :- الکحل، اسپرٹ، ٹینچر، یہ تینوں ان شرابوں میں سے نہیں ہیں۔ جن کی حرمت پر ہمارے ائمہ کرام کا اتفاق ہے۔ خمر کے علاوہ جن شرابوں کی حرمت پر ہمارے ائمہ کرام کا اتفاق ہے۔ ان کی ماہیتوں اور احکام پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ الکحل، اسپرٹ، ٹینچر کی حقیقت ان شرابوں سے مختلف ہے۔ جن کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

(۱) **عصیر** :- انگور کا وہ شیرہ جسے دھوپ یا آگ میں پکا کر دو تہائی سے کم جلا دیا گیا تو اسی عصیر کو باذق کہتے ہیں۔ العصیر یطبخ حتی یذھب أقل من ثلثیه ویصیر مسکرا۔ ویسمی الباذق والمنصف ایضا الذاھب النصف والباذق الذاھب مادونه والحکم فیھما واحد۔ ملخصاً[۱]

(۲) **سکر** :- (نقیع التمر) تر کھجور کا کچا پانی، جس میں جوش آکر تیزی پیدا ہو جائے، اور جھاگ پھینکنے لگے۔ ھوالنئ من ماء الرطب اذا اشتد وقذف بالزبد۔[۲]

(۳) **نقیع الزبیب** :- خشک انگور کا کچا پانی جس میں جوش آکر تیزی پیدا ہو جائے۔ اور جھاگ پھینکے۔ وھوالنئ من ماء الزبیب بشرط ان یقذف بالزبد بعد الغلیان۔[۳]

احکام ائمہ احناف اس بات پر متفق ہیں کہ یہ تینوں شرابیں حرام ہیں۔ مگر یہ حرمت قطعی نہیں بلکہ ظنی و اجتہادی ہے۔ اس لئے ان کے احکام میں وہ شدت نہیں رہ جاتی جو خمر میں ہے۔ علامہ برہان الدین مرغینانی تمر- اور مذکورہ شرابوں کے درمیان فرق کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

---

[۱] درمختار و رد المحتار ۳۲۱/۵ [۲] ایضاً [۳] ایضاً۔

حرمة هذه الاشربة دون حرمة الخمر حتى لا يكفر مستحلها ويكفر مستحل الخمر لان حرمتها اجتهادية وحرمة الخمر قطعية ولا يجب الحد بشربها حتى يسكر ويجب بشرب قطرة من الخمر ونجاستها خفيفة فى رواية وغليظة فى اخرى ونجاسة الخمر غليظة رواية واحدة ويجوز بيعها ويضمن متلفها عند ابى حنيفة خلافا لهما فيهما لانه مال متقوم وما شهدت دلالة قطعية بسقوط تقومها بخلاف الخمر غير ان عنده يجب قيمتها لا مثلها على ما عرف ولا ينتفع بها بوجه من الوجوه لانها محرمة وعن ابى يوسف انه يجوز بيعها اذا كان الذاهب بالطبخ اكثر من النصف دون الثلثين "

(هداية ج ۴ ص ۴۹۵)

مذکورہ شرابوں (عصیر، نقیع التمر، نقیع الزبیب) کی حرمت خمر کی حرمت سے کم ہے۔ ان شرابوں کے حلال جاننے والوں کی تکفیر نہیں کی جائیگی۔ جبکہ خمر کے حلال جاننے والے پر حکم کفر عائد ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ ان شرابوں کی حرمت اجتہادی ظنی ہے اور خمر کی حرمت قطعی۔ ان شرابوں کے پینے پر حد اس وقت جاری کی جائیگی جب نشہ طاری ہو جائے۔ جبکہ ایک قطرہ خمر بھی پی لے تو حد جاری کی جائیگی۔ ان شرابوں کی نجاست ایک روایت کے مطابق خفیف دوسری روایت کے مطابق غلیظ، اور خمر کی نجاست باتفاق روایات غلیظ ہے۔ امام اعظم کے نزدیک انکی بیع درست، اور تلف کرنے والے پر ضمان واجب صاحبین کا ان دونوں مسئلے میں اختلاف ہے۔ کیونکہ یہ مال متقوم ہے، اور اس کے غیر متقوم ہونے پر کوئی قطعی دلالت شاہد نہیں۔ اور خمر میں یہ بات نہیں۔ ہاں امام اعظم کے نزدیک اتلاف کی صورت میں ان کی قیمت واجب ہوگی مثل نہیں جیسا کہ معروف ہے۔ اور حرام ہونے کی بنا پر کسی طرح ان سے نفع نہیں اٹھایا جاسکتا۔ اور امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ ہیکہ ان کی بیع اس وقت درست ہے جب پکا کر آدھا سے زیادہ دو تہائی سے کم جلا دیا جائے۔

عالمگیری میں ہے :

وحكى عن الفقيه انه قال على قول ابى حنيفة وابى يوسف يجب ان يكون نجسا نجاسة خفيفة والفتوى على انه نجس نجاسة غليظة ويجوز بيع الباذق والمنصف والسكر ونقيع الزبيب ويضمن متلفها فى قول ابى حنيفة خلافا لهما والفتوى على قوله فى البيع اما فى الضمان ان كان المتلف قصد الحسبة وذالك يعرف بقرائن الاحوال فالفتوى على قولهما وان لم يقصد الحسبة فالفتوى على قوله ايضا

(كذا فى الظهيرية) جلد ۵ ص ۴۱۰)

مذکورہ بالا عبارت سے مندرجہ ذیل احکام معلوم ہوئے۔

(۱) ان شرابوں کا حلال جاننے والا کافر نہیں۔

(۲) حد اسکار ہے کہ اس کے پینے پر حد جاری نہیں کی جائے گی۔
(۳) ان شرابوں کی نجاست کے غلیظ اور خفیف ہونے میں روایتیں مختلف ہیں۔

الکحل ..... اور مذکورہ شرابوں میں وجہ فرق

الکحل، اسپرٹ اور ٹینچر کے تعلق سے جو تفصیلات جواب (۱) میں مذکور ہوئیں - ان کی روشنی میں - یہ شرابیں - نہ تو عصیر ہیں - اور نہ ہی نقیع التمر - اور نہ نقیع الزبیب - الکحل عصیر نہیں ہے - اولاً اس لئے کہ عصیر صرف انگور کے شیرہ کا ہوتا ہے - لہذا - وہ الکحل جو انگور کے علاوہ گنا، مہوہ، چقندر، آلو وغیرہ شیریں مادوں سے بنتا ہے عصیر ہو ہی نہیں سکتا - ثانیاً اگر انگور کا شیرہ ہو جب بھی الکحل کو عصیر نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ عصیر کے لئے مخصوص درجہ حرارت یعنی دو تہائی سے کم تک جلانا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ عصیر جس کے دو تہائی حصے جلا دیئے گئے ہوں۔ اور صرف ایک تہائی باقی ہو اس میں جوش پیدا ہونے کے باوجود شیخین کے نزدیک حلال ہے۔ ہاں امام محمد کے نزدیک حرام بلکہ خود امام محمد سے اس سلسلے میں مختلف روایتیں آئی ہیں ایک روایت میں حلال دوسری روایت میں مکروہ۔ تیسری روایت میں یہ ہے کہ وہ اس مسئلہ میں توقف فرماتے ہیں۔ ہدایہ میں ہے ——— - وعصیر العنب اذا طبخ حتی ذہب ثلثاہ وبقی ثلثہ حلال وان اشتد وھذا عند ابی حنیفۃ وابی یوسف وقال محمد ومالک والشافعی م ..... وعن محمد مثل قولہما وعنہ انہ کرہ ذالک وعنہ انہ توقف فیہ۔ ملخصا

(ہدایہ جلد۴ ص-۴۹۰)

ثالثاً - الکحل کو جدید طریقہ کشید میں بھاپ کے ذریعہ مقطر کیا جاتا ہے - جس سے عصیر اور الکحل کی نوعیت میں ایک گونا اختلاف تو ضرور پایا جاتا ہے۔

نقیع التمر - یا سکر - کچے کھجور کا کچا پانی ہوتا ہے - جیسا کہ تعریف میں لفظ - نیّ - سے ظاہر ہے - اور الکحل تیار ہونے کے لئے آگ پر پکانا ضروری ہے - لہذا دونوں کی ماہیت مختلف ہوئی۔

نقیع الزبیب - خشک انگور کا کچا پانی ہوتا ہے - کما مر آنفا۔ لہذا الکحل کی ماہیت نقیع الزبیب کی ماہیت سے میل نہیں کھاتی۔

ان تنقیحات سے واضح ہو گیا۔ کہ الکحل وغیرہ - مذکورہ بالا شرابوں سے ہرگز نہیں - لہذا ان کے وہ احکام نہ ہوں گے جو ان شرابوں کے ہیں - ؂

الجواب (۲) :- ہاں الکحل، اسپرٹ اور ٹینچر ان شرابوں میں سے ہیں جن کے نشہ کی حد سے کم پینے کی حلت و حرمت میں شیخین اور امام محمد رحمہم اللہ کا اختلاف ہے - امام محمد ان شرابوں کو بہر صورت حرام

(ناپاک ہی سمجھتے ہیں۔ فقہاء نے مختلف فیہ شرابوں کی چار قسمیں بیان کی ہیں۔
(۱) نبیذ تمر، زبیب (۲) خلیطان من الزبیب والتمر (۳) نبیذ العسل، والتین، والبر والشعیر، والذرۃ (۴) المثلث العنبی۔

(۱) نبیذ تمر — کھجور اور منقی کی نبیذ جس کو بہت ہی مختصر پکایا گیا ہو۔ خواہ اس میں تیزی آئی ہو۔ یا نہ آئی ہو۔ مگر نشہ آور نہ ہو۔ ان طبخ ادنی طبخة وان اشتد[1]

(۲) خلیطان من الزبیب والتمر — جسے معمولی پکایا گیا ہو۔ اگرچہ اس کی شدت (تیزی) آگئی ہو۔ اذا طبخ ادنی طبخة وان اشتد[2]

(۳) نبیذ العسل الخ — طبخ اولا[3] خواہ پکایا گیا ہو۔ یا پکایا نہ گیا ہو

(۴) المثلث العنبی — انگور کا وہ شیرہ جس کا دو تہائی حصہ پکا کر جلا دیا گیا ہو، اور ایک تہائی باقی رہ گیا ہو۔ ہو ما طبخ من ماء العنب حتی یذہب ثلثاہ ویبقی ثلثہ[4]

الکحل، اسپرٹ اور ٹینچر انھیں مختلف فیہ شرابوں میں سے ہیں جس کے چند وجوہ و دلائل ہیں۔
اولاً :- فقہاء احناف نے جملہ شرابوں کو تین ہی حصوں میں منقسم کیا ہے۔ ایک تو وہ جسے خمر کہا جاتا ہے۔ دوسرا۔ جن کی حرمت پر ائمہ کا اتفاق ہے۔ تیسرا۔ جن کی حلت و حرمت میں اختلاف پایا جاتا ہے — اور ہم ثابت کر آئے۔ کہ الکحل وغیرہ خمر نہیں۔ یونہی ان شرابوں میں سے بھی نہیں۔ جن کی حرمت متفق علیہ ہے۔ لہذا ثابت کہ وہ مختلف فیہ شرابوں سے ہیں۔
ثانیاً :- فقیہ اجل امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے فتاوی سے بھی یہی ظاہر و مستفاد ہے۔ آپ کے فتاوی کے چند اقتباسات ذیل میں نقل کئے جا رہے ہیں۔ "پڑیا کی نجاست پر فتوی دیئے جانے میں فقیر کو کلام کثیر ہے...... پڑیا میں اسپرٹ کا ملنا اگر بطریق شرعی ثابت بھی ہو تو اس میں شک نہیں کہ ہندیوں کو اس کی رنگت میں ابتلائے عام ہے۔ اور عموم بلوی نجاست متفق علیہا میں باعث تخفیف .... نہ کہ محل اختلاف میں جو زمانہ صحابہ سے عہد مجتہدین تک برابر اختلاف چلا آیا۔ نہ کہ جہاں صاحب مذہب حضرت امام اعظم و امام ابو یوسف کا اصل مذہب طہارت ہو۔ اور وہی امام ثالث امام محمد سے بھی ایک روایت اور اسی کو امام طحاوی وغیرہ ائمہ ترجیح و تصحیح نے مختار و مرجح رکھا ہو" الخ (فتاوی رضویہ ج ۲ ص ۳۰)

---

[1] تنویر الابصار و در مختار ج ۵ ص ۲۲۲ - [2] ایضاً - [3] ایضاً

مذکورہ فتویٰ کے خط کشیدہ عبارت سے صاف ظاہر ہے۔ کہ اسپرٹ مختلف فیہ شرابوں سے ہے۔ اور گذرگیا کہ الکحل، اسپرٹ، ٹنچر کا حکم ایک۔ جو خود امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے کلام سے مستفاد ہے۔ چنانچہ امام احمد رضا نے اسپرٹ کو نبیذوں کی روح اور سب شرابوں سے زیادہ تیز و تند قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"اسپرٹ واقعی شراب۔ بلکہ۔ سب شرابوں سے تیز و تند ہے" (فتاویٰ رضویہ ج ۱۱ ص ۸۹)

"ان اسپارتو وھی روح النبیذ خمر قطعا — اسپرٹ جو روح نبیذ ہے۔ شراب ہے بلکہ

بل من احبث الخموس" (فتاویٰ رضویہ ص ۱۳۶ ج ۲) — سب سے گندی شراب"

جب اسپرٹ مختلف فیہ شرابوں سے ہوئی۔ تو۔ الکحل، ٹنچر بھی بلا شبہ انھیں شرابوں کی قسم ہے۔ بلکہ ایک فتویٰ میں آپ نے صراحۃً انگریزی دواؤں کے بارے میں ملائی گئی شرابوں کا ایک ہی حکم بیان فرمایا۔

آپ فرماتے ہیں:۔ "انگریزی دواؤں میں جتنی دوائیں رقیق ہوتی ہیں۔ جنھیں ٹنچر کہتے ہیں۔ ان سب میں یقیناً شراب ہوتی ہے اور وہ سب حرام الخ" (فتاویٰ رضویہ)

مذکورہ بالا تنقیحات کے بعد یہ بات بخوبی ثابت ہوگئی۔ کہ۔ الکحل، اسپرٹ، ٹنچر یہ سب ان شرابوں سے ہیں۔ جن کی حد اسکار سے کم حلت و حرمت میں شیخین اور امام محمد رحمہم اللہ کا اختلاف ہے۔۔۔۔

اب ان تصریحات کے بعد مختلف فیہ شرابوں کے احکام۔ پھر فقہائے احناف کی ترجیحات تیز وجوہ ترجیحات تفصیل سے بیان کئے جارہے ہیں۔ تاکہ مسئلہ دائرہ کا شرعی حل تلاش کرنے میں پوری مدد مل سکے۔

مختلف فیہ مشروبات کے احکام

ہمارے ائمہ احناف کے آراء چونکہ اس باب میں مختلف ہیں اسلئے ضروری ہے کہ پہلے ان کے موقف و مسلک کی تفصیلات پر نظر ڈالی جائے ۔۔۔ اس پر تو شیخین (امام اعظم امام ابو یوسف) اور امام محمد علیہم الرحمہ سب کا اتفاق ہے کہ ان مشروبات کو نشہ کی حد تک پینا حرام ہے۔ یونہی۔ اس پر بھی سب کا اتفاق ہے۔ کہ۔ اگر نشہ کی حد سے کم لہو و لعب کی غرض سے نوش کی جائے جب بھی حرام ۔۔۔۔ اختلاف اس بات پر ہے کہ اگر ان مشروبات کو نشہ کی حد سے کم غرض صحیح مثلاً دوا، صحت و قوت، اصلاح معدہ یا دیگر جائز مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے۔ تو یہ جائز ہوگا یا وہی سابقہ حکم حرمت عائد ہوگا؟ ۔ امام محمد علیہ الرحمہ اس صورت میں بھی حرمت و نجاست کا حکم دیتے ہیں۔ صاحب جامع الرموز نے علمائے احناف کے اختلاف کی طرف یوں روشنی ڈالی ہے۔

"وحل العصیر المثلث ونبیذ التمر والزبیب مطبوخا ادنیٰ طبخة وان اشتد بلانیة لھو ولاطرب عند الشیخین ویحرم عند محمد۔ وفیہ اشعار بان عینه حلال

كما فى السراجية فان تقيد به استمراء الطعام او التقوى فى الليالى على القيام او فى الايام على الصيام او على القتال لاعلاء الاسلام او التداوى لدفع الآلام فهو المحل للخلاف بين علماء الأنام ۔ (جامع الرموز ج۲ ص ۱۸۷)

ھدایہ میں ہے :

قال فى المختصر و نبيذ التمر والزبيب اذا طبخ كل واحد منهما ادنى طبخة حلال وان اشتد (وغلا وقذف بالزبد) اذا شرب منه ما يغلب على ظنه انه لايسكر. من غير لهو ولاطرب وهذا عند ابى حنيفة وابى يوسف وعند محمد والشافعى حرام ..... ولابأس بالخليطين . ونبيذ العسل ونبيذ الحنطة والذرة والشعير حلال وان لم يطبخ وهذا عند ابى حنيفة وابى يوسف رحمهما الله اذا كان من غير لهو و طرب ۔ ملخصًا (ص ۴۹۶ ج ۴)

مختصر میں فرمایا ۔ تر اور خشک انگور کی نبیذ جب معمولی پکالی جائے تو حلال ہے ۔ اگرچہ اس میں شدت اور جوش پیدا ہو جائے ۔ اور جھاگ پھینکدے جب اسے یہ ظن غالب ہو کہ اتنی مقدار نشہ نہ لائے گی ۔ یونہی کھیل اور مستی کے لئے نہ پیئے ۔ یہ امام اعظم ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف علیہما الرحمہ کا مسلک ہے ۔ اور امام محمد اور شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک حرام ہے تخلیطین شہد کی نبیذ اور انجیر، گیہوں، مکئی، جو کی نبیذ حلال ہے اگرچہ نہ پکائی جائے ۔ اور یہ امام اعظم ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کا قول ہے ۔ بشرطیکہ لہو طرب کے لئے نہ ہو ۔

فائدہ ان عبارتوں سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ ہمارے تینوں ائمہ کا اس پر اجماع مؤلف ہے کہ ان چاروں مشروبات کا حکم ایک ہے ۔ لہذا اگر کسی فقیہ نے مثلث عنبی یا کسی اور کے بارے میں کوئی حکم بیان کیا ہو تو وہ ان چاروں کا حکم مانا جائے گا ۔ چنانچہ علامہ طاہر بخاری حنفی نے اس کی صراحت یوں فرمائی ہے ۔ والحبوب نحو الحنطة والشعير والدخن والفواكه نحو الفرصاد والاجاص والفانيذ والشهد والالبان ونحو ذالك جعلوا هذه الاشياء نوعا واحدًا وان اختلفت اجناسها الاتحاد حكمها ۔ (خلاصة الفتاوى ص ۲۰۳)

فقہاء کی ترجیحات ہمارے علماء فقہ کی ترجیحات و تنقیحات اس باب میں مختلف ہیں ۔ عامۂ متون میں شیخین کے مسلک پر جزم و اقتصار کیا گیا ہے ۔ اکابر ائمہ ترجیح و تصحیح نے شیخین ہی کے مذہب و مسلک کو ترجیح دی ہے اور انہی کو مختار بتایا ہے ۔ چنانچہ (فقہ حنفی کی مشہور کتاب)

(۱) فتاوی عالمگیری میں ہے : « العصیر اذا شمس حتی ذهب ثلثاه یحل شربه عند ابی حنیفة وابی یوسف وهو الصحیح کذا فی الفتاوی الکبری » (ج ۳ ص ۱۳۰)

(۲) جامع الرموز جلد ۲ ص ۱۸۶ میں ہے -

« وحل عند الشیخین مالم یسکر ویحرم عند محمد والاول اصح کما فی النهایة والظهیریة وقاضیخان والکبری وفتاوی اهل سمرقند والعمیدی کما فی خزانة المفتیین وهو الصحیح لان الخمر موعودة فی العقبیٰ فینبغی ان یحل من جنسه فی الدنیا انموذجا ترغیبا کما فی المضمرات ولئلا یلزم تفسیق الصحابة رضی الله عنهم »

(۳) فتاوی قاضی خاں میں ہے :

(۳) ردالمحتار میں ہے :

« وبه یفتی ای بتحریم کل الاشربة وکذا بوقوع الطلاق فی التمر وفی النبیح وبه یفتی لان السکر من کل شراب حرام وعندهما لا یقع بناء علی انها حلال وصححه فی الخانیة » (جلد ۵ ص ۳۲۴) اور بھی دیگر حضرات نے شیخین ہی کے مسلک کو ترجیح دی ہے - خود امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کتاب الآثار میں فرماتے ہیں :

(۴) محمد قال اخبرنا ابو حنیفة عن سلیمان الشیبانی عن ابن زیاد انه افطر عند عبد الله بن عمر فسقاه شرابا له فکانه اخذه فیه فلما اصبح قال ما هذا الشراب ما کدت اهتدی الی منزلی فقال عبد الله ما زدناک علی عجوة وزبیب . قال محمد وبه ناخذ وهو قول ابی حنیفة . (ص ۱۳۰)

(۵) امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے بھی اپنے فتویٰ میں شیخین کے قول کی قوت وصلابت پر اکابرین فقہاء کی مہر تصدیق اس طرح نقل کی ہے :

« اصل مذہب کہ شیخین مذہب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے . . . . . حاشا یہ بھی قول ساقط و باطل نہیں بلکہ بہت باقوت ہے خود اصل مذہب یہی ہے اور یہی جمہور صحابہ کرام حتیٰ کہ حضرات اصحاب بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے یہی قول امام اعظم ہے ۔ عامہ متون مذہب مثل مختصر قدوری وہدایہ ووقایہ ونقایہ وکنز وغرر واصلاح وغیرہا میں اسی پر جزم واقتصار کیا اکابر ائمہ ترجیح وتصحیح مثل امام اجل ابو جعفر طحاوی وامام اجل ابوالحسن کرخی وامام شیخ الاسلام ابوبکر خواہر زادہ وامام اجل قاضی خاں وامام اجل صاحب ہدایہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسی کو راجح و مختار رکھا بلکہ خود امام محمد نے کتاب الآثار میں اسی پر فتویٰ دیا اسی کو بہ ناخذ فرمایا ۔ علمائے مذہب نے بہت کتب معتمدہ میں اس کی تصحیح فرمائی

یہاں تک کہ آگے الفاظ ترجیح علیہ الفتویٰ سے بھی تبدیل آئی ہے ـــــــ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۱ ص ۵۳-۵۴)

(۶) علامہ طحطاوی نے صاحب در مختار کی یہ تعلیق نقل فرمائی۔

۔ وصح غیر واحد قولهما وعلله فی الفتح بان الخمر موجودة فی العقبیٰ فینبغی ان یحل من جنسه فی الدنیا انموذج ترغیبا۔ (طحطاوی جلد ۴ ص ۲۲۶)

ہمارے بعض علمائے فقہ کی ترجیحات اختصار کے ساتھ بیان کی گئیں۔ اخیر میں اب متاخرین فقہاء و مفتیٰ بہ قول نقل کیا جا رہا ہے۔

متاخرین فقہاء کا فتویٰ

ہمارے متاخرین احناف نے عصری حالات کی بناء پر امام محمد کے نقطۂ نظر کی ترجیح و تصحیح فرمائی ہے۔ اور اسی پر فتویٰ دیا ہے۔ جس کی وجہ بیان کی جاتی ہے کہ اب زمانہ فساق و فجار کی کثرت کا ہے۔ جو ان شرابوں کو لہو و فساق، نشہ بازی اور دیگر غیر شرعی جذبات کی تسکین کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اس لئے ایک فساد موجود کی بناء پر یہ حرام قرار پائے گا تاکہ نشہ بازی کی وہ تمام راہیں مسدود ہو جائیں جن کی طرف مختلف نیہ مشروبات کو وسیلہ اور ذریعہ بنایا جا سکتا ہے۔

ذیل میں امام محمد کے قول سے متعلق فقہاء کی آراء ہم مختصراً نقل کر رہے ہیں۔

تنویر الابصار و در مختار میں ہے۔

۔ (وحرمها محمد) ای الاشربة المتخذة من العسل والتین ونحوهما (مطلقا) قلیلها وکثیرها (وبه یفتی) ذکره الزیلعی وغیره واختاره شارح الوهبانیة۔ (جلد ۵ ص ۳۲۲)

امام محمد نے ان مشروبات کو حرام قرار دیا ہے۔ یعنی وہ مشروبات جو شہد، انجیر وغیرہ سے بنائی جاتی ہیں۔ اور یہ حرمت علی الاطلاق قلیل و کثیر سب کو شامل ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ ذیلعی وغیرہ نے یہی ذکر کیا۔ شارح وہبانیہ نے اسی کو اختیار کیا۔

رد المحتار میں فقیہ اجل علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں۔

(قوله وغیره) کصاحب الملتقی والمواهب والکفایة والنهایة والمعراج وشرح المجمع وشرح درر البحار والقهستانی والعینی حیث قالوا الفتوی فی زماننا بقول محمد لغلبة الفساد، وعلل بعضهم التحریم مطلقا د سد الباب بالکلیة۔ (ج ۵ ص ۳۲۳)

مصنف کے قول غیرہ میں صاحب ملتقی، مواہب، کفایہ، نہایہ، معراج، شرح المجمع، شرح درر البحار، قہستانی، عینی داخل ہیں۔ چنانچہ ان حضرات نے فرمایا کہ غلبۂ فساد کی بناء پر امام محمد کے قول پر فتویٰ ہوگا۔ بعض لوگوں نے اسے مطلقاً حرام ہونے کی علت بتائی۔ اور اس دروازۂ فساد کو بالکلیہ بند کرنا پایا ہے۔

عالمگیری میں ہے۔ " والفتویٰ فی زماننا بقول محمد حتی یحد من سکر من الاشربۃ المتخذۃ من الحبوب والعسل واللبن والتین لان الفساق یجتمعون علی ھذہ الاشربۃ فی زماننا ویقصدون السکر واللھو بشربھا کذا فی التبیین " (ج ۳ ص ۱۳۰)

ہمارے زمانہ میں فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے۔ ہذا ایسے شخص پر حد جاری کی جائیگی جو دانوں، شہد، دودھ اور انجیر سے بنائی گئی شرابوں کو پی کر نشہ میں ہو جائے۔ وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں ارباب فساق ان مشروبات کو نشہ بازی اور لہو ولعب کے ارادے سے پیتے ہیں۔ تبیین میں ایسا ہی ہے "

طحطاوی علی الدر المختار میں ہے۔

قال الحموی واعلم ان الاصح المختار فی زماننا ان کل ما اسکر من الاشربۃ المذکورۃ بعمومھا کثیرۃ وقلیلۃ حرام وھو قول محمد الخ (ج ۴ ص ۲۰۰)

حموی نے کہا۔ ہمارے زمانہ میں قول اصح اور مختار یہ ہے کہ مذکورہ مشروبات میں سے جس کی کثیر مقدار عموماً نشہ لاتی ہے۔ تو اس کا قلیل مقدار میں پینا بھی حرام ہے۔ یہ قول امام محمد کا ہے۔

امام احمد رضا کا فتویٰ

امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے بھی اپنے دور وعہد کے لحاظ سے عدم جواز کے قول کو مختار اور مفتی بہ قرار دیا ہے۔ وہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں :

(۱) قول منصور ومختار میں تاڑی وغیرہ ہر مسکر پانی قطرہ قطرہ مثل شراب حرام وناروا ہے۔ اور نہ صرف حرام بلکہ پیشاب کی طرح مطلقاً نجاست غلیظہ ہے۔ یہی مذہب معتمد اور اسی پر فتویٰ ہے۔"

(فتاویٰ رضویہ جلد ۱۱ ص ۱۵)

(۲) انگریزی رقیق دوائیں جو ٹنچر کہلاتی ہیں ان میں عموماً اسپرٹ پڑتی ہے۔ اور اسپرٹ یقیناً شراب بلکہ شراب کی نہایت بدتر قسموں سے ہے۔ وہ نجس ہے۔ ان کا کھانا حرام، لگانا حرام۔ الخ (ج ۱۰ ص ۴۰)

مذکورہ بالا فقہی شہادتوں سے یہ بات کھل سامنے آجاتی ہے کہ مختلف فیہ مشروبات کی حرمت عصری تقاضے کی بنا پر ہے۔ یعنی فساق وفجار کا ان مشروبات کو اغراض فاسدہ (لہو ولعب، نشہ بازی، ہوس نفس کی تسکین) کے لئے استعمال کرنا۔ اس لئے فساد موجود یا مظنون بظن غالب کی بنا پر قول ظاہر کے خلاف فتویٰ دیا گیا ہے۔ چنانچہ علامہ شامی نے "معراج" کے حوالہ سے امام ابو حفص کا جو سوال وجواب نقل کیا ہے اس میں صاف تصریح ہے۔ وہ فرماتے ہیں :

(قوله والخلاف) أی فی اباحة الشرب من الاشربة الاربعة۔ قال فی المعراج سئل ابو حفص الکبیر عنه فقال أنهما یحلانه للاستمراء والناس فی زماننا یشربون للفجور والتلهی۔

(رد المحتار ج ۵ ص ۳۲۳)

مصنف کے قول "والخلاف" کا تعلق مذکورہ چاروں مشروبات کے مباح ہونے سے ہے۔ معراج میں کہا ابو حفص کبیر سے اس کے بارے میں پوچھا گیا۔ انھوں نے عدم جواز کا حکم دیا۔ تو ان سے کہا گیا۔ آپ تو امام اعظم اور امام ابو یوسف دونوں کی مخالفت کرتے ہیں تو انھوں نے جواب دیا کہ یہ دونوں حضرات اصلاح (طعام) کیلئے حلال قرار دیتے ہیں۔ اور اس زمانہ میں لوگ فسق و فجور اور لہو و طرب کیلئے پیتے ہیں۔"

الجواب (۴) الکحل، اسپرٹ اور ٹیجر آمیز دواؤں کے استعمال میں بلاشبہ عموم بلوی کی حالت پیدا ہو چکی ہے۔ اس کے ثبوت کے لیے ذیل میں عموم بلوی کے دائرۂ مفہوم کی تعیین نیز اس کے ضوابط بیان کیے جا رہے ہیں۔ جن سے مذکورہ شرابوں سے مخلوط دواؤں کے استعمال میں عموم بلوی کی حالت کا بھی علم ہو گا۔ اور ان دواؤں کا حکم بھی بآسانی معلوم کیا جا سکے گا۔

عموم بلوی (عرف و تعامل) کا مفہوم شرعی عموم بلوی کی تعریف یکجا طور پر کہیں نہیں ملی۔ تاہم فقیہ اجل امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے فتاوی کے مندرجہ ذیل اقتباسات اور بعض دیگر فقہاء احناف کی عبارتوں سے عموم بلوی کا صحیح مفہوم اخذ کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ (علماء نے) بیشتر لاجرم اپنے ہی قطر کے بلاد کثیرہ میں عمل غالب کا نام عرف و تعامل رکھا اور اسی کو بنائے احکام قرار دیا ہے۔ (فتاوی رضویہ ج ۱۱ ص ۲۶ - ج ۸ ص ۶۱۲)

۲۔ "علمائے کرام جس عرف عام کو فرماتے ہیں کہ قیاس پر قاضی ہے۔ اور نص اس سے متروک ہو گا مخصوص ہو سکتا ہے وہ یہی عرف حادث شائع ہے کہ بلاد کثیرہ میں بکثرت رائج ہو نہ عرف قدیم زمان رسالت علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیہ نہ عرف محیط جمیع عباد و تمام بلاد نہ عرف اعم سواد اعظم۔ کہ اولین بالاجماع اور ثالث علی التحقیق امکاناً یا وجوباً مقدم علی النص ہیں ..... ہاں عرف خاص کہ صرف دو ایک شہر کے لوگوں کا تعامل ہو۔ مذہب ارجح میں صالح تخصیص نص و ترک قیاس نہیں، اور عرف نادر کہ معدودین کا فعل ہو بالاجماع اس کے مقابل نہیں۔ ہاں صرف صورت حکم بتانے کے لئے جس میں کسی شرعی منصوص یا مقیس کی اصلاً مخالفت یا تغییر نہ ہو نہ کلیۃً نہ تخصیصاً ہر عرف مطلق مقبول۔ (فتاوی رضویہ ج ۱۱ ص ۲۱)

۳۔ "عرف عام سے ان کی مراد نہ ہرگز مستمر من زمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے، نہ عرف محیط اجماعی، نہ عرف اکثر مسلمین جملہ بلاد عالم، الخ (ج ۱۱ ص ۳۰)

۴ — عرف وتعامل میں علماء وجہلاء سب کا عملدرآمد ملحوظ ہے۔ (ج۸ ص ۲۱۳)

۵ — فتاویٰ رضویہ میں۔ فتاویٰ صفحی المستفتی عن سوال المفتی سے ہے۔

فی الافتاء بحله (شراب الدخان) دفع الحرج عن المسلمین فان اکثرهم مبتلون بتناوله۔ (ج ۱۱ ص ۴۱)

۶ — التعامل هو الاكثر استعمالاً۔ (ردالمحتار ص ۴۱-۳۳)

۷ — انما تعتبر العادة اذا اطردت او غلبت۔ (الاشباہ والنظائر)

مذکورہ بالا اقتباسات سے عموم بلویٰ کا اخذ کردہ مفہوم

عموم بلویٰ وہ امر ہے جو بلاد کثیرہ میں بکثرت رائج ہو۔ عوام وخواص سبھی اس میں مبتلا ہوں اور اس سے بچنا دشوار اور باعث حرج ہو۔

خلاصۂ کلام حالات زمانہ سے باخبر کسی بھی شخص سے یہ بات مخفی نہیں۔ کہ آج نہ صرف ہندوپاک بلکہ تقریباً تمام ممالک کے شہروں کے، قصبوں اور دیہاتوں میں عوام سے لیکر خواص تک سبھی الکحل، اور اسپرٹ آمیز دواؤں کے استعمال میں مبتلا ہیں۔ اور یونانی اطبا کی کم یابی۔ بلکہ نایابی کی بنا پر مریضوں کا ڈاکٹروں کے پاس نہ جاکر اپنے مرض کا علاج کرالینا سخت دشوار اور باعث حرج ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں عموم بلویٰ کی حالت پیدا ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا۔

الجواب :- جب یہ بات ثابت ہو چکی کہ آج کے زمانہ میں الناشراب آمیز دواؤں کے استعمال میں عرف وتعامل یا بلفظ دیگر عموم بلویٰ ہو چکا ہے۔ تو بلاشبہ دفع حرج اور عرف تعامل (جو اسباب ستہ میں سے ہیں) کی بنا پر مذہب شیخین (امام اعظم امام ابو یوسف علیہما الرحمہ) پر عمل اور فتویٰ جائز ہوگا — عرف وتعامل، ابتلائے عام، عموم بلویٰ کی بنا پر احکام شرعیہ میں تبدیلی فقہ حنفی کا ایک مسلمہ ضابطہ ہے۔ جس کے گرد بہتیرے مسائل گردش کرتے ہیں۔ اور فقہی دفاتر میں اس کے نامے نظائر بھی ملتے ہیں۔

اب ہم ذیل میں عموم بلویٰ کی بنا پر احکام میں ہونے والی تبدیلیوں کا ضابطہ پیش کر رہے ہیں ساتھ ہی اس پر وارد ہونے والے کچھ اہم شبہات کا بھی ہم جائزہ لیں گے۔ تاکہ مسئلہ دائرہ میں کوئی پیچیدگی نہ رہے۔

عموم بلویٰ کی بنا پر احکام میں تغیر کا ضابطہ :- عرف وتعامل (عموم بلویٰ) میں زمان ومکان کے

— تینوں کا مفہوم ایک ہے۔ تواسطہ

اعتبار سے تبدیلی ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں فقہائے کرام کی عبارتوں سے مندرجہ ذیل ضابطے سامنے آتے ہیں: (۱) کسی زمانہ میں ایک شئ پر عرف و تعامل نہ تھا، بعد میں اس شئ پر تعامل یا عموم بلویٰ ہو چکا۔ تو اب حکم اس عرف و تعامل سے متعلق ہو جائے گا۔ اور حکم سابق بدل جائے گا۔ (۲) حکم اصلی (مثلاً حرمت) کے برخلاف کسی چیز کا حکم (مثلاً حلت) ایک خاص زمانہ کے عرف و تعامل پر دیا گیا۔ بعد میں وہ عرف نہ رہا۔ تو عرف و تعامل کی بنا پر دیا جانے والا حکم بدل جائے گا۔ (۳) کسی جگہ ایک مخصوص امر پر تعامل ہو، دوسری جگہ نہ ہو، تو عرف و تعامل کی بنا پر جو حکم نافذ ہوگا۔ وہ صرف اسی جگہ کے لئے مخصوص رہے گا۔ اور ان جگہوں پر وہ حکم نافذ نہ ہوگا جہاں اس پر تعامل نہ ہو ـــــ رد المحتار میں ہے۔

فالظاهر اعتبار العرف فى الموضع او الزمان الذى اشتهر فيه دون غيره فوقف الدراهم متعارف فى بلاد الروم دون بلادنا ووقف الفاس والقدوم كان متعارفا فى زمن المتقدمين ولم نسمع به فى زماننا۔ فالظاهر انه لا يصح الآن و لئن وجد نادرا لا يعتبر لما علمت من ان التعامل هو الاكثر استعمالا اه (ج ۳ ص ۴۱۱)

(۴) عرف و تعامل نص کے معارض نہ ہو ورنہ مقبول نہ ہوگا ـــــ (۱) العرف اذا خالف النص يرد بالاتفاق۔ (رد المحتار) (۲) انما العرف غير معتبر فى المنصوص عليه۔ (الاشباہ والنظائر)

عرف و تعامل کی بنا پر بدلتے ہوئے احکام کی مثالیں

کتب فقہ میں اس کی صدہا مثالیں موجود ہیں۔ مسئلہ دائرہ کی وضاحت کے لئے ہم یہاں صرف تین مثالیں ذکر کر رہے ہیں:

(۱) ہمارے فقہائے احناف کا اتفاق ہے کہ بیع میں ایسی شرط جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو اور عاقدین میں سے کسی ایک کا، یا معقود علیہ کا اس سے نفع متعلق ہو، وہ بیع فاسد ہو جاتی ہے۔ لیکن ساتھ ہی فقہاء یہ بھی تصریح فرماتے ہیں کہ اگر بیع میں ایسی شرط پر تعامل و عرف ہو تو پھر بیع کے فاسد ہونے کا حکم نہیں دیا جا سکتا مثلاً فی زماننا جوتے کی بیع اس شرط پر کہ بائع تسمہ لگا دے، جائز ہے۔ ہدایہ کی مشہور عبارت ہے:-

كل شرط لا يقتضيه العقد وفيه منفعة لاحد المتعاقدين او للمعقود عليه وهو من اهل الاستحقاق يفسده الا ان يكون متعارفا لان العرف قاض على القياس۔ ملخصاً (ج ۳ ص ۵۹)

تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

اما لو جرى العرف به كبيع نعل مع شرط تشريكه فلا فساد۔ (ج ۴ ص ۱۲۷)

(۲) زمین بٹائی پر دینا امام اعظم رحمۃ اللہ کے نزدیک ممنوع و ناجائز ہے۔ اور قیاس بھی حرمت

وفساد کا مقتضی ہے۔ صاحبین علیہما الرحمہ کے نزدیک تعامل ناس کی بناپر جائز ہے۔ اور فتویٰ صاحبین کے قول پر دیا جاتا ہے :۔ ہدایہ میں ہے :

قال ابو حنیفۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ المزارعۃ بالثلث او الربع باطلۃ و قالا جائزۃ له ماروی انہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن المخابرۃ وہی المزارعۃ، لان الاجر مجہول او معدوم .... الا ان الفتوی علی قولہما لحاجۃ الناس الیہا و لظہور تعامل الامۃ بہا والقیاس یترک بالتعامل۔ ملخصا (ج ۴ ص ۴۲۵)

(۳) درخت کے کچے پھل کی بیع اصل مذہب پر ناجائز ہے۔ مگر جس زمانہ میں جہاں اس پر عرف و تعامل ہو چکا، فقہاء خاص اس جگہ کے لئے جائز قرار دیتے ہیں۔ علامہ شامی نے اس سلسلہ میں بڑی محققانہ بات کہی ہے۔ آپ فرماتے ہیں :

قلت لکن لا یخفی تحقق الضرورۃ فی زماننا لا سیما فی مثل دمشق الشام کثیرۃ الاشجار والثمار، فانہ لغلبۃ الجہل علی الناس لا یمکن الزامہم بالتخلص باحد الطرق المذکورۃ وان امکن بالنسبۃ الی بعض افراد الناس لا یمکن بالنسبۃ الی عامتہم وفی نزعہم عن عادتہم حرج :

ہمارے زمانہ میں کچے پھلوں کی بیع میں ضرورت کا تحقق کوئی مخفی امر نہیں، بالخصوص دمشق اور شام کے علاقوں میں جہاں درختوں کی کثرت اور پھلوں کی بہتات ہے۔ اور چونکہ لوگوں پر جہالت کا غلبہ ہے اس لئے (علامہ سرخسی کی بیان کردہ) مذکورہ کسی بھی طریقہ کو اپنا کر اس قسم کی بیع میں تحریم سے خلاصی کا حکم دینا ایک مشکل اور ناممکن سا عمل ہے۔ بعض افراد کیلئے بھلے ہی یہ صورت ممکن ہو۔ تاہم عام لوگوں کیلئے تو بہرحال ناممکن ہے اور انھیں انکی عادت و ابتلاء سے ہٹانا حرج و دشواری کا باعث۔

تخفیف حکم کیلئے عموم بلوی ہی وہ بنیاد ہے، جس کی بنا پر امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے اپنے زمانہ کے لحاظ سے اسپرٹ وغیرہ کی حرمت و نجاست کا فیصلہ سنانے کے باوجود پڑیا کی رنگت پر آپ نے نجاست کا حکم صادر نہیں فرمایا اور وجہ یہی بتائی کہ عامۂ اہل ہند اس میں مبتلا ہیں۔ آپ کے فتاویٰ کے الفاظ یہ ہیں :

" پڑیا کی نجاست پر فتویٰ دیئے جانے میں فقیر کو کلام کثیر ہے .... پڑیا میں اسپرٹ کا ملنا اگر بطریق شرعی ثابت بھی ہو تو اس میں شک نہیں کہ ہندیوں کو اس کی رنگت میں ابتلائے عام ہے، اور عموم بلوی نجاست متفق علیہا میں باعث تخفیف ہے حتی موضع النص القطعی کما فی ترشش البول قدر رؤس الابر ...... نہ کہ محل اختلاف میں جو زمانہ صحابہ سے مجتہدین تک برابر اختلافی چلا آیا، نہ کہ جہاں صاحب مذہب حضرت امام اعظم و امام ابو یوسف کا اصل مذہب طہارت ہو اور وہی امام ثالث امام محمد

سے بھی ایک روایت، اور اسی کو امام طحاوی وغیرہ ائمہ ترجیح و تصحیح نے مختار و مرجح رکھا ہو، نہ کہ ایسی حالت میں جہاں اس مصلحت کو بھی دخل نہ ہو جو متأخرین اہل فتویٰ کو اصل مذہب سے عدول اور روایت اخرائے امام محمد کے قبول پر باعث ہوئی، نہ کہ جب مصلحت اُلٹی اس کے ترک اور اصل مذہب پر اقتصار کی موجب ہو تو ایسی جگہ بلاوجہ بلکہ برخلاف وجہ مذہب مہذب صاحب مذہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ترک کرکے مسلمانوں کو ضیق و حرج میں ڈالنا اور عامۂ مومنین و مومنات جمیع دیار و اقطار ہندیہ کی نمازیں معاذ اللہ باطل اور انھیں آثم و مصر علی الکبیرہ قرار دینا روش فقہی سے یکسر دور پڑتا ہے۔" (فتاویٰ رضویہ ج ۲ ص ۱۸ ملخصاً)

حقہ نوشی کی اباحت کا حکم دیتے ہوئے آپ رقمطراز ہیں:

"بالجملہ عند التحقیق اس مسئلہ میں سوا حکم اباحت کے کوئی راہ نہیں ہے خصوصاً ایسی حالت میں کہ بحمداللہ شرفا و غربا عام مومنین بلاد و بقاع تمام دنیا کو اس سے ابتلا ہے۔ تو عدم جواز کا حکم دینا عامۂ امت مرحومہ کو معاذ اللہ فاسق بنانا ہے۔ جسے ملت حنیفہ سمحۂ سہلہ طرۂ بیضا ہرگز گوارہ نہیں فرماتی۔" (فتاویٰ رضویہ ج ۱۱ ص ۳۲)

ان جزئیات و اقتباسات سے ہمیں یہ واضح کرنا ہے کہ مختلف فیہ مسائل میں عموم بلویٰ کا باعث تخفیف ہونا فقہ حنفی کا ایک مسلمہ ضابطہ ہے۔ البتہ باب طہارت و نجاست کے علاوہ وہ متعلقہ امور جو نص سے ثابت ہوں۔ اور عرف و تعامل اس کے معارض ہو۔ وہاں عموم بلویٰ کا یا تو تحقق ہی نہ ہوگا اور اگر ہوگا بھی تو اس کا شرعاً اعتبار نہیں۔

اول الذکر اقتباس میں امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے ابتلائے عام کی بناء پر پڑیا کے رنگ کی طہارت کا حکم دیا ہے۔ مزید پانچ وجوہ سے اس کی تائید بھی فرمائی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ساری وجوہات الکحل آمیز دواؤں کے استعمال میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ پڑیا کی رنگت کی طہارت کا حکم صرف ہندیوں کے ابتلا پر دیا گیا ہے۔ جبکہ الکحل آمیز دواؤں کے استعمال میں عرب و عجم، اور شرق و غرب کے عام مومنین مبتلا ہیں ——— اسی طرح ثانی الذکر اقتباس میں حقہ نوشی کی اباحت کی ایک بڑی وجہ تمام دنیا کے عام مومنین کا ابتلا بتایا ہے جبکہ حقہ نوشی سے کہیں زیادہ ابتلا الکحل سے مخلوط دواؤں کے استعمال میں ہے۔ لہٰذا خود امام اہلسنت کے ارشادات سے ہمیں اس باب میں جواز کا حکم مل رہا ہے۔

شبہات کا ازالہ

عموم بلویٰ کے تخفیف حکم کا باعث ماننے میں دو شبہے پیش کئے جاتے ہیں۔ (جیسا کہ بعض احباب نے مجلسی بحث میں ان شبہات کا اظہار کیا۔)

(۱) عموم بلویٰ اگر حکم میں تخفیف کا موجب ہو تو لازم آئے گا کہ بہت سی حرام چیزیں ابتلائے عام کی بناء پر حلال ہو جائیں۔ مثلاً آج اگر خمر نوشی پر ابتلائے عام ہو جائے تو کیا اسے حلال قرار دیدیا جائیگا؟ یونہی ابتلا کی بناء پر ڈاڑھی منڈانے اور سینما دیکھنے کی شرعاً اجازت دے دی جائے گی!۔

(۲) عموم بلویٰ تخفیف حکم کا باعث تو ہے۔ لیکن محض باب طہارت ونجاست میں، نہ کہ باب حرمت واباحت میں۔

پہلے شبہ کا جواب یہ ہے کہ عموم بلویٰ تمام مسائل میں حکم کی تخفیف کا باعث نہیں۔ بلکہ صرف مسائل مختلفہ میں باعث تخفیف ہے۔ البتہ متفق علیہ امور میں صرف باب طہارت ونجاست میں فقہاء نے باعث تخفیف مانا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی مسئلہ امام اعظم اور ان کے شاگردوں یا ان میں سے کسی کے درمیان مختلف فیہ ہو اور ابتلائے عام قول امام سے عدول کا مقتضی ہو، تو حکم اور فتویٰ جانب مخالف قول پر ہوگا۔ بلکہ اگر کسی ایسے مسئلہ میں عموم بلویٰ ہو جس کا ثبوت روایت نادرہ سے ہے۔ تو فتویٰ روایت نادرہ کے مطابق دیا جائے گا۔ کہ اس میں عامۃ المسلمین کو حرج اور دشواری سے بچانا اور ان کی طرف انتساب فسق سے گریز کرنا ہے۔

دوسرے شبہ کا جواب یہ ہے کہ عموم بلویٰ جس طرح باب طہارت ونجاست میں موثر ہوکر حکم کی تخفیف کا باعث ہے، اسی طرح حرمت واباحت کے باب میں بھی موثر ہے۔ فقیہ اجل امام احمد رضا علیہ الرحمہ ایک طویل فتویٰ میں اس ضابطے کی تصریح یوں فرماتے ہیں:

اقول ولسنا نعنی بھذا ان عامۃ المسلمین اذا ابتلوا بحرام حل، بل الامر ان عموم البلویٰ من موجبات التخفیف شرعا وما ضاق امر الا اتسع فاذا وقع ذالک فی مسئلۃ مختلف فیھا ترجح جانب الیسر صونا للمسلمین عن العسر۔ ولایخفی علی خادم الفقہ ان ھذا کما ھو جار فی باب الطھارۃ والنجاسۃ کذالک فی باب الاباحۃ والحرمۃ۔ ولذا ترا ہ من سوغات الافتاء بقول غیر الامام الاعظم رضی اللہ عنہ کما فی مسئلۃ المخابرۃ وغیرھا مع تنصیصھم بانہ لایعدل عن قولہ الی قول غیرہ الا لضرورۃ، بل ھو من مجوزات المیل الی روایۃ النوادر علی

اس سے میری مراد یہ نہیں کہ عامۂ مسلمین اگر کسی حرام امر میں مبتلا ہوں۔ تو وہ حلال ہو جائے گا۔ بلکہ معاملہ یہ ہے کہ عموم بلویٰ شرعاً حکم کی تخفیف کا موجب ہے۔ اور ہر تنگی آسان کر دی جاتی ہے۔ تو جب ابتلا کسی ایسے امر میں ہو جو فقہاء کے درمیان مختلف فیہ ہو تو مسلمانوں کو تنگی اور پریشانی سے بچانے کیلئے اسی رخ کو ترجیح دی جائے گی جس میں آسانی ہو۔ اور فقہی معلومات رکھنے والوں سے یہ بات مخفی نہیں کہ ابتلاء کا یہ ضابطہ جس طرح باب طہارت ونجاست میں جاری ہے، ایسے ہی باب اباحت وحرمت میں بھی۔ یہاں تو قول امام کے علاوہ بھی فتویٰ دیے جانے کی گنجائش کتب فقہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ مثلاً زمین کو بٹائی پر دینے کا مسئلہ یا اس کے علاوہ دیگر مسائل، حالانکہ فقہاء یہ تنصیص فرماتے ہیں کہ قول امام سے دوسرے قول کی طرف عدول ضرورت ہی کی بنا پر کیا جائے گا۔ بلکہ

خلاف ظاهر الرواية كما نصوا عليه مع تصريحهم بان ما يخرج عن ظاهر الرواية فهو قول مرجوع عنه وما رجع عنه المجتهد لم يبق قولاً له۔ ۔ ۔ ۔ ۔

عموم بلویٰ ظاہر الروایۃ کے برخلاف روایت نادرہ وروایت نادرہ کو ترجیح دے دیتی ہے۔ جیسا کہ فقہاء کی تنصیص سے ظاہر ہے۔ حالانکہ وہ یہ بھی بصراحت فرماتے ہیں کہ ظاہر الروایہ سے ہٹا ہوا قول مرجوع عنہ ہوتا ہے، اور جس سے مجتہد رجوع کرلیں ان کا قول نہیں رہ جاتا۔

(فتاویٰ رضویہ ۲۳/۱۱)

ایک دوسرے فتویٰ میں فرماتے ہیں:

"اور عموم بلویٰ نجاست متفق علیہا میں باعث تخفیف ہے حتی فی موضع النص القطعی اھ" (فتاویٰ رضویہ ۳۳/۲)

ان عبارتوں سے دو باتیں ثابت ہوئیں (۱) عموم بلویٰ مختلف فیہ مسائل میں بالعموم تخفیف حکم کا باعث ہے (۲) متفق علیہ امور میں سے صرف باب طہارت ونجاست میں تخفیف حکم کا باعث ہے۔

اور ہم ثابت کر آئے کہ (۱) الکحل، اسپرٹ اور ٹینچر شرعی نقطۂ نگاہ سے نہ تو خمر ہی ہیں۔ اور نہ ہی ان شرابوں سے جن کی حرمت متفق علیہ ہے۔ بلکہ یہ ان مشروبات سے ہیں جن کی اباحت وحرمت اور طہارت ونجاست میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مزید برآں اصل مذہب میں "اباحت وطہارت" کی تصریح ہے (۲) ان شرابوں سے آمیز دواؤں میں عموم بلویٰ کی حالت پیدا ہو چکی ہے ــــ لہٰذا ایسی دواؤں کے استعمال پر ماضی میں جو شرعی پابندیاں تھیں۔ وہ اب باقی نہ رہیں گی۔ اور ان کا استعمال جائز ہوگا۔

امام احمد رضا کا زمانہ اور ان کا فتویٰ

بعض حضرات کو کہنا ہے کہ جب امام اہل سنت نے الکحل اسپرٹ ملی ہوئی دواؤں کے استعمال کو حرام ونجس قرار دیا ہے۔ تو پھر اس کے جواز کی راہ کیونکر نکالی جاسکتی ہے؟ ــــ حقیقت یہ ہے کہ ایسا کہنے والے فقہی رموز واسرار سے قطعی نابلد ہیں۔ امام احمد رضا علیہ الرحمہ جس دور میں الکحل آمیز دواؤں کے استعمال کو ناجائز وحرام قرار دیا تھا۔ وہ یقیناً (ان کے دور وعہد کے لحاظ سے) اپنی جگہ ٹھوس اور مستحکم ہے، اور اپنے اندر واضح اور مبنی بر فقہی جزئیات کا بہت بڑا خزانہ رکھتا ہے ــــ لیکن اب حالات بہت بدل چکے ہیں۔ امام احمد رضا کے دور میں یونانی اطباء بکثرت موجود تھے۔ ہر شہر اور ہر قصبہ میں ایسے ماہر طبیب وحکیم ضرور پائے جاتے تھے، جن سے مرض کی تشخیص اور دوا کی تجویز کا عمل آسانی ہو جاتا تھا ــــ نیز لوگوں میں انگریزی دوا کے استعمال کا رواج بھی نہ تھا۔ لیکن عصر موجود میں ماہر اطباء نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہیں۔ اور مریضوں کا ڈاکٹروں کے پاس آئے بغیر علاج کرا لینا حرج اور دشواری کا باعث بن چکا ہے۔ لہٰذا آج کے دور میں عموم بلویٰ اور دفع حرج کی بنا پر الکحل آمیز دواؤں کے استعمال کو ناجائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اگر امام احمد رضا کے زمانہ میں بھی ان دواؤں کے استعمال

کی یہ حالت ہوتی تو بلاشبہ آپ بھی جواز ہی کا حکم صادر فرماتے۔ جیسا کہ کپڑا کی رنگت کی طہارت کا فتویٰ اس پر شاہد ہے۔ اور کیوں نہ ہو کہ اصل مذہب سے عدول کر کے امام محمد کے قول پر فتویٰ ایک علت وسبب کی بنا پر تھا۔ یعنی فساق وفجار کا بطور لہو ولعب استعمال کرنا۔ اور ظاہر ہے کہ دوا کے استعمال میں یہ علت نہیں پائی جاتی۔

خلاصۂ بحث موجودہ زمانہ میں الکحل اسپرٹ اور ٹنکچر آمیز دواؤں کے استعمال میں جو عرف وتعامل — یا بلفظ دیگر عموم بلوی کی حالت پیدا ہو چکی ہے، وہ کسی نص کے معارض یا مسئلہ متفق علیہا کے خلاف نہیں۔ لأن حرمة هذه الأشربة غير منصوصة بل المنصوص عدم الحرمة۔ تو عرف وتعامل اور دفع حرج کی بنا پر ایسی دوا کا استعمال جائز ہوگا۔ خواہ استعمال داخلی ہو یا خارجی۔

الجواب :۔ دیواریں ہوں۔ یا دروازے۔ کرسیاں ہوں۔ یا پلنگ۔ الماریاں ہوں۔ یا میز۔ اس زمانہ میں ان سب چیزوں کی رنگت میں ابتلائے عام ہے۔ اس لئے ان چیزوں میں بھی تعامل ناس اور دفع حرج کی بنا پر طہارت کا حکم دیا جائے گا۔ اور ان چیزوں کا رنگنا جائز ہوگا۔ البتہ ورع اور ارباب تقویٰ کے لئے رنگت سے احتراز بہتر ہے — واللہ تعالیٰ اعلم

هذا ما ظهر لي الآن، لعل الله يحدث بعد ذالك أمرا

مولانا محمد نسیم صاحب
رکن مجلس شرعی واستاذ جامعہ اشرفیہ

الکحل، اسپرٹ، ٹنکچر آمیز دواؤں کا حکم

سوالنامے میں مختلف قسم کی شرابوں کی جو کیمیائی اور شرعی تحقیق پیش کی گئی ہے وہ اس نوع کے مسائل میں کسی محکم رائے اور صحیح نتیجے پر پہونچنے کے لئے کمال درجہ کافی ہے۔ میں خاص اس مسئلے میں کتب فقہ کے مطالعہ اور کامل غور و خوض کے بعد اس نتیجے پر پہونچا ہوں کہ سوالنامے کی تحقیقات ہی اس مسئلے کا مکمل حل ہیں۔ میں ان تحقیقات و تنقیحات سے حرف بحرف اتفاق رکھتا ہوں اس لئے میں صرف سوالات کے مختصر جوابات پر اکتفا بہتر سمجھتا ہوں۔

(۱) الکحل و اسپرٹ اور ٹنکچر شرعی نقطۂ نگاہ سے خمر نہیں ہیں کیونکہ ان کی حقیقت خمر کی حقیقت سے بالکل مختلف و جداگانہ ہے بلفظ دیگر خمر کی تعریف ان پر صادق نہیں آتی۔ خمر کی تعریف یا اس کی حقیقت یہ ہے۔ الخمر وھی النیئ من ماء العنب اذا غلی واشتد وقذف بالزبد ولم یشترطا تذنه وبه قالت الثلاثة وبه اخذ ابو حفص الکبیر وھو الاظھر وقد تطلق الخمر علی غیر ما ذکر مجازا۔ (در مختار ص۲۹۰ ج۵ مصری) اس کے تحت رد المحتار میں ہے۔ قوله وقد تطلق۔ قال فی المنح ھذا الاسم خص بالشراب باجماع اھل اللغة ولا نقول ان کل مسکر خمر لاشتقاقه من مخامرة العقل فان اللغة لا یجری فیھا القیاس فلا یسمی الدن قارورة لقرار الماء فیه۔

(۲) الکحل، اسپرٹ، ٹنکچر ان شرابوں میں سے بھی نہیں جن کی حرمت پر ہمارے ائمہ کرام کا اتفاق ہے یہاں بھی وجہ فرق وہی اختلاف حقائق ہے کہ متفق علیہ شرابوں کی حقیقت کچھ اور ہے اور الکحل وغیرہ کی حقیقت کچھ اور۔

(۳) ہاں حق یہی ہے کہ ان کا شمار ان مشروبات سے ہے جو شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک حد اسکار سے کم میں اغراض صحیحہ کے لئے حلال ہے لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ بھی شراب ہے اور ناپاک و حرام یہی عطر تحقیق ہے ـــــــــ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

واما الاشربة المتخذة من الشعير او الذرة او التفاح او العسل، اذا اشتد وهو مطبوخ او غیر مطبوخ فانه یجوز شربه مادون السکر عند ابی حنیفة وابی یوسف وعند محمد رحمه الله تعالٰی حرام شربه۔ قال الفقیه وبه ناخذ۔ کذا فی الخلاصة۔

(ص ۔ ۴۱۲ ج ۵ ۔ مجیدی کانپور)

(۴) آج کے زمانے میں ایسی شرابوں سے مخلوط دواؤں میں عموم بلوی کی حالت پیدا ہو چکی ہے اور یہ امر ہر اس شخص پر جو حالات زمانہ پر نگاہ رکھتے ہوئے ابتلائے عام کی شناخت رکھتا ہے مخفی نہیں یہ بات آج کے دور میں محتاج دلیل نہیں رہ گئی۔

(۵) جب الکحل اسپرٹ ٹنکچر آمیز دواؤں میں آج عموم بلوی کی کیفیت پیدا ہو چکی ہے اور عوام وخواص اس کے دائرۂ ابتلاء میں محصور ہو چکے ہیں تو دواؤں کے استعمال کی حد تک اب مذہب شیخین پر عمل اور فتوی جائز ہوگا کہ یہی ہمارا اصل مذہب ہے اور یہی مصلحت شرعیہ کے مطابق، اسی میں تیسر ناس ہے اور یہی دفع حرج ورفع مشقت کا داعی۔

(۶) دیوار، دروازے، کرسیاں، میز، پلنگ وغیرہ جو آج کل اسپرٹ آمیز مختلف قسم کے رنگوں سے مزین کئے جاتے ہیں ان کا حکم بھی ٹھیک وہی ہے جو رنگین کپڑوں کے بارے میں مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہٗ نے دیا ہے، علت وہی ابتلائے عام، دفع حرج اور تیسیر ناس ہے۔

مجدد اعظم کا فتوی ملاحظہ فرمائیے۔ ارشاد فرماتے ہیں پڑیا کی نجاست پر فتوی دیئے جانے میں فقیر کو کلام کثیر ہے۔ ملخص اس کا یہ کہ پڑیا میں اسپرٹ کا ملنا اگر بطریق شرعی ثابت بھی ہو تو اس میں شک نہیں کہ ہندیوں کو اس رنگت میں ابتلائے عام ہے اور عموم بلوی نجاست متفق علیہا میں باعث تخفیف۔ حتی فی موضع النص القطعی کما فی ترشش البول قدر رؤس الابر کما حقق المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر نہ کہ محل اختلاف میں جو زمانہ صحابہ سے عہد مجتہدین تک برابر اختلاف چلا آیا۔ نہ کہ جہاں صاحب مذہب حضرت امام اعظم وامام ابو یوسف کا اصل مذہب طہارت ہو اور وہی امام ثالث امام محمد سے بھی ایک روایت اور اسی کو امام طحاوی وغیرہ ائمہ ترجیح وتصحیح نے مختار ومرجح رکھا ہو۔ نہ کہ ایسی حالت میں جہاں اس مصلحت کو بھی دخل نہ ہو جو متاخرین اہل فتوی کو اصل مذہب سے عدول اور روایت اخری امام محمد کے قبول پر باعث ہوئی۔ نہ کہ جب مصلحت الٹی اس کے ترک اور اصل مذہب پر افتا کی موجب ہو تو ایسی جگہ بلا وجہ بلکہ برخلاف وجہ مذہب مہذب صاحب مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ کو ترک کرکے مسلمانوں کو ضیق وحرج میں ڈالنا اور عامۂ مومنین ومومنات جمیع دیار واقطار ہندیہ کی نمازیں معاذ اللہ باطل اور انہیں آثم ومصر علی الکبیرہ قرار دینا روش فقہی سے یکسر

دور پڑتا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد دوم ص۳۵)

ایک دوسرے فتویٰ میں آپ یوں رقم طراز ہیں:

بادامی رنگ کی پڑیا میں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اور رنگت کی پڑیا سے ورع کیلئے بچنا اولیٰ ہے مگر بھی نماز نہ ہونے پر فتویٰ دینا آج کل سخت حرج کا باعث ہے۔ والحرج مدفوع بالنص، وعموم البلوی من موجبات التخفیف لاسیما فی مسائل الطهارة والنجاسة لہذا اس مسئلہ میں حضرت امام اعظم وامام ابو یوسف رضی اللہ عنہما سے عدول کی کوئی وجہ نہیں ہمارے ان اماموں کے مذہب پر پڑیا کی رنگت سے نماز بلاشبہ جائز ہے فقیر اس زمانے میں اسی پر فتویٰ دینا پسند کرتا ہے۔

(جلد دوم ص ۵۱ - ۵۰ فتاویٰ رضویہ)

(واللہ تعالیٰ اعلم)

برکاتی فاؤنڈیشن اینڈ برکاتی پبلشرز

پہلی منزل نیک محمد بلڈنگ بھاگڑا اسٹریٹ کراچی

دینی اور سماجی خدمات میں

پیش پیش

مولانا صدر الوریٰ قادری

استاذ جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی۔

الکحل، اسپرٹ، ٹنکچر آمیز دواؤں کا استعمال اور حکم

اصل جواب سے پہلے مسئلہ شراب کی تنقیح ضروری ہے شرعی نقطۂ نگاہ سے شراب کی چار قسمیں ہیں۔

(۱) خمر :۔ انگور کا کچا پانی جس میں جوش آکر تیزی پیدا ہو جائے اور جھاگ پھینک دے۔

(۲) عصیر :۔ انگور کا وہ شیرہ جو دھوپ میں یا آگ پر اتنا پکایا جائے کہ دو تہائی سے کم جل جائے یعنی ایک تہائی سے زیادہ باقی رہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔

(الف) باذق :۔ وہ عصیر جو معمولی پکایا گیا ہو۔

(ب) منصف :۔ وہ عصیر جو پکا کر آدھا جلا دیا گیا ہو اور آدھا باقی ہو

(۳) نقیع التمر :۔ تر کھجور کا کچا پانی جس میں تیزی آجائے اور جھاگ پھینک دے اس کا دوسرا نام السکر ہے۔

(۴) نقیع الزبیب :۔ منقی کا کچا پانی جس میں جوش آکر تیزی پیدا ہو جائے اور جھاگ پھینک دے۔

(جامع مغرب ص ۲۷ مطبع ادارۃ القرآن ۔ ہدایہ جلد ۴، ص ۴۷۶ کتاب الاشربہ)

مذکورہ اقسام اربعہ میں خمر کا اطلاق صرف قسم اول پر حقیقت ہے اور باقی اقسام پر خمر کا اطلاق مجازاً ہوتا ہے یہی ارباب لغت و اہل علم کے نزدیک معروف و مشہور ہے ہدایہ میں ہے۔

اما الخمر وھی النیٔ من ماء العنب اذا صار مسکراً وھذا عندنا وھو المعروف عند اھل اللغة واھل العلم (ج ۴ ص ۴۷۶)

وہ گئی خمر اور یہ انگور کا کچا پانی ہے جبکہ مسکر ہو جائے اور یہ ہمارے نزدیک ہے اور یہی اہل لغت اور اہل علم کے نزدیک مشہور ہے۔

اور حضرت امام ابن الہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں۔

ان الثابت فی اللغة من تفسیر الخمر بالنیٔ

لغت میں خمر کی تفسیر انگور کے کچے پانی سے کی ہے

من ماء العنب اذا اشتد وهذا لان الاشتداد فيه من تتبع مواقع استعمالاتهم ويدل على ان العمل المذكور على الخمر بطريق التشبيه قول قول ابن عمر۔

جوش آجائے) سے ثابت ہے اور ان کے مواقع استعمال میں تتبع کرنے سے اس میں شک نہیں رہتا اور خمر پر مذکور حمل کے بطور تشبیہ ہونے پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول دلالت کرتا ہے۔ (ہدایہ ص ۲۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ جب خمر حرام کی گئی تو مدینہ شریف میں کچھ بھی خمر نہیں تھی یہاں یہ امر متعین ہے کہ حضرت ابن عمر نے خمر سے انگور ہی کا پانی مراد لیا ہے کیونکہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

وما شرابهم يومئذ الا الفضيخ البسر والتمر

اور اہل مدینہ کا مشروب اس دن صرف گدر کھجور اور خرما ہی کا پانی تھا۔

تو اگر ماء عنب کے علاوہ خمر کسی اور پھل مثلاً کھجور وغیرہ کے پانی کو کہا جاتا تو حضرت ابن عمر یہ نہ فرماتے کہ تحریم خمر کے وقت مدینہ طیبہ میں خمر کچھ بھی نہیں تھی اس لئے اس وقت کھجور کا پانی وہاں موجود تھا۔ (ہدایہ ایضاً)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ خمر حقیقتاً صرف انگور کے کچے پانی کو کہتے ہیں جبکہ اس میں جوش آجائے اور جھاگ پھینک دے اور باقی اقسام ثلثہ کو خمر مجازاً کہا جاتا ہے۔

احکام

۱۔ ان شرابوں کے احکام میں فرق یہ ہے کہ خمر کی حرمت قطعی ہے اور بقیہ شرابوں کی ظنی واجتہادی ہے۔ خمر کو حلال سمجھنے والا کافر ہے اور بقیہ شرابوں مستحل کافر نہیں۔

خمر کا ایک قطرہ بھی پی لینے پر حد واجب ہے لیکن بقیہ شرابوں میں نشہ کی حد تک پینے پر واجب ہے خمر بالاتفاق نجاستِ غلیظہ ہے مگر بقیہ شرابیں ایک روایت کے مطابق نجاست خفیفہ ہیں۔

(ہدایہ جلد ۴ ص ۴۹۶)

ان شرابوں کے درمیان احکام میں فرق کے باوجود ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ چاروں ہی قسمیں حرام و ناپاک ہیں۔ ہدایہ میں ہے۔

فكل ذالك حرام عندنا اذا غلا واشتد (ہدایہ ایضاً)

تو یہ ساری قسمیں ہمارے نزدیک حرام ہیں جبکہ اس میں جوش و شدت پیدا ہو جائے۔

اقسام اربعہ کے علاوہ دوسرے مشروبات کا حکم

ان چاروں شرابوں کے علاوہ جو دیگر مشروبات ہیں مثلاً گیہوں، جو، شہد، دودھ، مکئی وغیرہ سے

جو مشروبات تیار ہوتے ہیں ان کے بارے میں شیخین سے دو روایت ہے۔

فتاویٰ رضویہ میں قاضی خاں کے حوالے سے مذکور ہے۔ فعن الشیخین روایتان فی روایة لایحل شربه کنقیع الزبیب غیر المطبوخ وفی روایة یحل شربه۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۱ ص ۹۳)

چنانچہ جامع صغیر میں ہے۔ وماسوی ذالک من الاشربة فلاباس به ص ۴۹۵

صاحب ہدایہ اس عبارت کے تحت فرماتے ہیں: وھونص علی مایتخذ من الحنطة والشعیر والعسل والذرة حلال عند ابی حنیفة ولایحد شاربه عنده وان سکر۔ (ہدایہ ج ۴ ص ۴۷۵)

علامہ شیخ داؤد ابن یوسف خطیب رحمۃ اللہ علیہ جامع صغیر کی عبارت کے تحت رقمطراز ہیں:

فهذه اللفظة توجب اباحة ماسوی الخمر من المثلث والباذق والمنصف ثم هذا کله اذا لم یسکر من هذه الاشربة اما السکر منها حرام بالاجماع والسکر من البنج ولبن الرماک حرام (فتاویٰ غیاثیہ ص ۱۱۰)

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ شراب کی طرح یہ مشروبات بھی حرام و نجس ہیں قلیل و کثیر سب کا پینا حرام ہے سد ذرائع کے لئے فتویٰ امام محمد ہی کے قول پر ہے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قالوا الفتوی فی زماننا بقول محمد لغلبة الفساد وسد الباب۔

فقہاء فرماتے ہیں کہ فتویٰ ہمارے زمانہ میں امام محمد کے قول پر ہے غلبہ فساد اور سدباب کی وجہ سے۔

اور امام اہلسنت اعلیٰحضرت مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں یہ سب بربنائے مذہب مفتی بہ تھا اور اصل مذہب کہ شیخین مذہب رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

اعنی طهارة المثلث العنبی والمطبوخ التمری والزبیبی وسائر الاشربة من غیر الکرم والنخلة مطلقا وحلها کلها دون قدر الاسکار۔ حاشا یہ بھی قول ساقط و باطل نہیں بلکہ بہت باقوت ہے خود اصل مذہب یہی ہے اور یہی جمہور صحابہ کرام حتی کہ اصحاب بدر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے یہی قول امام اعظم ہے عامہ متون مذہب مثل مختصر قدوری و ہدایہ و وقایہ و نقایہ و کنز و غرر و اصلاح وغیرہا میں اسی پر جزم و اقتصار کیا اکابر ائمہ ترجیح و تصحیح مثل امام اجل ابو جعفر طحاوی و امام اجل ابوالحسن کرخی و امام شیخ الاسلام ابوبکر خواہر زادہ و امام اجل قاضی خاں و امام اجل صاحب ہدایہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسی کو راجح و مختار رکھا بلکہ خود امام محمد نے کتاب الآثار میں اسی پر فتویٰ دیا اسکو بہ ناخذ فرمایا علمائے مذہب نے بہت کتب معتمدہ میں اس کی تصحیح فرمائی یہاں تک کہ اکثر الفاظ ترجیح علیہ الفتویٰ سے بھی تذئیل آئی۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۱ ص ۹۳)

اس تفصیل سے چند امور قطعی طور پر معلوم ہوئے۔

(۱) شراب کی پہلی چار قسموں کے علاوہ دیگر مشروبات کے بارے میں حضرات شیخین سے جو دو روایتیں ہیں ان میں راجح یہی ہے کہ علی الاطلاق نہ حرمت ہی کا حکم ہے نہ حلت کا۔

(۲) اس باب میں غلبۂ فساد اور سد ذرائع کی خاطر حضرت امام محمد کے مسلک پر فتویٰ دیا گیا۔

اب تک بحث کا محور وہ مشروبات تھا جس سے کسی چیز کا تولد نہ ہوا ہو یعنی یہ بحث نفس مشروب سے متعلق تھی باقی اس سے متولد ہونے والی شئی سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا لیکن اگر کوئی شراب حد اسکار تک پکائی جائے اور اس کے بخارات جن کا ان سے تولد ہوا کسی آلہ کے ذریعہ دوسرے برتن میں منتقل کر لیے گئے اور اس برتن میں ان بخارات کا تقاطر ہوا تو ان قطروں کا بھی وہی حکم ہوگا اور اس کے علاوہ پکائے ہوئے شیرے کے متقاطر بخارات جو پانی کی شکل میں ٹپکتے ہیں ان میں بھی سکر ہوتا ہے بلکہ اور شرابیں تو پینے سے نشہ لاتی ہیں مگر یہ متقاطر بخارات صرف سونگھنے سے نشہ لاتے ہیں معلوم ہوا کہ ان میں اسکار کی کیفیت بشدت موجود ہوتی ہے۔

شراب آمیز اشیاء کا حکم

اگر خمر حقیقی یا باقی اقسام ثلثہ میں سے کسی قسم کی شراب دوسری شئی میں ملا دی جائے تو اگر اس کا اثر یعنی بو، مزہ باقی ہے تو شراب کا جو حکم ہے وہی آمیز شدہ شئی کا بھی حکم ہوگا یعنی شراب کی طرح وہ بھی نجس و ناپاک ہے اور مذکورہ اقسام اربعہ کے علاوہ دیگر مشروبات اگر کسی شئی میں ملائے جائیں تو اگر وہ اتنا کم ہیں جو مسکر نہیں تو نجس و ناپاک نہیں ہوگی البتہ اگر حد سکر تک ان مشروبات کے اجزاء ملائے گئے تو اس شئی کا وہی حکم ہوگا جو ان مشروبات کا ہوگا یہ حکم مذہب شیخین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما پر ہوگا لیکن حضرت امام محمد کے نزدیک دونوں ہی تقدیر پر آمیز شدہ شئی نجس و ناپاک ہوگی

وہ دواعی جن سے امام کے قول صوری پر فتویٰ نہیں دیا جاتا

چاہیے تو یہ تھا کہ مذکورہ مشروبات میں شیخین اور امام محمد کے درمیان اختلاف کے وقت حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ دیا جاتا لیکن دیکھا یہ گیا کہ فاسق ان مشروبات کو پینے کے لئے اکٹھا ہوتے اور لہو ولعب کرتے جس کے نتیجے میں فساد کا غلبہ ہوتا گیا تو سد باب فساد کیلئے فتویٰ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر دیا گیا کیونکہ چھ دواعی ایسے ہیں جن سے قول امام بظاہر ترک کر دیا جاتا ہے لیکن حقیقت میں قول امام پر ہی عمل ہوتا ہے وہ اسباب مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) ضرورت (۲) دفع حرج (۳) عرف (۴) تعامل (۵) دینی ضروری مصلحت کی تحصیل

(۶) کسی فساد مظنون بظن غالب یا فساد موجود کا ازالہ امام اہلسنت اعلیٰحضرت قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

ومثل ذالك يقع في اقوال الائمه اما لحدوث ضرورة اوحرج اوعرف اوتعامل اومصلحة معنة تجلب اومفسدة ملمة تسلب لان استثناء الضرورات ودفع الحرج ومراعاة المصالح التي فيه الخالية عن مفسدة تربو عليها ودرء المفاسد والاخذ بالعرف والعمل بالتعامل كل ذالك قواعد كليه معلومة من الشارع ليس احد من الائمة الامائلا اليها وقائلا بها ومعولا عليها ۔

اور اس طرح ائمہ کے اقوال میں واقع ہے یا تو ضرورت کیلئے یا دفع حرج یا عرف یا تعامل یا کوئی اہم مصلحت کی تحصیل کیلئے یا نازل ہونے والے فساد کو دفع کرنے کیلئے اسلئے کہ ضرورت کا استثناء اور دفع حرج اور فساد سے محفوظ دینی مصلحتوں کی رعایت ان سے بڑھ کر ہیں اور مفاسد کو دفع کرنا اور عرف کو اختیار کرنا یہ سب ایسے قواعد کلیہ ہیں جو شرع سے معلوم ہیں سارے ائمہ انکی طرف مائل اور انکے قائل ہیں اور ان پر اعتماد کرتے ہیں۔

(اجلی الاعلام ان الفتویٰ مطلقا علی قول الامام صـ۹)

یہی وجہ ہے کہ مسلک شیخین ہی پر جزم و اقتصار کیا گیا اور اکابر ائمہ ترجیح و تصحیح نے اسی کو راجح بتایا جسکی تفصیل ابھی گزری لیکن ایک ضرورت یعنی سد باب فساد کے لئے فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر دیا گیا۔

اس تفصیل کے بعد جوابات ملاحظہ فرمائیں ۔

جواب (۱)

یہ گزر چکا ہے کہ خمر حقیقت میں صرف قسم اول کو کہتے ہیں یعنی انگور کا کچا پانی جب کہ اس میں جوش آکر تیزی پیدا ہو جائے اور جھاگ پھینک دے اس اعتبار سے الکحل، اسپرٹ، ٹنکچر پر خمر حقیقی کا اطلاق نہیں ہوگا کیونکہ الکحل بنانے کے لئے کئی مراحل طے کرنے ضروری ہیں پہلا مرحلہ یہ ہے کہ گنا یا کسی چیز کے رس یا شیرہ کو کسی برتن میں ایک مقررہ مدت تک سڑایا جاتا ہے یہاں تک کہ اس میں کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں پھر دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ اسے سڑانے کے بعد آگ پر جوش دے کر ایک مخصوص درجہ حرارت پر پہونچایا جاتا ہے اور تیسرا مرحلہ یہ ہے کہ کسی پائپ کے ذریعہ اس کی بھاپ دوسرے برتن میں محفوظ کیجاتی ہے یہ بھاپ اس برتن میں پانی کے قطرات کی شکل میں ٹپکتی ہے اور یہی جمع شدہ بھاپ الکحل ہے ۔

اور خمر حقیقی میں ان وسائط میں سے کوئی بھی واسطہ متحقق نہیں ہے اس لئے کہ خمر حقیقی بنانے کیلئے نہ انگور کے پانی کو اتنی مدت تک سڑایا جاتا ہے کہ اس میں کیڑے پیدا ہو جائیں ۔ نہ اس پانی کو آگ پر جوش ہی دیا جاتا ہے اور جب اسے آگ پر جوش ہی نہیں دیا جاتا تو اس میں بھاپ بھی موجود نہیں ہوتی چہ جائیکہ وہ بھاپ کسی دوسرے برتن میں منتقل کی جائے ۔

اس کے علاوہ خمر حقیقی صرف انگور ہی کے پانی کو کہتے ہیں اور اسی کچے پانی کو جسے پکایا نہ گیا ہو اور

الکحل محض انگور ہی کے پانی سے نہیں بلکہ ہر اس شئ سے تیار ہوتا ہے جس میں شکر پائی جائے خواہ انگور کا پانی ہو یا گنا وغیرہ کا۔ تاہم دواؤں میں جو الکحل ملایا جاتا ہے وہ عموماً گنے ہی کے رس سے تیار کیا جاتا ہے انگور یا دیگر پھلوں سے جو الکحل بنایا جاتا ہے اسے دواؤں میں نہیں ڈالا جاتا ورنہ دوائیں حد درجہ گراں ہو جائیں اس سے معلوم ہوا کہ الکحل خاص طور سے وہ الکحل جو عموماً دواؤں میں ملایا جاتا ہے وہ خمر حقیقی نہیں ہے۔

یونہی اسپرٹ بھی خمر حقیقی نہیں ہے کیونکہ اسپرٹ اور الکحل تقریباً دونوں ایک ہی ہیں چنانچہ شمس الاطباء ڈاکٹر غلام جیلانی لکھتے ہیں :

سوائے ریکٹی فائیڈ اسپرٹ کے برٹش فارماکوپیا میں جس قدر اسپرٹ مندرج ہیں وہ روغنات فراری اور ایتھر کے الکوہلی محلولات یا عرقیات ہیں اور اسپرٹ کے تمام اقسام دو جماعتوں میں منحصر ہیں۔

(۱) سمپل اسپرٹ (۲) کمپونڈ اسپرٹ۔ سمپل اسپرٹ والے فاکل آئلز یا ایتھرز یا کلوروفارم کو الکحل (۹۰ فی صدی) میں حل کرنے سے تیار ہوتے ہیں اور وہ پانی میں ملانے سے اکثر گدلی ہو جاتی ہے لیکن کمپونڈ اسپرٹ جن میں سے ہر ایک میں ایک سے زیادہ اجزا ہوتے ہیں وہ بذریعہ ڈسٹی لیشن کے بنائی جاتی ہیں بعض انہیں مقطر یا کشید کر کے بناتے ہیں۔ (مخزن الادویہ ص۱۱۳)

پھر شمس الاطباء ڈاکٹر غلام جیلانی نے سمپل اسپرٹ کی بارہ قسمیں اور کمپونڈ اسپرٹ کی چار قسمیں ذکر کی۔ سمپل اسپرٹ کے اقسام درج ذیل ہیں :

(۱) اسپرٹ آف ایتھر (روح ایتھر) اس میں ایتھر ایک حصہ اور الکحل (۹۰ فی صدی) دو حصہ ہوتا ہے۔

(۲) اسپرٹ آف انیس (روح انیسوں) اس میں آئل آف انیسوں (روغن انیسوں) ایک حصہ اور الکحل (۹۰ فی صدی) حسب ضرورت تا دس حصہ ہوتا ہے۔

(۳) اسپرٹ آف جونی پر (روح عرعر) اس میں روغن عرعر ایک حصہ اور الکحل حسب ضرورت تا دس حصہ ہوتا ہے۔

(۴) اسپرٹ آف روزمری (روح اکلیل الجبل) اس میں آئل آف روزمری ایک حصہ اور الکحل (۹۰ فی صدی) حسب ضرورت تا دس حصہ ہوتا ہے۔

(۵) ریکٹی فائیڈ اسپرٹ (روح الخمر) الکحل جس میں دس فیصدی پانی ہوتا ہے۔

(۶) اسپرٹ آف سینے من (روح قرفہ) اس میں روغن دار چینی ایک حصہ اور الکحل (۹۰ فیصدی) حسب ضرورت تا دس حصہ ہوتا ہے۔

(۷) اسپرٹ آف کلوروفارم (روح کلوروفارم) اس میں کلوروفارم ایک حصہ اور الکحل حسب ضرورت

۲تا ۲۰ حصہ ہوتا ہے۔

(۹) اسپرٹ آف کیمفور (روح کافور) اس میں کافور ایک حصہ اور ایلکہال ۱۰ حصہ ہوتا ہے

(۱۰) اسپرٹ آف لے ونڈر (روح جوزالطیب) اس میں آئل آف لیونڈر ایک حصہ اور ایلکہال ۱۰ حصہ تک ہوتا ہے۔

(۱۱) اسپرٹ آف نٹ میگ (روح جوزالطیب) اس میں روغن جائفل ایک حصہ اور ایلکہال ۱۰ حصہ تک ہوتا ہے

(۱۲) اسپرٹ آف پے پرمنٹ (روح لنتاع فلفلی) اس میں آئل آف پیپرمنٹ ایک حصہ اور ایلکہال ۱۰ حصہ تک ہوتا ہے۔

کمپونڈ اسپرٹ کے اقسام (ارواح مرکب)

(۱) کمپونڈ اسپرٹ آف ہارس ریڈش (روح مجل البری) اس میں ہارس ریڈش روٹ ۱۲۵ گرام بٹر آرنج پیل ۱۲۵ گرام۔ نٹ میگ ۳ گرام ایلکہال (۹۰ فیصدی) ۹۲۵ ملز اور آب مقطر ۵۰ ملز ہوتے ہیں۔

(۲) سویٹ اسپرٹ آف نائٹر (روح ایتر البقری) اس میں نائٹرک ایسڈ ۱۵ ملز سلفیورک ایسڈ ۱۰ ملز۔ کاپر ۱۰ گرام اور ایلکہال حسب ضرورت ہوتے ہیں۔

(۳) اسپرٹ آف سیل والے ٹائل (روح نوشادر خوشبو) اس میں کاربونیٹ آف امونیا ۱۰ گرام اسٹرانگ سولیوشن آف ایمونیا ۲۰ ملز آئل آف نٹ میگ ۱۵ ملز آئل آف لیمن ۲۰ ملز ایلکہال (۹۰ فیصدی) حسب ضرورت ۲۰۰ ملز اور آب مقطر ۱۵۰ ملز ہوتے ہیں۔

(۴) فینڈ اسپرٹ آف ایمونیا (روح نوشادر بدبو) اس میں فینڈ ½ ملز اسٹرانگ سولیوشن آف ایمونیا ۱ ملز ایلکہال (۹۰ فیصدی) حسب ضرورت تا ۱۰۰ ملز ہوتے ہیں۔

ملخصاً مخزن الادویہ ص ۱۰۳ تا ص ۱۰۶

اس اقتباس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اسپرٹ خواہ سمپل (مفرد) ہو یا کمپونڈ (مرکب) بہرکیف الکحل اس کا بنیادی جز شمار کیا جاتا ہے بلکہ سمپل اسپرٹ کی پانچویں قسم رکیٹی فائیڈ اسپرٹ حقیقت میں الکحل ہی ہوتا ہے یہی وجہ ہے دونوں کے افعال و استعمالات میں اتحاد ہوتا ہے اور دوسری قسموں میں اگرچہ دوسرے اجزاء بھی ہوتے ہیں تاہم ان میں غالب جزو الکحل ہی ہوتا ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ اسپرٹ بھی خمر حقیقی نہیں ہے۔

ٹنکچر کی تحقیق

ٹنکچر کا معنی عربی میں صبغہ اور فارسی میں تعفین ہے اور اصطلاح طب میں اس کی تعریف ان لفظوں میں کی گئی ہے۔

کسی ایک دوا یا چند ادویہ کے اجزاء موثرہ کا ایک ایلکحلک سولیوشن ہوتا ہے۔ (مخزن الادویہ ص۱۱۹) اور ٹنکچرات قسم کے رجسٹرڈ ہیں ان میں سے ۔ ٹنکچرز تو محض بذریعہ سولیوشن بنائے جاتے ہیں ۱۲ بذریعہ میسی ریشن ۱۲ بذریعہ پرکولیشن اور دو بذریعہ میسی ریشن و پرکولیشن بنتے ہیں۔ ۹۹ ٹنکچرز کے بنانے میں مختلف طاقت کا ایلکحال استعمال ہوتا ہے۔ اور ایک ٹنکچر ایتھر سے بنایا جاتا ہے اور ایک ٹنکچر آب اور ایک ٹنکچر آب اور بیل سے بنایا جاتا ہے۔ اور تمام ٹنکچر تین جماعتوں میں تقسیم کئے جاتے ہیں۔

(۱) سمپل ٹنکچرز یعنی تعفینات مفردہ۔
(۲) کمپونڈ ٹنکچرز یعنی تعفینات مرکبہ
(۳) کمپلیکس ٹنکچرز یعنی تعفینات مختلط۔ (ملتقطاً مخزن الادویہ ص۱۱۱)

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ ٹنکچر الکحل ہی سے بنایا جاتا ہے خواہ بطریق محلول ہو یا بطریق تقطیر وغیرہ لہٰذا جس طرح سے الکحل خمر حقیقی نہیں اسی طرح ٹنکچر بھی خمر حقیقی نہیں ہے۔

جواب ۔ ۲

خمر کے علاوہ جن مشروبات کی حرمت پر ہمارے ائمہ کرام کا اتفاق ہے گو کہ یہ حرمت ظنی و اجتہادی ہی ہے وہ تین قسموں پر ہیں۔

(۱) عصیر اور اس کی دو قسم ہے باذق ۔ منصف
(۲) نقیع تمر
(۳) نقیع زبیب

ان اقسام میں الکحل، اسپرٹ، ٹنکچر یقینی طور پر نہ نقیع تمر ہیں، نہ نقیع زبیب اسلئے کہ نقیع تمر کھجور کے کچے پانی کو کہتے ہیں جبکہ اس میں جوش پیدا ہو جائے اور نقیع زبیب منقی کے کچے پانی کو کہتے ہیں جبکہ اس میں جوش پیدا ہو جائے حاصل یہ کہ یہ دونوں شرابیں پکے ہوئے پانی کو نہیں کہتے ہیں بلکہ مخصوص قسم کے کچے ہی پانی پر ان دونوں کا اطلاق ہوتا ہے جبکہ الکحل بنانے کے لئے شیرہ کو پکانا ضروری ہے یعنی کسی پھل کے کچے شیرہ سے الکحل کبھی تیار نہیں ہوتا اسلئے الکحل نہ نقیع تمر ہے نہ زبیب۔ یونہی اسپرٹ اور ٹنکچر بھی دونوں قسموں میں سے کسی قسم کے تحت داخل نہیں

کیونکہ گزر چکا ہے کہ ان دونوں (اسپرٹ ٹنکچر) میں زیادہ تر الکحل ہی کا حصہ ہوتا ہے بلکہ بعض صورتوں میں اسپرٹ بعینہٖ الکحل ہی ہوتی ہے اور ٹنکچر بھی الکحل کے محلول یا تقطیر ہی سے بنایا جاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ اسپرٹ اور ٹنکچر بھی نہ نقیع تمر سے ہیں نہ نقیع زبیب سے اب رہ گیا مسئلہ عصیر کا تو اس میں تفصیل ہے۔

وہ یہ ہے کہ اس میں اتنا متعین ہے کہ عصیر انگور ہی کے پانی کو کہتے ہیں فرق خمر اور عصیر کے درمیان صرف اس قدر ہے کہ خمر کچے پانی کو کہتے ہیں اور عصیر پکے ہوئے کو کہتے ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ باذق۔ اور منصف کا مزہ۔

چنانچہ محقق علی الاطلاق امام ابن الہمام قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

الخمر علی ما مر النئی من ماء العنب اذا صار مسکرا والباذق اسم لما طبخ من عصیر العنب ادنی طبخة۔ (فتح القدیر ص۱۲۹ ج ۹)	خمر جیسا کہ گزرا انگور کا کچا پانی ہے جبکہ مسکر ہو جائے اور باذق نام ہے انگور کے شیرہ کا جبکہ اسے معمولی پکایا گیا ہو۔

اور الکحل صرف انگور ہی کے شیرہ سے نہیں بلکہ ہر اس شئی سے تیار ہوتا ہے جس میں سکر پائی جائے تو اگر الکحل انگور کے علاوہ دوسرے شیروں سے بنایا جائے مثلاً گنا سے، چنانچہ یہی الکحل عموماً دواؤں میں ملایا جاتا ہے جب تو الکحل عصیر سے بھی نہیں ہے اور اگر الکحل انگور ہی کے شیرہ سے بنایا جائے لیکن اسے دو تہائی یا اس سے زیادہ پکایا جائے جب بھی یہ عصیر نہیں ہوگا کیونکہ عصیر میں یہ شرط ہے کہ انگور کا پانی دو تہائی سے کم پکایا جائے لہٰذا اس صورت میں بھی عصیر نہیں ہوگا۔

اور اگر الکحل انگور کا شیرہ دو تہائی سے کم پکا کر بنایا جائے تب بھی ظاہر یہی ہے کہ اس صورت میں بھی عصیر نہیں کیونکہ عصیر بنانے کے لئے انگور کا پانی سڑایا نہیں جاتا بالخصوص اتنی مدت تک کہ اس میں کیڑا پیدا ہو جائیں برخلاف الکحل کے کیونکہ اس کو تیار کرنے کے لئے پہلے شیرہ کو اتنی مدت تک سڑانا ضروری ہے کہ اس میں کیڑے پیدا ہو جائیں۔

بہر کیف ظاہر یہی ہے کہ الکحل عصیر بھی نہیں ہے اس تفصیل سے یہ ثابت ہو گیا کہ الکحل اسپرٹ ٹنکچر خمر کے علاوہ ان مشروبات سے بھی نہیں ہیں جن کی حرمت پر ہمارے ائمہ کرام کا اتفاق ہے گو کہ حرمتِ ظنی و اجتہادی ہی ہے۔

جواب (۳)

ہماری ماسبق کی گفتگو سے یہ عیاں ہو گیا کہ الکحل، اسپرٹ، ٹنکچر شراب کی مذکورہ چار قسموں میں سے

ی ہے مگر افسوس ہے کہ عموم بلوی کی تعریف نہ مل سکی
ں تو معنی یہ ہے کہ جس میں عوام وخواص سب مبتلا ہوں اور
ں کے بہت سے جزئیات ہیں ، مثلاً تعامل ، عرف عام ،
ل یہی ہے کہ عام طور سے انگریزی دواؤں کا استعمال
ں نا مستحق ہے ۔

ب (۵)

رنا کب اعتبار ہے تو بعض فقہاء مثلاً صاحب عنایہ فرماتے
خلاف نہ ہو ۔
انچہ آپ رقمطراز ہیں ۔
اور یونہی بلوی موضع نص میں معتبر نہیں ہے ۔
الفتح ۲ ، ص ۱)

کی حالت پیدا ہوئی یا نہیں ؟
اس مسئلے کی تنقیح عموم بلوی کی معرفت پر
تاہم کلام فقہاء سے یہی مستفاد ہوتا ہے کہ عموم بلوی
اس سے بچنا دشوار ہو ، اب یہ ایک نمایاں بات ہے
وغیرہ ۔ اور اس وقت تقریباً تمام لوگوں کا
کرتے ہیں لہٰذا ان دواؤں کے استعمال میں تعا
جس
یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ عموم بلوی کا نفاذ
ہیں کہ عموم بلوی اس وقت معتبر ہے جب کہ نص کے
لیکن اگر نص کے خلاف ہے تو معتبر نہیں چنا
وكذالك البلوى لاتعتبر في موضع النص
(عنایہ ص

اور امام اجل حضرت ابو الحسن قدوری کی عبارت سے بھی کچھ اسی قسم کا ترشح ہوتا ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

وما لم ینص علیه فهو محمول علی عادات الناس	اور جس شئ پر نص نہ ہو تو وہ لوگوں کی عادتوں پر محمول ہے؛

(مختصر القدوری ص۳۱)

لیکن محقق علی الاطلاق حضرت امام ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عموم بلویٰ موضع نص میں بھی معتبر ہے آپ فرماتے ہیں:

وما قیل ان البلوی لا تعتبر فی موضع النص عنده ممنوع بل تعتبر اذا تحققت بالنص النافی للحرج	اور جو یہ کہا گیا کہ بلویٰ امام اعظم کے نزدیک موضع نص میں معتبر نہیں ہے ہمیں تسلیم نہیں ہے بلکہ بلویٰ اس وقت معتبر ہے جبکہ اس کا تحقق اس نص سے ہو جو حرج کو دور کرے۔

(فتح القدیر ۱/۱۰۹)

اس سے ثابت ہوا کہ راجح یہی ہے کہ عموم بلویٰ موضع نص میں معتبر ہے اور باعث تخفیف ہے کیونکہ یہ بھی ایک ضرورت شرعیہ ہے۔ مگر یہ بھی واضح رہے کہ جو چیز ضرورۃً ثابت ہوتی ہے وہ مقدار ضرورت ہی تک محدود رہتی ہے۔

لہذا اگر ان دواؤں سے ضرورت پوری ہو جائے جن میں الکحل وغیرہ کی آمیزش نہیں ہوتی مثلاً ٹیبلیٹ وکیپسول وغیرہ تو انھیں دواؤں کو استعمال کیا جائے اور اگر ایسے ہی انجکشن یا سیال دوا کی شدید ضرورت پیش آگئی جس میں الکحل کی آمیزش ہوتی ہے تو وہی انجکشن یا سیال دوا لی جائے جس میں ۲۰ فیصدی الکحل کی آمیزش ہو ورنہ ۵۰ فیصدی حاصل یہ ہے کہ ان دواؤں کے استعمال میں تعامل ناس متحقق ہے اسلئے بقدر ضرورت یعنی حد امکان سے کم ان دواؤں کا استعمال بشرط ترتیب مذکور جائز ہونا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جواب (۶)

ماسبق میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ ضرورت سے جو حکم ثابت ہوتا ہے وہ مقدار ضرورت تک ہی محدود رہتا ہے اور دیوار، دروازے، کرسیاں، پلنگ، میز وغیرہ میں ضرورت ثابت نہیں کیونکہ ان اشیاء کے رنگنے میں تعامل ناس کا تحقق محل نظر ہے کیونکہ اولاً اکثریت کے ساتھ ان اشیاء کو اسپرٹ آمیز رنگوں سے نہیں رنگا جاتا ثانیاً اگر رنگتے بھی ہیں تو عام طور پر زینت ہی مقصود ہوتی ہے جو عند الشرع کوئی ضرورت شرعیہ نہیں ہے لہذا ان اشیاء میں الکحل، اسپرٹ، تھنر کے استعمال سے احتراز ہی اولیٰ ہے۔ هذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم۔

مولانا انور علی آسی نظامی
استاذ گلشن بغداد ہزاری باغ

الکحل، اسپرٹ، ٹنکچر آمیز دواؤں کا استعمال

اس میں کوئی شک نہیں کہ مذہب اسلام میں رہبانیت، جبر اور تکلیف مالا یطاق کا کوئی تصور نہیں پیغمبر اسلام نے اس کی بار بار وضاحت فرمائی کہ میری بعثت کا مقصد تمہیں رنج و تنگی، مشقت و دشواری میں ڈالنا نہیں بلکہ تمہارے لئے ہر ممکن وسعت و فراخی اور نرمی و آسانی فراہم کرنا ہے۔ خداوند قدوس نے کسی کو اس کی وسعت و طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں بنایا ہے۔

دوسری جانب حالات اور انقلاب زمانہ کے ساتھ ساتھ بعض احکام شرعیہ میں تبدیلی بھی فقہ اسلامی کے مسلمہ اور تابندہ اوراق ہیں بلکہ اسلامی فکر کے عدم جمود و تعطل کی روشن یادگاریں ہیں۔ جن اسباب وعلل کی بنیاد پر بعض احکام میں تغیر یا قول امام سے عدول کو جگہ دی گئی ہے ان میں غور و فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے در اصل یہ حکم کی تبدیلی نہیں بلکہ حکم کے مدت کی تعیین یا اس کی متبادل صورت اور دو حکموں میں سے ایک کا ضرورت و مصلحت کے تحت نفاذ ہے۔ مثلاً

(۱) عہد نبوی، اور عہد صدیقی میں خواتین کو مسجد و عیدگاہ میں حاضری کی اجازت تھی بلکہ مردوں کو حکم تھا کہ عورتوں کو مسجدوں سے نہ روکیں۔ مگر فساد زمانہ کی وجہ سے امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں مسجدوں سے روک دیا اور عورتوں کی شکایت پر حضرت صدیقہ نے فرمایا کہ:

لو ادرك رسول الله صلى الله عليه وسلم
ما احدثت النساء لمنعهن المسجد كما
منعت نساء بنى اسرائيل (بخارى جلد اول)

اس سے ظاہر ہے کہ حاضری کی اجازت اسی وقت تک تھی جب تک اصلاح و تقویٰ اور دلوں میں فساد نہ آیا تھا۔ حضرت عمر نے اس راز کو سمجھا اور اس کی اجازت ختم کر دی۔

(الغرض) ضرورت ومصلحت یا کسی شرعی سبب کے بناپر احکام میں ظاہری تبدیلی ادلۂ شرعیہ کی مخالفت نہیں بلکہ انھیں دلیلوں سے مستخرجہ قرائین کے پیش نظر "رخصت" کی کوئی صورت تلاش کرنا ہے تاکہ ضرورت ومصلحت کا تقاضا پورا کیا جاسکے یا فساد اور حرج کا سدباب ہوسکے۔

حاصل یہ کہ جن اسباب ستہ (ضرورت، دفع حرج، عرف، تعامل، دینی ضروری مصلحت کی تکمیل کسی فساد موجود یا مظنون بظن غالب کا ازالہ) کو تغیر احکام کا سبب قرار دیا گیا ہے ان کی رو سے اسپرٹ آمیز دواؤں کے استعمال کی کوئی صورت نکلتی ہے یا نہیں اور ماضی قریب کے فقہائے کرام کی تحقیقات میں اسکی کوئی نظیر ہے یا نہیں۔ اس کے لیے اسپرٹ، الکحل اور ٹنکچر کی حقیقت وماہیت کا ایک اجمالی جائزہ ضروری ہے۔

اسپرٹ اسپرٹ ( ) روح شراب یا تیز شراب کو کہتے ہیں، شکری سیال، یا میٹھے رسوں مثلاً گڑ، یا شکر کا شربت، یا آب نیشکر، یا آب انگور، یا آب سیب وغیرہ سے خمیر اٹھاکر پھر ان کا عرق کشید کر لیتے ہیں۔

جب شکر کو پانی میں گھول کر، اور اسے ایک ایسی گرم جگہ میں۔ جہاں کی حرارت ۷۰، اور ۸۰ درجہ فارن ہائٹ کے درمیان ہو۔ رکھ کر اس میں خمیر شراب ملادیں تو اس میں ایک تیز حرکت پیدا ہوکر جوش آنے لگتا، اور کاربانک ایسڈ گیس خارج ہونے لگتی ہے۔ اور وہ سیال بڑا گدلا ہو جاتا ہے، لیکن آخر کار تمام تلچھٹ برتن کے پیندے میں تہ نشین ہو جاتا ہے، اور شکر شراب میں تبدیل ہو جاتی ہے ایسی شراب کو شراب خام کہتے ہیں اور جب شراب خام کو مقطر یا کشید کرتے ہیں تو مذکورہ بالا "شراب خالص، یا ریکٹی فائیڈ اسپرٹ" حاصل ہوتی ہے۔ (سوالنامہ ص۳ بحوالہ مخزن الادویہ ص۹۲۳)

الکحل الکحل کے اجزائے ترکیبیہ بھی وہی ہیں جو اسپرٹ کے ہیں، اسپرٹ ہی سے الکحل تیار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ شمس الاطباء تحریر فرماتے ہیں:

کم طاقت والے ایتھی لک الکوہل ( ) سے کم از کم ۹ فیصدی پانی اڑاکر پھر اسے کشید کر لیتے ہیں چنانچہ ریکٹی فائیڈ اسپرٹ (جس میں ۱۰ فیصدی پانی ہوتا ہے) میں سے کم از کم ۹ فیصدی پانی کو علاحدہ کرنے کے بعد پھر اسے کشید کرنے سے خالص الکوہل حاصل ہوتا ہے۔ (سوالنامہ ص۳ بحوالہ مخزن الادویہ ڈاکٹری ص۲۲۳)

ٹنکچر شمس الاطباء لکھتے ہیں کہ:

"انگریزی لفظ ٹنکچر، اور اس کے مترادف عربی لفظ صبغۃ کے لغوی معنی ہیں "رنگ"۔"

بچونکہ اس قسم (یعنی ادویہ کے اجزائے مؤثرہ) کا مرکب بنانے کے لئے جب ادویہ کو الکوحل میں بھگوتے ہیں تو اس میں ان کے اجزائے مؤثرہ کے تحلیل ہو جانے کے علاوہ ان کی رنگت بھی آجاتی ہے یعنی وہ الکوحل رنگین ہو جاتا ہے اس لئے انگریزی وعربی میں اس کو ایسے نام سے موسوم کیا گیا ہے "

(سوالنامہ صٖ بحوالہ مخزن الادویہ ص ۱۱۹)

خلاصہ یہ کہ مختلف پھلوں یا اناج سے اسپرٹ اور اسپرٹ سے الکحل اور الکحل سے ٹنکچرز بنائے جاتے ہیں لہٰذا جو حکم اسپرٹ کا ہوگا وہی الکحل اور ٹنکچر کا بھی ہوگا۔

(۱) اسپرٹ خمر نہیں

اس دعوی کے اثبات کے لئے مندرجہ ذیل مقدمات کا ذہن نشین کر لینا ضروری ہے۔

(۱) خمر :- انگور کے ساتھ خاص ہے اس کے علاوہ دیگر شرابوں پر خمر کا اطلاق مجاز ہے۔

(۲) اس کو آگ پر جلایا نہیں جاتا ۔ یہ اور بات ہے کہ اس میں جوش آکر تیزی پیدا ہو جائے اور جھاگ پھینک دے۔

الخمر هي التي من ماء العنب اذا غلي واشتد وقذف بالزبد ولم يشترطا قذفه وبه قالت الثلاثة. وقد تطلق الخمر على غير ماذكر مجازاً

(در مختار فی هامش رد المحتار ص۲۸۸ مکتبہ ماجدیہ پاکستان ونحوہ فی کتاب الاشربہ من الہدایۃ)

خمر۔ انگور کا کچا پانی جس میں جوش آکر تیزی پیدا ہو جائے اور جھاگ پھینک دے صاحبین کے نزدیک جھاگ پھینکنا شرط نہیں ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی قول ہے۔ اور اس کے علاوہ شرابوں پر خمر کا اطلاق مجاز ہوتا ہے۔

اسپرٹ سے متعلق ابھی گذرا کہ۔ شراب خام کو مقطر یا کشید کرتے ہیں تو مذکورہ بالا۔ شراب خالص۔ یا۔ ریکٹی فائیڈ اسپرٹ۔ حاصل ہوتی ہے۔

اور مقطر یا کشید کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے آگ پر جوش دیا جاتا ہے جب ایک مخصوص درجہ حرارت پر پہنچ جاتا ہے تو پائپ کے ذریعے اس کی بھاپ دوسرے برتن میں ٹپکاتے ہیں۔۔

(سوالنامہ صٖ)

ان تمام تفصیلات کا نتیجہ یہ نکلا کہ

۱۔ خمر۔ صرف انگور کا کچا پانی ہے
۲۔ خمر۔ سے آگ کا کوئی تعلق نہیں

(۱) اسپرٹ انگور کے علاوہ دیگر چیزوں سے بھی تیار کیا جاتا ہے۔
(۲) اسپرٹ آگ میں جوش دیکر کشید کی جاتی ہے۔

لہٰذا انگور سے کشید شدہ اسپرٹ بھی خمر نہیں چہ جائیکہ دیگر رسوں سے تیار شدہ اسپرٹ کو خمر کہا جاسکے ۔

(۲) اسپرٹ وغیرہ شراب کی دیگر قسموں (جنکی حرمت متفق علیہ ہے) سے بھی نہیں

شراب کی چار قسموں میں سے خمر کا تذکرہ اوپر گذرا۔ بقیہ تین قسمیں یہ ہیں :

(۱) عصیر :- انگور کا وہ شیرہ جو دھوپ میں یا آگ پر اتنا پکایا جائے کہ دو تہائی سے کم جل جائے ، یعنی ایک تہائی سے زیادہ باقی رہے ۔

(ہدایہ ج ۴ ص ۴۹۴ کتاب الاشربہ ، درمختار ورد المحتار ج ۵ ص ۳۴۴ کتاب الاشربہ)

اسپرٹ یا الکحل کشید کرنے میں چونکہ تقطیر کا سہارا لیا جاتا ہے جو عصیر بنانے کے طریقے سے یکسر جداگانہ ہے لہٰذا انگور سے کشید کردہ اسپرٹ بھی عصیر نہیں چہ جائیکہ جو، غیرہ اناج یا دیگر رسوں سے کشید شدہ اسپرٹ کو عصیر کہا جاسکے ۔ اسپرٹ اور الکحل کشید یا مقطر کرنے کا طریقہ ابھی گذرا ــــــ اسی طرح نقیعان کی تعریف اور اس کی حقیقت وماہیت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسپرٹ وغیرہ ان دونوں شرابوں کے زمرے میں بھی نہیں آتے ۔ اس کی قدرے تفصیل ذیل میں ملاحظہ ہو ۔

(۲) نقیع التمر :- تر کھجور کا کچا پانی جس میں تیزی آجائے اور جھاگ پھینک دے ۔ اس کا دوسرا نام ، السَّکَر بھی ہے ۔

(۳) نقیع الزبیب :- منقّٰی کا کچا پانی جس میں جوش آکر تیزی آجائے اور جھاگ پھینک دے ۔

(ہدایہ ص ۴۹۶ و ۴۹۷ ج ۴ کتاب الاشربہ ، درمختار ورد المحتار ص ۳۴۵، ۳۴۶ ج ۵)

حاصل یہ کہ مذکورہ دونوں شراب کچے ہوتے ہیں انھیں آگ پر پکایا نہیں جاتا ۔ اور اسپرٹ والکحل آگ پر پکا کر کشید کیے جاتے ہیں جیسا کہ گذرا ۔ لہٰذا اسپرٹ والکحل نہ سَکَر ہیں نہ نقیع الزبیب ۔ الحاصل اسپرٹ کے اجزائے ترکیبی ، اس کی ساخت اور ماہیت پر غور کرنے سے یہ بات واضح اور روشن ہوجاتی ہے کہ اسپرٹ : خمر سے زیادتی تین شرابوں کی حد میں داخل ہوتا ہے ۔

اسپرٹ وغیرہ مختلف فیہ مشروبات سے ہیں

جو مشروبات ان اشربہ اربعہ کے علاوہ ہیں یا دوسرے اشیاء سے بنائے گئے ہوں خواہ وہ انگور یا کھجور ہی سے کیوں نہ ہوں ان کے متعلق ائمہ کے درمیان اختلاف ہے ۔ امام محمد رحمۃ اللہ کا قول قلیل وکثیر میں عدم جواز کا ہے ۔ اسپرٹ اور الکحل بھی انھیں مشروبات میں سے ہے ۔

امام احمد رضا کا موقف

اسپرٹ سے متعلق فقیہ اسلام امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کا منظریہ بھی یہی ہے کہ یہ شراب کی ان چار قسموں سے نہیں جن کی حرمت پر ہمارے ائمہ کا اتفاق ہے۔ چنانچہ سرخ رنگ کی ایک پڑیا سے متعلق جس کی رنگت مصری میں آگئی تھی سوال ہوا کہ مصری کھائی جائے یا نہیں اس کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا:

"پڑیا میں اسپرٹ کا ملنا اگر بطریق شرعی ثابت بھی ہو تو اس میں شک نہیں کہ ہندیوں کو اس میں ابتلائے عام ہے۔ اور عموم بلوی نجاسۃ متفق علیہا تک بالاتفاق تخفیف، حتی فی مواقع النص القطعی کما فی ترشش البول قدر رؤس الابر۔ کما حققہ المحقق علی الاطلاق فی الفتح القدیر۔ (ص ۱۸۹ ج ۲)

نہ کہ محل اختلاف میں، جو زمانہ صحابہ سے عہد مجتہدین تک برابر اختلافی چلا آیا، نہ کہ جہاں صاحب مذہب امام اعظم و امام ابو یوسف کا اصل مذہب طہارت ہو، اور وہی امام ثالث امام محمد سے بھی ایک روایت۔"

(فتاوی رضویہ جلد دوم ص ۴۹ باب الانجاس)

ایک دوسرے فتوے میں فرماتے ہیں:

"لہٰذا اس مسئلہ میں مذہب حضرت امام اعظم و امام ابو یوسف رضی اللہ تعالی عنہما سے عدول کی کوئی وجہ نہیں، ہمارے ان اماموں کے مذہب پر پڑیا کی رنگت سے نماز بلاشبہ جائز ہے۔ نیز اس زمانے میں اسی پر فتوے دینا پسند کرتا ہے۔"

(فتاوی رضویہ جلد دوم ص ۵۰ - ۵۱ باب الانجاس)

ایک اور صراحت ملاحظہ ہو۔

"انگریزی تنچروں میں عموماً اسپرٹ ہوتی ہے تو کھانے پینے کے سوا، نگنے وغیرہ میں جہاں خود اس کو چھونا لگانا پڑے وہ بھی ممنوع و ناجائز ہے۔ صرف کپڑوں کی فقیر کے نزدیک بوجہ عموم بلوی حکم طہارت ہے۔ اخذا باصل المذھب والتفصیل فی فتاوینا۔"

(فتاوی رضویہ ج ۱۱ ص ۸۸ کتاب الاشربۃ)

مذکورہ بالا صراحتوں سے یہ بات واضح ہے کہ امام احمد رضا کا موقف اسپرٹ وغیرہ سے متعلق یہی ہے کہ وہ مختلف فیہ شرابوں میں سے ہے۔ متفق علیہا میں سے نہیں۔

غیر مسکرات اربعہ کا حکم

ہدایہ میں ہے:

وقال فی الجامع الصغیر: وما سوی

ذالك من الاشربه (وهو الخمر والعصير والنقيعان) فلا بأس به۔ قالوا: هذا الجواب على هذا العموم والبيان لا يوجد في غيره وهو نص على ان ما يتخذ من الحنطة والشعير والعسل، والذرة حلال عند ابي حنيفه، ولا يُحَدُّ شاربُه عنده وان اسكر منه ولا يقع طلاق السكران منه بمنزلة النائم۔

وعن محمد: انه حرام. ويُحَدُّ شاربُه اذا سكر منه ويقع طلاقه اذا سكر منه كما في سائر الاشربة المحرّمة، وابو يوسف رجع الى قول ابي حنيفة فلم يحرّم كل مسكر الخ

(هدايه ص ۴۹۵ و ۴۹۶ ج ۴ كتاب الاشربة مكتبه تهانوی دیوبند)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

واَمّا ما هُوَ حلالٌ عند عامة العلماء فهو الطلاء وهو المثلث، ونبيذ التمر والزبيب فهو حلال شربُهُ ما دون السُّكْرِ لاستمراء الطعام والتداوى للتقوى على طاعة الله لا للتَّلَهِّي، والمُسْكِرُ منه حرام وهو القدر الذي يُسْكِرُ وهو قول العامة، واذا سكر يجب الحد عليه ويجوز بيعه ويضمن متلفه عند ابي حنيفة وابي يوسف، واصح الروايتين عن محمد، وفي رواية عنه ان قليله وكثيره حرام ولكن لا يجب الحد ما لم يسكر، كذا في محيط السرخسي. والفتوىٰ في زماننا بقول محمد حتى يحد من سكر من الاشربة المتخذة من الحبوب والعسل، واللبن والتين، لان الفُسّاق يجتمعون على هذه الاشربة في زماننا، يقصدون السكر واللهو بشربها، كذا في التبيين اه

(فتاویٰ عالمگیری ص ج ۵ نورانی کتب خانه)

(" " ص ۱۴۰ ج ۴ مطبع مجیدی کانپور)

اسی میں ہے:-

واَمّا الاشربة المتخذة من الشعير او الذُّرة او التُّفاح او العَسَل اذا اشتدّ وهو مطبوخ او غير مطبوخ فانه يجوز شربه ما دون السكر عند ابي حنيفة وابي يوسف وعند محمد رحمه الله حرام شربه،

قال الفقيه: وبه ناخذ۔ كذا في الخلاصه الخ

(فتاویٰ عالمگیری ص ۴۱۲ ج ۵ نورانی کتب خانه)
(" " ص ۱۴۰ ج ۴ مطبع مجیدی کانپور)

مذہب شیخین کی حیثیت

امام اعظم اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ کا مذہب دلائل شرعیہ کی روشنی میں بہت مضبوط اور قوی ہے، متعدد احادیث اور آثار سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اکابر ائمہ ترجیح نے اس کی تصحیح فرمائی۔ اور یہی اصل مذہب ہے۔ چنانچہ امام احمد رضا کا یہ تاثر ملاحظہ ہو۔

"یہ سب بربنائے مذہب مفتی بہ تھا۔ اور اصل مذہب کہ شیخین مذہب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے یعنی طہارۃ المثلث العنبی والمطبوخ التمری والزبیبی وسائر الاشربۃ من غیر الکرم والنخلۃ مطلقاً وحلها للتقوّی دون قصد الاسکار۔ معاذ اللہ یہ قول کچھ ساقط و باطل نہیں، بلکہ بہت باقوت ہے خود اصل مذہب یہی ہے۔ اور یہی جمہور صحابہ کرام حتی کہ اصحاب بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے، یہی قول امام اعظم ہے۔ عامہ متون مذہب مثل قدوری و ہدایہ و وقایہ و کنز و غرر و اصلاح وغیرہا میں اسی پر جزم و اقتصار کیا۔ اکابر ائمہ ترجیح و تصحیح مثل امام اجل ابو جعفر طحاوی و امام اجل ابو الحسن کرخی و امام شیخ الاسلام ابو بکر خواہر زادہ و امام اجل صاحب ہدایہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسی کو راجح و مختار رکھا بلکہ خود امام محمد سے کتاب الآثار میں اسی پر فتوی دیا اسی کو اپنا ماخذ فرمایا۔

علمائے مذہب نے بہت کتب معتمدہ میں اس کی تصحیح فرمائی یہاں تک کہ الفاظ ترجیح علیہ الفتوی سے بھی تذییل آئی۔"

(فتاوی رضویہ ج ۱۱ ص ۱۵۲ و ۱۵۳)

اس کے بعد احادیث و آثار اور اکابر ائمہ ترجیح کے اقوال اتنی مقدار میں نقل کیا کہ اتنے دلائل یکجا کہیں نہیں ملیں گے۔ بہر حال مذہب شیخین دلائل و براہین سے بہت مضبوط و مرجح ہے تاہم علمائے مذہب نے قول امام کے خلاف متعدد مسائل میں چند اسباب کے بنا پر فتوی دیا اور اختلاف زمانہ کے ساتھ فتوے میں تبدیلی بھی ہوئی اسباب ستہ (یعنی ضرورت، دفع حرج، عرف، تعامل، دینی ضروری مصلحت کی تحصیل، کسی فساد موجود یا مظنون بظن غالب کا ازالہ) ہی قول امام سے عدول کا سبب قرار دیے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ غیر مسکرات اور بعد میں امام محمد کے قول پر فتوی دیا گیا کیونکہ اس کا ظن غالب ہے کہ فساق و فجار اسی حیلہ سے ان مشروبات کا استعمال کریں گے اور شر و فساد کا باعث بنیں گے۔ اس فتنہ و فساد کے انسداد کے لئے امام محمد کے قول کو اختیار کیا گیا۔ عالمگیری میں ہے:

والفتوى في زماننا بقول محمد حتى يحد من سكر من الاشربة المتخذة من الحبوب والعسل واللبن والتين، لان الفساق يجتمعون على هذه الاشربة في زماننا ويقصدون السكر واللهو بشربها، كذا في التبيين اه (فتاوی عالمگیری ص ۱۳۰/۳ مطبع مجیدی کانپور)

الحاصل یہ کہ شیخین کریمین کا مذہب ہی راجح اور اصح ہے اور امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر متاخرین کا افتاء ایک خاص علت وسبب کی بنیاد پر تھا یعنی فساد کا ازالہ کہ فاسقوں کے لیے نشے میں بدمست ہونے کا دروازہ نہ کھل جائے۔

اسپرٹ آمیز دواؤں کا استعمال جائز ہے

اسپرٹ سے متعلق سابقہ تفصیلات سے ظاہر ہے کہ شیخین کے نزدیک حلال وطاہر ہے مگر امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک نجس وحرام ہے اور یہی قول مفتی بہ ہے تاہم دواؤں کی حد تک اس کے استعمال میں اصل مذہب پر اس زمانے میں فتویٰ دیا جانا چاہیے کیونکہ اسپرٹ آمیز دواؤں سے احتراز دشوار ہو چکا ہے اور ہر خاص وعام کا اس میں ابتلاء عام ہو گیا ہے لہٰذا اس میں عدم جواز ونجاست کا فتویٰ دینا حرج عظیم کا باعث ہے والحرج مدفوع بالنص وعموم البلویٰ من موجبات التخفیف۔ اور اصل مذہب سے عدول کی جو وجہ تھی وہ بھی مفقود ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اپنے زمانے میں امام اہلسنت نے جب پڑیا کے رنگوں میں ابتلائے عام دیکھا تو اصل مذہب پر فتویٰ دیا۔

(۱) پڑیا کی نجاست پر فتویٰ دیئے جانے میں فقیر کو کلام کثیر ہے۔ منش اس کا یہ کہ پڑیا میں اسپرٹ کا ملنا اگر بطریق شرعی ثابت بھی ہو تو اس میں شک نہیں کہ ہندیوں کو اس کی رنگت میں ابتلائے عام ہے۔ اور عموم بلویٰ نجاسۃ متفق علیہا میں باعث تخفیف، حتی فی موضع النص القطعی کما فی ترشش البول قدر رؤس الابر، کما حققہ المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر۔ نہ کہ محل اختلاف میں، جو زمانۂ صحابہ سے عہد مجتہدین تک برابر اختلافی چلا آیا۔ نہ کہ جہاں صاحب مذہب حضرت امام اعظم وامام ابو یوسف کا اصل مذہب طہارت ہو، اور وہی امام ثالث امام محمد سے بھی ایک روایت، اور اسی کو امام طحاوی وغیرہ ائمہ ترجیح وتصحیح نے مختار ومرجح رکھا ہو۔

نہ کہ ایسی حالت میں، وجہاں اس مصلحت کو بھی دخل نہ ہو جو متاخرین اہل فتویٰ کو اصل مذہب سے عدول اور روایت اخرائے امام محمد کے قبول پر باعث ہوئی۔ نہ کہ جب مصلحت الٹی اس کے ترک اور اصل مذہب پر افتاء کی موجب ہو۔ تو ایسی جگہ بلاوجہ بلکہ برخلاف وجہ مذہب مہذب صاحب مذہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ترک کر کے مسلمانوں کو ضیق وحرج میں ڈالنا، اور عامۂ مومنین ومومنات جمیع دیار واقطار ہند یہ کی نمازیں معاذ اللہ باطل، اور انہیں آثم ومصر علی الکبیرہ قرار دینا

روشِ فقہی سے یکسر دور پڑتا ہے۔ وباللہ التوفیق
(فتاویٰ رضویہ جلد دوم ص ۵۳ باب الانجاس)

ایک دوسرے فتوے میں فرماتے ہیں:

"بادامی رنگ کی پڑیا میں تو کوئی مضائقہ نہیں اور ررنگت کی پڑیا سے ورع کے لئے بچنا اولیٰ ہے۔ پھر بھی اس سے نماز نہ ہونے پر فتویٰ دینا آجکل سخت حرج کا باعث ہے والحرج مدفوع بالنص، وعموم البلوی من موجبات التخفیف لاسیما فی مسائل الطہارۃ والنجاسۃ۔ لہذا اس مسئلہ میں مذہب حضرت امام اعظم وامام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے عدول کی کوئی وجہ نہیں ان اماموں کے مذہب پر پڑیا کی رنگت سے نماز بلاشبہ جائز ہے، فقیر اس زمانے میں اسی پر فتویٰ دینا پسند کرتا ہے۔"
(فتاویٰ رضویہ جلد دوم ص ۵۰، ۵۱ باب الانجاس)

امام اہلسنت کے مذکورہ بالا فتاویٰ سے ظاہر ہے کہ انہوں نے دفع حرج اور ابتلائے عام کی وجہ سے اسپرٹ آمیز رنگوں کی طہارت کا حکم دیا بلکہ اسی پر فتویٰ دینا پسندیدہ قرار دیا اور اس کے خلاف کو حرج وتنگی کا باعث جانا۔

امام اہلسنت کے عہد میں رنگے ہوئے کپڑوں کا استعمال عام ہو چکا تھا تاہم انگریزی دواؤں اور ٹنکچروں میں ابتلائے عام نہیں ہوا تھا وجہ یہ تھی کہ اس وقت تک لوگوں میں جڑی بوٹیوں اور یونانی دواؤں کے استعمال کی عام عادت تھی بلکہ عام مسلمانوں میں انگریزی سے بیزاری اور انگریزی مصنوعات سے نفرت تھی خصوصاً اسپرٹ آمیز دواؤں میں ابتلائے عام کا تحقق نہیں ہوا تھا مگر اس زمانے میں جب کہ یونانی اور آیورویدک دوائیں بھی اسپرٹ کی آلودگی سے پاک نہیں ہوتیں اور بالفرض اگر ہوں بھی تو انگریزی دواؤں کی بہ نسبت صعب الحصول ہیں۔ آج عالم یہ ہے کہ ہر قریہ ودیہات میں انگریزی دوائیں دستیاب ہیں مگر بعض شہروں میں بھی یونانی دوائیں عنقاء ہیں یا وقت پر دستیاب نہیں۔ ان وجوہات کی بنیاد پر عوام تو عوام خواص بھی بیشتر امراض کے معالجے میں انگریزی دواؤں کا سہارا لے رہے ہیں اور ابتلائے عام کا تحقق ہو گیا ہے۔ لہذا اصل مذہب کے خلاف امام محمد کے قول پر فتویٰ دینے سے حرج عظیم اور تکلیف مالایطاق لازم آتا ہے۔ بلکہ بقول امام اہلسنت:

"نہ کہ ایسی حالت میں جہاں اس مصلحت کو بھی دخل نہ ہو جو متاخرین اہل فتویٰ کو اصل مذہب سے عدول اور روایت افرادئے امام محمد کے قبول پر باعث ہوئی۔ نہ کہ جب مصلحت الٹی اس کے ترک اور اصل مذہب پر اتفاق کی موجب ہو۔ تو ایسی جگہ بلاوجہ، بلکہ برخلاف وجہ مذہب مہذب صاحب مذہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ترک کر کے مسلمانوں کو ضیق و حرج میں ڈالنا، اور عامۂ مومنین ومومنات

بلیغ دیار، وانتظار ہندیہ ... کو آثم ومصرطی انگیرہ قرار دینا روش فقہی سے یکسر دور پڑتا ہے۔
(فتاویٰ رضویہ جلد دوم ص ۵۳ باب الانجاس)

ایک دوسری دلیل

یوں تو محرمات سے علاج ناجائز ہے مگر کسی خاص دوا کے متعلق اگر یقین ہو جائے کہ اس سے شفا مل جائے گی اس کے سوا کوئی دوسری دوا معلوم نہیں تو حلال ہے جیسا کہ خود امام اہلسنت فرماتے ہیں:

"یہاں تک کہ ایسی شئے کا دوا میں بھی استعمال ناروا مگر جب اسکے سوا دوا نہ ہو اور یقین کامل ہو کہ اس سے قطعاً شفا ہو جائے گی، جیسے بحالت اضطرار پیاسے کو شراب پینا یا بھوکے کو گوشت مردار کھانا شرعِ مطہر نے جائز فرمایا کہ اس سے بھوک اور اس سے پیاس کا جانا یقینی ہے۔ مجرد قول اطبا کو ہرگز موجب یقین نہیں۔"

فقال فی رد المحتار قوله اختلف فی التداوی بالمحرم نفی النھایۃ عن الذخیرۃ یجوز ان علم فیہ شفاءً، ولم یعلم دواء آخر، وفی الخانیۃ فی معنی قوله علیه السلام ان اللہ لم یجعل شفاء کم فی الحرام فیما حرم علیکم کما رواہ البخاری۔ ان ما فیہ شفاء لا باس به ا ہ

(فتاویٰ رضویہ جلد دوم ص ۱۳۲ و ۱۳۵)

امام اہلسنت کا یہ قول کہ "مجرد قولِ اطباء کو ہرگز موجب یقین نہیں" خاص اور متعین دوا کے متعلق ہے۔ جیسا کہ خود فرماتے ہیں۔ "بارہا اطباء نسخے تجویز کرتے ہیں اور ان کے موافق آنے پر اعتماد کلی رکھتے ہیں پھر ہزار دفعہ کا تجربہ ہے کہ ہرگز ٹھیک نہیں اترتے" الخ (ص ۱۳۴)

مگر عام دوا یا جنس دوا کے سلسلے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ موجب یقین نہیں۔ کیونکہ مطلقاً انگریزی دوائیں، مثلاً عام امراض کے لئے شفا بخش ہیں۔ یا مطلقاً اسپرٹ آمیز دوائیں شفا بخش ہیں اور ان کے علاوہ دوسری دوائیں یا تو دستیاب نہیں یا سہل الحصول نہیں لہذا مطلقاً مذکورہ دواؤں کا استعمال جائز ہے۔

(ھذا ما سنح لی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

رنگوں کا حکم

امام اہلسنت نے رنگین کپڑوں سے متعلق حکم طہارت دیا اور ساتھ ہی ساتھ دیوار، دروازے اور پلنگ وغیرہ سے متعلق بھی یہ اشارہ فرمایا کہ جہاں خود چھونا لگانا پڑے جائز ہے۔ ملاحظہ ہو!

"انگریزی تصویروں میں عموماً اسپرٹ ہوتی ہے تو کھانے پینے کے سوا رنگنے وغیرہ میں جہاں خود اس کا چھونا لگانا پڑے وہ بھی ممنوع و ناجائز ہے۔" (فتاویٰ رضویہ ج ۲ ص ۱۰ کتاب الاشربہ)

اس کے مفہوم مخالف سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جہاں خود چھونا لگانا نہ پڑے وہ ممنوع نہیں ۔ والمفہوم معتبر فی عبارات العلماء ۔

اعلیٰحضرت
فاضل بریلوی رحمۃ اللہ
کی وہ نایاب مطبوعات جو بازار
میں نہ ملتی ہوں ہم سے رجوع فرمائیں
ہر قسم کی دینی مطبوعات اور اسٹیکرز وغیرہ کی
چھپائی کے لئے ہم سے رجوع فرمائیں
برکاتی پبلشرز
پہلی منزل، نیک محمد بلڈنگ
چھاگلہ اسٹریٹ کھارادر کراچی نمبر ۲

مولانا قاضی فضل احمد صاحب مصباحی

استاذ جامعہ عربیہ ضیاء العلوم بنارس

الکحل

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

خمر کی حقیقت

خمر حقیقت میں انگور کا وہ کچا پانی ہے جس میں جوش آکر تیزی پیدا ہو جائے اور جھاگ پھینکدے۔ حضرات صاحبین کے نزدیک جھاگ سے صاف ستھرا ہونا ضروری نہیں بلکہ صرف تیزی آجانا کافی ہے۔ چنانچہ فتاوی قاضیخان، درمختار، مبسوط وغیرہ میں ہے واللفظ لقاضی خان۔ الخمر فهی النی من ماء العنب اذا غلی واشتد وقذف بالزبد وصار اسفله اعلاه فهو خمر بلا خلاف وان غلی واشتد ولم یقذف بالزبد فلیس بخمر فی قول ابی حنیفة حلوا کان او قارضا وفی قول صاحبیه یصیر خمرا۔ ص ۲۵۶/۳ — اور بقیہ مشروبات پر اس کا اطلاق محض مجازا ہوتا ہے۔ درمختار میں ہے وقد تطلق الخمر علی غیرہ ماذکر مجازا۔

(ص ۳/۵ بحوالہ شامی)

۱۔ مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں الکحل، اسپرٹ اور ٹنکچر شرعی نقطۂ نگاہ سے خمر نہیں ہیں۔ اگر الکحل وغیرہ شیرۂ انگور کے علاوہ دوسری چیزوں سے بنایا جائے تب تو ظاہر ہے — اور شیرۂ انگور سے تیار کئے جانے کی صورت میں بھی خمر میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ خمر انگور کا کچا پانی ہوتا ہے جسے پکایا نہیں جاتا اور الکحل وغیرہ کے لئے آگ پر پکایا جانا ضروری ہے

۲۔ اور نہ ہی یہ ان مشروبات سے ہیں جن کی حرمت پر ہمارے ائمہ کرام کا اتفاق ہے۔ اسلئے کہ جن شرابوں کی حرمت پر ہمارے ائمہ کرام کا اتفاق ہے ان کی تین قسمیں ہیں (۱) عصیر (۲) نقیع التمر (۳) نقیع الزبیب۔ اور الکحل وغیرہ کی ہیئت ترکیبیہ مذکورہ چاروں قسموں سے جدا ہیں تو ان کا شمار ان مشروبات محرمہ متفقہ میں کیونکر ہو سکتا ہے۔

۳ ہاں یقیناً ان کا شمار ان مشروبات سے ہوگا جو شیخین رحمہا اللہ کے نزدیک حد اسکار سے کم میں اغراض صحیحہ کے لئے حلال ہیں اور امام محمد کے نزدیک ناپاک و حرام۔

۴ موجودہ زمانہ میں اسپرٹ آمیز دواؤں کے استعمال میں عموم بلویٰ کی حالت یقیناً پیدا ہو چکی ہے۔

۵ لہذا جب کہ موجودہ زمانہ میں تمام امصار و بلاد کے عوام و خواص ان مخلوط دواؤں کے استعمال میں مبتلا ہو چکے ہیں تو مذہب شیخین جو اصل مذہب ہے اس پر عمل کرتے ہوئے ان دواؤں کا استعمال جائز ہونا چاہیے۔ اور بقول مجدد اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان عموم بلویٰ نجاست متفق علیہا میں باعث تخفیف تو مختلف فیہا میں کیونکر باعث تخفیف نہ ہوگا۔ آخر مجدد اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے زمانے میں پڑیا میں رنگے ہوئے کپڑوں کے استعمال کو ابتلائے عام اور ضیق و حرج کی وجہ سے ہی تو جائز قرار دیا ہے۔

۶ دیوار، دروازے، کرسیاں، پلنگ، میز وغیرہ جو مختلف قسم کے رنگوں سے مزین کئے جاتے ہیں جن میں اسپرٹ کی آمیزش ہوتی ہے، ان سب میں بھی ابتلائے عام کی وجہ سے جواز کا حکم ہوگا —— ھذا ما عندی والعلم بالحق عند ربی۔

قرآن
حدیث
تفسیر
اور دیگر
علمی و ادبی
کتابوں کا
مرکز
برکاتی پبلشرز
پہلی منزل، نیک محمد بلڈنگ چھاگلہ اسٹریٹ کھارادر کراچی ۔۔۔ ۲

مباحثہ

مقالات کی خواندگی اور سماعت کا دور ختم ہونے کے بعد مسئلہ دائرہ پر مباحثہ کا دور شروع ہوا۔ بڑی دقتِ نظر اور وسعتِ فکر اور آزادیٔ گفتار کے ساتھ اصاغر، اکابر سب نے ایک دوسرے سے دل کھول کر بحث کی، اور انتہائی خوشگوار ماحول میں تحقیق و تنقیح کا یہ سفر اپنی منزل کی طرف جاری رہا۔

اب ورق الٹئے اور ذہن و فکر کو جِلا دیجئے۔

مُباحثہ

بر مسئلہ الکحل وغیرہ

حضور نائب مفتی اعظم ہند دام ظلہٗ العالی :-

جن صاحب کو اس جگہ پر کہنا ہو وہ اپنی بات پیش کر دیں ۔ سوال بنیادی یہ ہے کہ الکحل اسپرٹ ٹنکچر احناف کے مذہب میں (شوافع اور مالکیہ حضرات نے جو کچھ ہے اس پر غور نہیں کرنا ہے ۔ ہم مقلد ہیں مقلد ہونے کی حیثیت سے مذہب حنفی میں جو تصریح ہے اس کی روشنی میں ہمیں طے کرنا ہے ۔) متفق علیہ خمر حرام ہیں اور خمر حقیقی ہیں یا نہیں ہیں اور اس بارے میں ہمارے ائمہ میں اختلاف ہے یا نہیں ۔ اختلاف ہے تو پھر آج انگریزی دواؤں کے لئے عموم بلویٰ ہے یا نہیں ۔ یہ باتیں بنیادی ہیں ہمارے بحث کی ۔ اس سلسلے میں اگر آپ حضرات گفتگو کریں تو بہتر ہوگا

مفتی حبیب اللہ :-

خمور اربعہ کے سلسلے میں ہمارے ائمہ کا اتفاق ہے ، خمور اربعہ کے علاوہ کے سلسلے میں شیخین اور امام محمد رحمہما اللہ تعالے کے مابین اختلاف ہے ۔ اس سلسلے میں الکحل ، اسپرٹ ، ٹنکچر تمام مشروبات ہمارے نزدیک شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف ضرورت کے تحت جہاں اس کی ضرورت پیش آئے اور دوسرے حلال چیزوں سے اگر اس کا کام پورا نہ ہوسکے تو صرف ضرورۃً جائز ہے جیسے اگر ہم کو دوا نہ مل سکیں جس میں یہ چیزیں مخلوط نہ ہوں اس صورت میں ہم ان دواؤں کو ضرورت میں استعمال کر سکتے ہیں ۔ اس لئے کہ ہاں ہمیں اس کی ضرورت پیش آ گئی لیکن اگر دوسری دواؤں سے کام چل سکتا ہے تو اس وقت یہ ہمارے لئے ضروری نہیں ہے ۔ کیونکہ ڈاکٹروں کے مشوروں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ابھی تک بہت ساری دوائیں ہیں جن میں شراب یا شراب کے حکم میں بہت مشروبات ہیں ان سے کچھ دوائیں بچی ہوئی ہیں ۔

رہا سوال کسی دوا کے بارے میں یقین حاصل کرنا کہ اسی میں شفا ہے یہ غیر ممکن ہے اسلئے کہ طب کا دارو مدار ظنیات پر ہے ۔

اس لئے کسی دوا کے بارے میں یہ حصر کر کے نہیں کہا جا سکتا کہ شفا اسی دوا میں ہے۔ جب شفا حاصل نہ ہوگی تو ضرور یہ قول کرنا پڑے گا۔

الکحل کے سلسلے میں بہت ساری دلیلیں پیش آئیں کہ الکحل بہت ساری چیزوں سے بنائی جا سکتی ہے اور اگر اس کو پکا دیا گیا تو اس کی ماہیت بدل گئی ہے لیکن میرا اعتراض یہ ہے کہ شراب جس چیز سے بنائی جاتی ہے اگر اسی سے الکحل بنائی جائے تو شراب ہی کا حکم ہونا چاہئے جیسے کہ اگر پیشاب کو پکا دیا جائے تو پیشاب سے جو عرق پیدا ہوگا کیا وہ پاک ہوگا کیا اس کے پینے کی اجازت دی جائے گی؟

حضرت نائب مفتی اعظم ہند:۔

شراب سے آپ کی مراد ہے، خمر؟

مولانا حبیب اللہ صاحب:۔

خمر حقیقی!

حضرت نائب مفتی اعظم ہند:۔

ایسے موقع پر شراب کے بجائے خمر ہی بولا کیجئے۔

مفتی حبیب اللہ خاں

تو جو خمر حقیقی کا حکم ہے وہی الکحل کا ہونا چاہئے اور خمر حقیقی کے علاوہ جو اور مشروبات ہیں اور ان سے الکحل تیار کیا جائے اگر وہ پاک ہیں تو ان کا حکم بھی ہونا چاہئے تاوقتیکہ اس میں اسکار کی صورت پیدا ہو اس کے اندر علت ہی کا حکم ہونا چاہئے لہذا علی الاطلاق الکحل کو حرام نہیں کرنا چاہئے اور اس کے علاوہ چیزوں کو سیدنا اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جہاں عموم بلویٰ کو سمجھا وہاں انہیں کے جواز کا حکم دیا لیکن عموم بلویٰ کا مسئلہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ایک چیز کسی کے لئے عموم بلویٰ ہو اور کسی کے لئے نہ ہو جیسے کیچڑ کا مسئلہ کہ عوام کے لئے تو عموم بلویٰ ہے مگر خواص کے لئے اسکی ضرورت نہیں لہذا ان کے لئے یہ حکم نہیں دیا جا سکتا۔ لہذا اس مسئلے کی بھی تنقیح ہونی چاہئے کہ کہاں کہاں عموم کا اعتبار کیا جا سکتا ہے اور کہاں کہاں نہیں تا کہ اس اعتبار سے فیصلہ کیا جا سکے۔ السلام علیکم۔

مفتی محمد معراج القادری۔

ابھی حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب نے فرمایا کہ مختلف فیہ مشروبات میں حرمت کی علت اسکار ہے۔ شیخین کے مسلک کے مطابق اور دواؤں میں مختلف فیہ مشروبات جیسے الکحل وغیرہ اس کی قبیل سے آتا ہے اگر اس کا استعمال ہوتا ہے کیونکہ اس کی علت اسکار بتائی ہے اس لئے کہ علت کا حکم دینے کے لئے ابتلائے عام کے بجائے ضرورت کی بنیاد پر حکم دیا جانا چاہئے یعنی ابتلائے عام عموم بلویٰ کی بنیاد پر الکحل وغیرہ کی مصنوعیت یا اس کی علت کا حکم نہیں ہونا چاہئے بلکہ

ضرورت جو اسباب ستہ میں سے سب سے پہلا سبب ہے اس کی بنیاد پر علت کا حکم ہونا چاہئے اس پر مجھے یہ کہنا ہے کہ جب تخفیف احکام کے لئے یہ چھ اسباب گنائے گئے اور ان میں ضرورت کے ساتھ ساتھ ابتلائے عام، دفع حرج کو بھی رکھا گیا تو تخصیص کر دینا کہ صرف ضرورت ہی کی بنیاد پر علت کا حکم ہونا چاہئے اور ابتلائے عام کی بنیاد پر نہیں ہونا چاہئے یہ مناسب نہیں معلوم ہوتا جب کہ یہاں پر تنظیر بھی موجود ہے کہ اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے رنگین کپڑوں میں اسپرٹ کی علت کا جو حکم دیا ہے وہ ضرورت کی بنیاد پر نہیں دیا ہے بلکہ ابتلائے عام کی بنیاد پر دیا ہے۔ ضرورت کی بنیاد پر جو حکم آج بھی ہے اور انھیں فقہائے کرام کی روشنی میں ہے اس پر تو کلام کرنے کی ضرورت نہیں ہے آج اگر دواؤں میں ضرورت متحقق ہوتی ہے کہ جس کے بغیر چارۂ کار نہ رہ جائے تو اس کا جواب فقہائے کرام کے اقوال کی روشنی میں آج بھی موجود ہے۔

دوسرا اعتراض:۔ آپ نے یہ فرمایا کہ الکحل وغیرہ کی بنیاد دیکھی جائے گی جو بنیاد ہو گی جن چیزوں سے اس کی تعمیر ہوگی اسی کا لحاظ ہوگا مثلاً اگر الکحل کو کوئی خمر حقیقی سے بنایا جاتا ہے تو جو حکم خمر حقیقی کا ہوگا وہی الکحل کا ہوگا یا اگر خمر حقیقی کے علاوہ دوسری الکحل ان چیزوں سے بنایا جاتا ہے کہ جس کی طہارت کا حکم ہے تو الکحل کی طہارت کا حکم ہوگا لیکن یہاں مجھے یہ کہنا ہے کہ جیسے خمر حقیقی انگور سے بنایا جاتا ہے اگر الکحل بھی انگور سے بنتا ہے تو خمر حقیقی بھی انگور سے بنایا گیا اور الکحل بھی انگور سے بنایا گیا الکحل اور خمر حقیقی کی تیاری اور اسکے بنانے میں کیفیت ترکیب جو ہے وہ مختلف ہے وہ کی کیفیت ترکیب کی بنیاد پر الکحل کی ماہیت منقلب ہو جائے کہ خمر حقیقی کیا یا اس کو کہا جاتا ہے۔ انگور کے کچے پانی کو جب جوش دیا جائے تو تیزی آجائے اور جھاگ پھینک دے تو اس کو خمر کہا گیا الکحل بھی انگور سے بنایا جائے لیکن اس کو آگ پر پکا کر بنایا جائے اور اسی طریقہ پر بنایا بھی جاتا ہے اس میں اصل شے کا بھی بعض اسکے اکثر تغیرات ہوتے ہیں تو یہاں تفتیش کرنے کی بنیاد پر انقلاب ماہیت ہو گیا جو ماہیت پہلے تھی وہ ماہیت اب الکحل میں نہیں ہے کیونکہ تخمیر اور تخمیر یہ الکحل کیلئے ضروری ہے اور تقطیر اور تخمیر یہ بھاپ کے ذریعہ لیا جاتا ہے اور خمر حقیقی میں بھاپ کا لحاظ نہیں ہے تو الکحل کی حرمت کا حکم دینا صرف اس بنیاد پر کہ وہ انگور سے بنتا ہے اور انگور ہی سے خمر حقیقی بنائی جاتی ہے یہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ مناسب ہوگا کہ اس کی مزید توضیح کر دیں۔

حضرت محدث کبیر دام ظلہ العالی:۔ السلام علیکم

۔۔ قادری صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ الکحل خمر سے نہیں بنایا جاتا کہ جس کی بنا پر الکحل کو بعینہ خمر قرار دیا جائے اور پھر اسے پیشاب پر قیاس کیا جائے بلکہ یہ مختلف قسم کی پاک چیزوں مثلاً گنے کے رس وغیرہ سے ایک خاص ترکیب سے بنایا جاتا ہے تو یہ ائمہ حنفیہ کے نزدیک خمر ہے یا نہیں۔ انقلاب ماہیت کا سوال تو اس وقت پیدا ہوتا جب اسے خمر سے بنایا جاتا۔ تو سوال یہ ہے کہ پاک اور حلال اشیاء سے تیار شدہ الکحل کی ماہیت وہی ہے جو خمر کی ہے یا اس سے مختلف ہے؟ نظام الدین رضوی

سب سے پہلے بنیادی بات مولانا نے یہ فرمائی کہ بوجہ ضرورت یا بوجہ عموم بلویٰ یا بوجہ حرج کسی بھی طریقے سے قول ضعیف پر عمل کیا جائے یا نہ کیا جائے، بس یہاں پر مجھے ایک اعتراض یہ کرنا ہے کہ عموم بلویٰ. تعامل، عرف، یہ تین ایسے الفاظ ہیں جنکے معاملے میں مقالہ نگاروں نے بہت خلط ملط کئے ہیں اور ان کے معانی کے متعین کرنے میں ابھی تک جتنا اعتراض تھا وہ ابھی باقی ہے یہ مجھے نہیں سمجھ میں آسکا کہ الکحل آمیز دوائیں عموم بلویٰ کی حد میں آتی ہیں یا نہیں، صرف دعویٰ کرنے سے کام نہیں چلیگا بلکہ اس کیلئے کوئی امر متحقق ہونا ضروری ہے اس کے بعد یہ کہاں ثابت ہی ہے کہ اگر عموم بلویٰ ثابت ہی ہو تو کیا کھانے والی چیزوں کے بارے میں عموم بلویٰ محرمات میں تخفیف کے قابل ہے یا نہیں تو قرآن حکیم میں رب قدیر نے جو محرمات کے بارے میں ارشاد فرمایا ——— اس کو سامنے رکھتے ہوئے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بادی استعمال اور داخلی استعمال کا بڑا فرق ہوتا ہے۔

رہ گئی یہ بات کہ پڑیا والے رنگ کو اعلیٰحضرت نے ذکر کیا اب یہ سب مجھے متحقق نہ ہوسکا کہ پڑیا والے رنگ اور دوسرے والے رنگ کے فرق کی کیا وجہ ہے۔ پڑیا والے رنگ سے مشابہت ظاہر بھی ہوتا ہے پڑیا اس چیز کی ہوتی ہے جس پر الکحل یا اسپرٹ ملائی جاتی تھی اور اس پڑیے میں رنگ لایا جاتا تھا اور اس پڑے کا کچھ اثر رنگ پر آجاتا تھا اس کے استعمال کو

کھانے کے بارے میں اس پر استدلال کرنا ابھی بہت دور تک محل نظر ہے زیادہ سے زیادہ کپڑوں تک کی بات آتی ہے اب یہ اعلیٰحضرت کے اور رسائل ہیں فتاویٰ کے سلسلے میں جتنے بھی ذکر کئے ان میں پڑیا والے رنگ میں بھی مجبوراً بطور ضرورت نے یہ نہیں تسلیم کیا کہ حد ضرورت شرعی کے سبب سے وہاں پر اسپرٹ کی آمیزش شامل ہے یعنی پڑیا کے رنگ پر اسپرٹ کا استعمال ہونا شرعی طور پر ثابت ہے یہ ضروری نہیں اور اگر ثابت ہو جائے تو اس وقت اسے ضرورت شرعیہ یا بوجہ مجبوری کہئے یا بوجہ عموم ابتلاء جو بھی چاہیں کہئے کیونکہ کپڑوں کی حد تک جائز کیا ہے اور رہ گئی ایک بات تیسری جس نے آپ خود دو ڈش کے معاملے میں کہ نہایت صراحۃً جو استدلال کی گئی اس کے بارے میں ایک استدلال کر سکتے ہیں تو اس پر بھی میرا اعتراض ابھی اپنی جگہ پر ہے کہ کیا اس پڑیے میں اسپرٹ ہوتی ہے یا اس رنگ میں اسپرٹ ہوتی ہے جو رنگ تحلیل کیا گیا اس کے اندر ہے یا اب سمجھ کر کے یہ بھی غور کریں کہ دواؤں کے معاملے میں یہ جو عرض کیا گیا کہ دواؤں میں ابتلائے عام ہو گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ دوائیں ایسی بھی ایلوپیتھ میں پائی جاتی ہیں کہ جس میں اسپرٹ کی ملاوٹ ہے اب یہ امر قابل تسلیم ہے اور اس کیلئے دواساز کمپنیوں سے رابطہ کرنا ضروری ہے اسکے علاوہ کیا یہ مانا جاسکتا ہے کہ یہ ضرورت جب کہ انگریزی یا یونانی وہ دوائیں کہ جن دواؤں کے استعمال میں کوئی قباحت نہیں یا ان میں اس طرح کی مشتبہ یا متعین نجس چیزیں نہیں ہیں اسکے باوجود کیا آپ تحقیق کے ساتھ بتا سکتے ہیں کہ دنیا کے بالکل مفقود یا کالعدم کے حکم میں ہیں اور پھر اس مسئلہ پر بھی غور کرنا پڑے گا کیونکہ وقفہ چائے شروع ہونے والا ہے اس لئے میں یہ سب پیش کر دیتا ہوں کہ اس وقفے میں آپ حضرات جواب کے لئے تیار ہو جائیں ———

اس تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ دواؤں کے استعمال کے معاملے میں عموم بلویٰ یا حرج عظیم یا اس حد تک پہونچ چکا ہے

کہ جس کو شریعت دائرہ اجازت میں لے آتی ہے یہ بس اس قدر ہے کہ اگر کھانا جائز مان لیا جائے یعنی پہلا اعتراض اپنی جگہ یہ ہے کہ کھانے کے معاملے میں دمن اضطر فی مخمصة کے بغیر اجازت نہیں ہے مخمصہ کی قید اس میں شرط ہے اب اس سے الگ ہو کر یعنی مخمصہ سے نیچے اتر کے حرج یا ضرورت یا تعامل یا عرف اس کو سامنے رکھ کر اب گفتگو کرنی ہے کہ کیا ضرورت موجود ہو گئی یا حرج عظیم پایا گیا اگر ایسا ہے تو پینا فرض ہو گیا۔

ضرورت یا حرج یا تعامل یا عرف کی وجہ سے یہاں پر اگر اس کی تمیز کی ضرورت ہے تو پہلے اب من ابتلی ببلیتین فلیختر اھونھما کے دائرے میں ہے اس چیز پر غور کرنا بنیادی مسئلہ ہے یا دوائیں استعمال کرنا زیادہ آسان ہے یا مرجانا۔

یہ میں حضرت کی بات نقل کر دیا ہوں دوا سے مراد یہاں دوائے معروف باللام ہے یعنی وہ دوا جو الکحل کی آمیزش سے ہے مرض بڑھنا اس وقت جب کہ اس کے بدن میں دوا نہیں تھی اس زمانے میں سب سے پیش پیش دنیا میں جو لوگ نئے طریقے کے علاج ایلوپیتھی کی طرف سبقت کرتے تھے وہ یورپ کے لوگ تھے اور انھیں کی ایجاد ہے وہ لوگ اتنی تیزی کے ساتھ اس طریقۂ علاج کو چلائے کہ ہر معاملے میں سبقت کر رہے ہیں اور اسی طریقۂ علاج کی طرف طلب میں آ رہے ہیں۔

جس سے پتہ آتا ہے کہ ضرورت ذاتی اس بات کی ہے کہ وہ طریقۂ علاج کب اختیار کیا جائے صرف سرجری کے معاملے میں اب ہمیں غور کرنے کی ضرورت ہے اب یہاں پر یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ضرورت جہاں تک اس امر کی ہے مرجانے کی بات اب اس زیج میں آئی تو اب مرجانا بہتر ہے میں اسلئے بھی کہہ سکتا ہوں کہ علاج فرض نہیں ہے واجب نہیں ہے سنت مؤکدہ نہیں ہے زیادہ سے زیادہ کوئی کھینچ تان کر ثابت کرے گا تو غیر مؤکد مستحب یا مباح کے درجے میں جہاں تک میں سمجھتا ہوں کہ علاج سرے سے نہ کیا جائے کیونکہ رسول پاک صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ حدیث صحاح ستہ میں طرق عدیدہ اور روایات کثیرہ سے مروی ہے کہ میری امت میں ستر ہزار وہ افراد ہیں جو بلے حساب کے جنت میں جائیں گے۔ وجوھھم کالقمر لیلة البدر لا یتبل اولھم الا یتبل آخرھم صحابہ نے عرض کیا ماھم یا رسول اللہ فقال ھم الذین لا یسترقون ولا یکتوون وانھم على الله یتوکلون۔ اس حدیث کو سامنے رکھتے ہوئے اب ایک اور مسئلہ مرجانا آسان ہے کہ نہیں یہ بھی سامنے ہے۔ خیر یہ تو ایک ضمنی بات ہے اصل یہ ہے کہ ابتلاء عام ہے یا نہیں دوسرا مسئلہ اس موقع پر یہ کہ منصوص مسئلے میں ابتلاء عام یا تعامل وغیرہ سے کوئی بھی تخصیص یا اس کے خلاف حکم کا افادہ بطور قول ضروری کیا جاتا ہے اس جگہ منصوص سے مراد کیا ہے منصوص بنص قطعی، منصوص بنص متخالف الدلالة الرواية جیسے خبر کا مسئلہ متخالف ولا لیتن۔ کھتے والا الفقاء یعنی وہ منصوص بنص ظنی یا منصوص بنص فقہاء۔ مطلب یہ کہ فقہاء نے اس کی تصریح کی ہو نص مسموع من الکتاب۔ والسنۃ نہ ہو کیا نص سے مراد یہاں جب یہ معنی بھی فقہ کے اندر ہے۔ میرے خیال میں جب تک کسی بات پر بھرپور بحث نہ ہو لے اس وقت تک کسی نتیجے تک پہونچنا کوئی آسان عمل نہیں ہے ——

السلام علیکم

مفتی نظام الدین:-

الکحل، اسپرٹ اور ٹنکچر آمیز دواؤں کے استعمال کے سلسلے میں استاذ شفیق بزرگ محترم حضرت محدث کبیر دامت برکاتہم القدسیہ نے جو بحث فرمائی ہے وہ اپنی جگہ بے مدا ہم اور نہایت معقول ہے۔ یقیناً جب تک یہ نکات بحث حل نہ ہو جائیں اس مسئلے کے سلسلے میں کوئی حتمی اور قطعی رائے نہیں قائم کر سکتے۔ حضرت استاذ مکرم نے جو کچھ بھی ارشاد فرمایا بجا ہے باتیں انھیں کی صحیح ہیں لیکن اس سلسلے میں ایک طالب علم کی حیثیت سے مجھے کچھ شبہات بھی ہیں۔ بہت سے موقعوں پر آپ نے ہم لوگوں کے شبہات کا ازالہ فرمایا ہے بس اسی حیثیت سے ایک طفلانہ بات عرض کرنے جا رہا ہوں حضرت نے سب سے پہلے نکتہ بحث یہ اٹھایا ہے کہ عموم بلویٰ کا موجب تخفیف ہونا عام ہے یا خاص اس سلسلے میں میرا کوئی مطالعہ نہیں ہے بس اعلیٰحضرت عظیم البرکت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی ایک مختصر سی عبارت میری نگاہوں کے سامنے ہے شاید اسی سے اس مسئلے کے حل میں کچھ اشارہ مل سکے وہ عبارت یہ ہے۔ والحرج مدفوع بالنص وعموم البلویٰ من موجبات التخفیف لاسیما فی مسائل الطہارۃ والنجاسۃ۔ یہ عبارت سرسری طور سے پڑھ کر گذر جانے کی نہیں بلکہ بہت اہم اور قابل غور ہے۔ اعلیٰحضرت فرماتے ہیں کہ "عموم البلویٰ من موجبات التخفیف" یہ لفظ بالکل مطلق ہے اس کے اندر کوئی تقیید اور کوئی تخصیص نہیں اسکے اطلاق کی دلیل ساتھ ہی ساتھ اعلیٰحضرت نے یہ دیدی ہے۔ لاسیما فی مسائل الطہارۃ والنجاسۃ۔ اس لاسیما کا مطلب میں اپنی فہم ناقص سے یہی سمجھ رہا ہوں کہ طہارت و نجاست کے مسائل میں تو خصوصیت کے ساتھ عموم بلویٰ موجب تخفیف ہے مگر بطور عموم ابواب حلت و حرمت میں بھی موجب تخفیف ہے تو اس کا باعث تخفیف یا موجب تخفیف ہونا عام ہے صرف طہارت ونجاست کے ساتھ خاص نہیں۔

جب یہ بات اعلیٰحضرت کے ارشاد کے اشارۃ النص سے معلوم ہو گئی کہ عموم بلویٰ صرف مسائل طہارت اور نجاست ہی موجب تخفیف نہیں ہے اس کا دائرہ تخفیف طہارت و نجاست سے آگے بڑھ کر کے اشیاء خوردنی کو بھی بسیط اور محیط ہے لہٰذا اگر ہم اس عبارت کے پیش نظر الکحل آمیز دواؤں کو بھی عموم بلویٰ کی وجہ سے جائز قرار دینے کے سلسلے میں غور کریں تو میرے خیال سے یہ غور کرنا حق بجانب ہونا چاہیے۔

دوسری چیز اسی ضمن میں حضرت نے یہ فرمائی ہے کہ عموم بلویٰ نص کے مقام میں بھی موجب تخفیف ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں یہ عرض کروں کہ اعلیٰحضرت نے جو عبارت لکھی ہے اور امام ابن الہمام صاحب فتح القدیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو صراحت کی ہے وہ عبارت ہے "حتی فی موضع النص القطعی"۔ اور مطلق طور پر جب نص قطعی کا اطلاق ہوتا ہے تو اس سے مراد قرآن حکیم کے محکم نصوص یا احادیث متواترہ ومشہورہ کے مستنبطات ہوتے ہیں اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بھی فرمایا ہے، حتی فی موضع النص القطعی کما فی ترشش البول۔ ظاہر ہے کہ پیشاب کا نجس ہونا اور ناپاک ہونا یہ احادیث مشہورہ سے ثابت ہے اور اس کے اوپر پوری امت کا اجماع قطعی بھی ہے تو اس سے

یہ معلوم ہوا کہ ۔نص قطعی ۔ کا لفظ یہاں پر عام ہے خواہ اس کا ثبوت اجماع قطعی ہو یا احادیث مشہورہ متواترہ سے یا قرآن حکیم کے نص محکم سے ہو ان سب میں بھی یہ موجب تخفیف ہوگا۔

اس سلسلے میں ایک بات اور عرض کر دوں کہ موجب تخفیف ہونا الگ چیز ہے مخصص ہونا یا موجب تخفیف ہونا الگ چیز ہے اور کسی حکم کا باعث ترک ہونا یہ الگ چیز ہے بعض عموم بلویٰ کی وجہ سے کبھی نص کو چھوڑا نہیں جا سکتا ہے لیکن نص کے اندر تخفیف ہو سکتی ہے اور جب نصوص قطعیہ میں تخفیف ہو سکتی ہے تو نصوص فقہیہ میں بدرجہ اولیٰ ہونی چاہیے۔

حضرت خاتم الفقہاء علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے رسالہ نشر العرف فی احکام العرف میں بحث کی ہے کہ عرف اور تعامل موجب تخفیف ہیں صرف نصوص فقہیہ ہی نہیں بلکہ نصوص قطعیہ کے اندر بھی ان سے تخصیص اور تخفیف ہو سکتی ہے تو اگر عرف اور تعامل موجب تخصیص ہو سکتے ہیں تو عموم بلویٰ بھی موجب تخصیص اور موجب تخفیف ہو سکتا ہے کیونکہ عموم بلویٰ کی حیثیت بسا اوقات عرف اور تعامل سے آگے بڑھ جاتی ہے۔

دوسرا نکتہ بحث حضرت استاذ مبین نے یہ اٹھایا ہے کہ طہارت کا یہ حکم سخت حرج کی صورت میں ہے اور یہاں دو سخت نہیں یا حرج عظیم ہے کہ نہیں ہے یہ چیز قابل غور ہے واقعی یہ چیز بہت حد تک قابل غور ہے اس سلسلے میں اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہی نتیجے سے استنارہ کرنا چاہوں گا وہی رنگ والا اور پڑیا والا فتویٰ فتاویٰ رضویہ میں دو تین موقعوں پر ارشاد فرمایا ہے کہ رنگت کی پڑیا سے جو کپڑے رنگے جاتے ہیں ان کپڑوں کو اگر ناپاک قرار دیا جائے اور حکم دیا جائے کہ نماز نہیں ہوگی تو نماز نہ ہونے پر فتویٰ دینا آج کل سخت حرج کا باعث ہوگا اس لئے کپڑوں میں بوجہ عموم بلویٰ حکم طہارت ہے یہ اعلیٰحضرت کے فتووں کا خلاصہ ہے اب اس سلسلے میں دو باتیں خصوصیت کے ساتھ غور کرنے کی ہیں۔

(۱) رنگ سے رنگے ہوئے کپڑے پہننا یہ کوئی ضروری نہیں۔ یہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ ملبوسات بہت سے اوقات میں استعمال کرنا ضرورت کی حد میں داخل ہیں بہت سی صورتوں میں یہ حاجت کی حد میں داخل ہوتا ہے۔ کچھ صورتیں ایسی ہیں کہ ملبوسات کا استعمال منفعت کے زمرے میں آتا ہے جیسے صدری کا استعمال کرنے پر رومال کا استعمال شیروانی یہ سب منفعت کے قبیل سے ہوں گے لیکن کپڑوں میں کون سا رنگ منتخب کیا جائے بنفشی ہو، کہ سرخ، کالا ہو کہ پیلا ہو کس رنگ کا ہو کسی رنگ کا انتخاب یہ زینت کے دائرے میں آتا ہے جیسے شیروانی وغیرہ یہ منفعت میں ہے اور ان چیزوں میں رنگ کا انتخاب یہ زینت کے درجے میں ہے۔

جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ یہ زینت کے درجے میں ہے تو اب ہم کو یہ غور کرنا ہے کہ رنگین کپڑے رنگین ہونے کی حیثیت سے کسی حیثیت سے کس درجے میں ہیں اس حیثیت سے دیکھا جائے تو ان سے بچنا سخت حرج کا باعث

کبھی نہیں ہوگا کیونکہ ہم رنگین کپڑے نہ پہنیں اور سفید کپڑے استعمال کریں تو ان کپڑوں کے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں تو ہم رنگین کپڑے ہی پہنیں یہ نہ ہمارے لئے کوئی ضروری ہے اور نہ ہی اس کے استعمال نہ کرنے میں کوئی حرج ہے بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ حرج عظیم کیا سرے سے حرج ہی نہیں ہونا چاہئے لیکن اعلیٰحضرت فرماتے ہیں کہ حرج عظیم ہے۔

(۲) اور پھر اس حیثیت سے بھی غور کرنا ہے کہ اگر رنگین کپڑے تھوڑی دیر کے لئے ہم تسلیم کرلیں کہ پہننا ضروری بھی ہو تو ان پڑیا کے رنگین کپڑوں کو ایک مرتبہ میں پاک کیا جاسکتا ہے تین مرتبہ نچوڑ دیجئے پاک ہو جائیں گے یہ طریقہ سب کو معلوم ہے ایک مرتبہ میں پاک ہو گیا پھر زندگی بھر تو پاک رہے گا تو ایک مرتبہ اس رنگین کپڑے کو پاک کرلیا جائے اس میں کون سے حرج کی بات ہے اور کیونکر تمام تر فاسد ہوگی۔

اولاً ان کپڑوں میں رنگ کا انتخاب زینت ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ اگر ہم ایسے کپڑے استعمال نہ کریں تو حرج عظیم میں مبتلا ہو جائیں گے۔

ثانیاً بطور تنزل ہم اسے تسلیم بھی کرلیں تو ایسی صورت میں اس کو پاک کرلینا کوئی مشکل نہیں آئے دن کپڑوں کو پاک ہی کیا جاتا ہے لیکن ان سب کے باوجود ہم کو سوچنا ہے کہ وہ کون سی چیز ہے اور کون سا داعیہ ہے کہ جس کی بنیاد پر اعلیٰحضرت عظیم البرکت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جیسے فقیہ نقیہ اللسان نے اس طرح کے کپڑوں کے پہننے کو سخت حرج یا حرج عظیم کا باعث قرار دیا ہے اگر اس تجزیے کے باوجود بھی ان کپڑوں کا پہننا، رنگین کپڑوں سے اتنا ہی سخت حرج کو باعث بن سکتا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ آج اس سے زیادہ ضرورت اور اس سے زیادہ پریشانی دواؤں کے استعمال میں ہے اگر وہ سخت حرج کو باعث ہے یا حرج عظیم کا داعی ہے تو ان دواؤں کا استعمال بھی حرج عظیم کا داعی ہونا چاہئے اور میری گذارش ہے درخواست ہے کہ ہم اس کو تجزیے کی روشنی میں الکحل آمیز دواؤں کے سلسلے میں غور کرنا چاہئے۔ تیسری چیز تحفظ جان و مال کے لئے علاج ضروری ہے یا نہیں تو اس سلسلے میں بادی النظر میں جس نتیجے پر پہونچا ہوں وہ یہ ہے کہ اگر کسی بیماری کی وجہ سے ایک آدمی کی جان خطرے میں ہو اور اسے ظن غالب یا یقین ہو کہ فلاں دوا کے استعمال سے شفا مل جائے گی تو ایسی صورت میں اس کے اوپر اس دوا کا استعمال فرض ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ علاوہ ازیں جان بچانے کے لئے بسا اوقات شریعت طاہرہ نے ہم کو یہ اجازت دی ہے کہ دل میں تصدیق کو باقی رکھتے ہوئے زبان سے کلمہ کفر بک سکتے ہیں بول سکتے ہیں الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان اگر ایمان جیسی عظیم نعمت کے خلاف کلمہ کفر بولا جاسکتا ہے اگرچہ ظاہر ہی میں پڑھا جاتا ہو اور صرف جان بچانے کے لئے کلمہ کفر بولنے کی اجازت ہو سکتی ہے تو جان بچانے کے لئے دواؤں کے استعمال اور علاج کرنے کی ضرور اجازت ہونی چاہئے نہ کہ مرجانے کو ترجیح دینا چاہئے۔ ہماری اس گفتگو کا تعلق صرف اس صورت سے ہے کہ جب مریض کو یقین ہو یا ظن غالب ہو یا یہ یقین ہو کہ فلاں دوا سے شفا مل جائے گی تو ایسی صورت میں اس کے اوپر میں یہ سمجھتا ہوں کہ علاج فرض ہے اور اسکے

اور یہ لازم ہے کہ وہ اپنی جان کے تحفظ کے لئے اس دوا کو استعمال کرے۔ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ۔ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان۔ رہ گیا توکل کا مسئلہ تو یہ تدبیر و علاج کے منافی نہیں سرکار تو سید المتوکلین تھے پھر بھی اپنا علاج فرمایا۔

حضرت علامہ صاحب قبلہ:۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بہت ہی شاندار گفتگو کی مولانا مفتی نظام الدین صاحب نے بلاشبہ ان کے نکات پر غور کرنا بہت ہی اہم بات ہے مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ میرے ذہن میں بہت تعلیمات تھے الحمد للہ اس خلجان کو دور کیا اور کچھ خلجان باقی ہیں مجھے امید ہے کہ وہ اس کی طرف رغبت کریں گے ہم لوگ تو بڑھاپے کی زد میں آگئے اور علم بھی ہمارا مکمل کر کے رخصت ہو گیا۔ بہر وجہ کی اب صورت نہیں اور اسی پر اب تھوڑی سی گفتگو، عموم بلویٰ کی وجہ سے جو گفتگو آپ نے کی طہارت اور نجاست کے ساتھ یہ مخصوص نہیں اور عموم بلویٰ موجبات تخفیف میں سے ہے یہاں بھی صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تخفیف اور تغیر دونوں میں کچھ فرق ہے یا نہیں تغییر حکم اور تخفیف حکم کا معنیٰ کیا ہے تخفیف حکم کا معنیٰ تو یہ میں سمجھتا ہوں کہ حکم باقی رہے اپنی جگہ پر لیکن بعض مراتب پر اس میں تھوڑی سی رخصت دی جائے گی اور اس طریقے پر تو میں تخفیف نہیں سمجھتا ہوں کہ اصل کی اصل گفتگو کو سرے سے اب اس مرحلے میں پہنچا دیا جائے جس طرح سے کہ کوشش بڑھائی گئی کہ قول شیخین ہی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ بتانا ہوگا تو اب یہ احتمال اس میں جو تمثیل پیش کی گئی اور امام شافعی کے قول کا مسئلہ ابھی محل نظر ہے کہ عموم بلویٰ بھی ایک تخفیف ہے مگر اتنی بھی اس کے سامنے ہو کہ اگر استعمال بالذات ہے تو یہ حکم ثابت ہے تو پھر یہ سرے سے اس حکم سے خارج ہونا چاہئے قاعدے سے میں انکار نہیں کرتا مگر مثال کے اقتباس پر میں تھوڑا کلام کرتا ہوں کیونکہ مثال کے بارے میں ہمارے فقہاء فرماتے ہیں کہ مثلاً جیسے سوئی کے ناکے جیسے۔ اس لئے اس کا مسئلہ عموم بلویٰ کی وجہ سے ہو یا کسی وجہ سے اس کا ثبوت حدیثوں سے موجود ہے اور یہ ممکن ہے کہ وہاں شبہ ہیں موضع اعتبار میں آتی ہیں مگر ان حدیثوں سے ثابت ہے اور یہاں پر کوئی حدیث اثر نہیں بلکہ حکم ہی سرے سے ان کی نجاست پر قائم ہے پھر رنگ کا مسئلہ اس سلسلے میں میں نے عرض کیا کہ رنگین کپڑوں کے بارے میں یہاں پر گفتگو نہیں ہو رہی ہے کہ وہ چیز ضروری ہے یا نہیں ہمیں اس وقت فقہائے کرام کے جزئیات کی روشنی میں اتر کر غور کرنا ہوگا، اب تک ہمارے فقہائے کرام سے کوئی ایسی نص نہیں کہ نماز کا ترک کر دینے والا گنہگار ہوگا۔

اور باقی جو ذکر فرمایا اس تخفیف کو الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان اس سے صرف جواز پر ثبوت آتا ہے کہ وجوب پر یہ تو خیر ایک ضمنی بحث ہے جس کا موضوع سے کوئی تعلق نہیں یہ بحث کا محل ہی نہیں محل بحث یہاں یہ ہے کہ رنگین کپڑوں میں ابھی مجھے یہ گفتگو کرنی ہے کہ اس رنگ میں اسپرٹ کی آمیزش ہے یا نہیں یہ محل نظر ہے اس وجہ سے کہ

پڑیے اور ڈبے کا فرق یہ نہیں ہے اس بناء پر ایک تو یہ محل، دوسرے یہ کہ ثابت کر لیجئے کہ اس میں اسپرٹ کی آمیزش ہے، ثابت ہے مان لیجئے تو اس وقت کپڑے کا استعمال ہمارے لئے قطعاً درست نہیں مگر یہ بات تو ہے کہ حرج عظیم ہے یہ بھی رنگین کپڑا پہننا میری بچیوں نے رنگین کپڑے پہنے انھوں نے اس کو تر ہاتھ سے چھوا۔ وہیں تر ہاتھ پانی پر، لوٹے پر ادھر اُدھر اور اس طریقے کے کپڑے استعمال علی الاعلان ادھر ادھر اور اس کی وجہ سے ہم لوگوں کے لئے حرج واقع ہوا کہ ادھر اُدھر کھانا، پینا، لینا، دینا، اٹھنا بیٹھنا سب ہے اگر ہم اس میں اس طرح کی کمی پیدا کر لیں کہ وہ نجس ہو تو اب تو ہر جگہ شاید تحقیق کرنے کی ضرورت پڑے گی تو ہم نے دیکھا کہ رنگین کپڑا پہننا ہے تو اب تحقیق کریں گے وہ یا تھا کہ نہیں تم نے کس کس چیز کو چھوا تھا کس کس چیز کو نہیں چھوا تھا۔ اور دوسری جگہوں کے بارے میں نہیں کہہ سکتا اس لئے کہ حکم بھی ہے کہ نجاست کا جب تک کہ علم نہ ہو اس وقت تک طہارت کا حکم دیں گے اب میری عموم بلویٰ کی بحث بھی رہ گئی کہ عموم بلویٰ کی تعلیم تو تمھارے کی ترجیحات میں نہیں تھی جزئیات میں سے اخذ کر کے اس کے معنی کو متعین کیا جائے اور عموم بلویٰ پایا گیا یا نہیں۔ دواؤں میں یعنی الکحل آمیز دواؤں میں اس میں یہ پایا گیا یا نہیں اور اگر یہ پایا گیا تو کیا اس کی عام اجازت اس طرح پر دی جائے کہ سب لوگ اس کو ہر معاملے میں استعمال کریں یا اس کو ترک کریں اس طریقے پر زیادہ تحقیق کی کوئی ضرورت نہیں اور میں یہ گفتگو کر چکا اس کے بارے میں مولانا عبد الحق صاحب بھی مجھ سے کچھ کلام کرنا چاہتے تھے میں نے ان سے کہا کہ بعد میں فرمائیے گا۔

مولانا عبد الحق رضوی مصباحی :-

السلام علیکم

حضرت نے ابھی جو گفتگو فرمائی اور اس پر کہ حضرت دو مرتبہ فرما چکے ہیں کہ وہ پڑیا والے رنگت کے معاملے میں اس میں اسپرٹ ملی ہوتی ہے یا نہیں۔ اعلیٰحضرت نے جو فتویٰ دیا ہے اگر وہ اسپرٹ عنایلیطیق شرعی ثابت ہو اس کو مان کر کے فتویٰ دیا ہے لہذا یہ کہنا کہ اس میں اسپرٹ ملی ہو یا نہ ملی ہو اس سلسلے میں مجھے کوئی اعتراض بھی نہیں؟

الجواب :- پڑیا کی نجاست پر فتویٰ دیئے جانے پر پھر کہ کلام کرنا ہے خلیفہ مسلمہ ہے کہ پڑیا میں اسپرٹ کا ملنا اگر بطریق شرعی ثابت بھی ہو تو اس میں شک نہیں کہ ہندیوں کو اس کی رنگت میں بھی ابتلائے عام ہے اور اسکے بعد پھر سے حکم دیا۔ اس سلسلہ میں ایک دوسری چیز جو عرض کرنا ہے وہ یہ ہے کہ دمن الحنطہ وغیرہ کی جو بحث اٹھائی گئی تھی یہ بالکل بے معانی ہے

وہ قرآن حکیم کے اندر جو فرمایا گیا کہ وہ حرام قطعی ہے۔ دوسری چیز جو مجھے اس سلسلے میں عرض کرنا ہے وہ یہ ہے کہ اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابتدا میں بلاشبہ اسپرٹ کے حرام، نجس اور کالبول کا حکم دیتے تھے لیکن اس کے اندر ابتلائے عام آپ نے دیکھا تو آپ نے حضرات شیخین کے مسلک کے مطابق فتویٰ دیا جیسا کہ اعلیٰحضرت کے اس فتوے سے ظاہر ہے یہ صفحہ پچاس باب الانجاس سے میں پڑھ رہا ہوں بادامی رنگ کی پڑیا میں تو کوئی مضائقہ نہیں اور رنگت کی پڑیا

سے ذرا بھی بچنا ہوتا ہے پھر بھی اس سے نماز نہ ہونے پر فتویٰ دینا آج کل سخت حرج کا باعث ہے والحرج مدفوع بالنص وعموم البلویٰ من موجبات التخفیف لاسیما فی مسائل الطہارۃ والنجاسۃ۔ خاص طور سے آگے کی جو عبارت پڑھ رہا ہوں وہ قابل توجہ ہے لہٰذا اس مسئلے میں حضرت امام اعظم وامام ابو یوسف علیہما الرحمہ سے عدول کی کوئی وجہ نہیں ہے یعنی حضرات شیخین کے نزدیک جس میں اسپرٹ ملی ہوئی ہو وہ حضرات شیخین کے نزدیک جائز ہے اور اسی پر فتویٰ دینے کو اعلیٰحضرت پسند کرتے ہیں اور اسی پر اعلیٰحضرت نے فتویٰ دیا ہے ہمارے اماموں کے مذہب پر پڑیا کی رنگت پر بلاشبہ نماز جائز ہے فقیر اس زمانے میں اسی پر فتویٰ دینا پسند کرتا ہے لہٰذا اب یہ کہنا کہ اب اس کے اندر اچھا دوسری چیز جو یہ بحث کی جارہی ہے کہ اس میں حرج ہے کہ نہیں حرج ہے۔

پڑیا کی رنگت کا معاملہ اور اس سے جو کپڑے رنگے جاتے ہیں اس کا معاملہ اور یہاں پر دواؤں کا معاملہ دونوں کے اندر کتنا بڑا فرق ہے جب وہاں اعلیٰحضرت نے تخفیف کا اعتبار کیا اور اس کے جواز پر فتویٰ دیا تو دواؤں کے اندر بلاشبہ ہمارے حضرت مفتی نظام الدین صاحب نے جو کہا اس سے بالکل میں متفق ہوں بلاشبہ اسے جائز ہونا چاہیے۔

حضرت علامہ صاحب قبلہ:-

ماشاء اللہ جو عبارت پڑھی آپ نے اس عبارت میں اعلیٰحضرت نے جو احتیاط کا دائرہ اختیار کیا اس پر آپ نے توجہ نہیں فرمائی۔ میں کہہ رہا تھا کہ اگر ثبوت شرعی ہو جائے یہ قید بھی رکھی ہے اعلیٰحضرت نے تو اس ثبوت شرعی کے بعد اگر اس میں اسپرٹ کی آمیزش ثابت ہو گئی ثبوت شرعی سے تب یہ فتویٰ ہے اور اس کے بعد پھر فرمارہے ہیں کہ فقیر اسطرح کا فتویٰ دینا پسند کرتا ہے یعنی اس میں بھی جو احتیاط کا جو رنگ ہے وہ ظاہر ہے (مگر آپ) فتویٰ دیا ہے۔ میں اس سے انکار نہیں کرتا انحراف نہیں کرتا لیکن میں صرف ایک رسم مفتی کی طرف آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں جواب تک میں نے مضامین دیکھے اس میں کیا اعلیٰحضرت کے اس انداز احتیاط کو برتا گیا کہ اس انداز احتیاط کے ساتھ آپ نے یہ دائرہ کار اختیار فرمایا اور کوئی ایسا الفاظ جات انداز میں نہیں ذکر کیا کہ یہ ترجیح ہے جیسا تھیں اور آپ کے مضامین میں جو یہ انداز ہے یہ مجھے صرف رسم مفتی کے اعتبار سے یہ عرض کرنا ہے کہ ہم لوگوں کو یہ احتیاط کرنی چاہئے بہرحال ابھی یہ گفتگو ہے کہ دواؤں کے استعمال اور رنگ کے استعمال کے معاملے میں آپ نے ایک جواب محض پیش فرمایا کہ کہاں یہ اور کہاں وہ میں یہ کہتا ہوں کہ رنگ کا معاملہ جو ابتلائے عام میں ہے وہ اس زمانے میں پتہ نہیں آمیزش ہے یا نہیں یہ تو بعد میں ثابت ہوتی ہے مگر ثابت ہو بھی جائے تو آپ مجھے بتائیں کہ وہ کیفیت دواؤں والی ہے دوا اگر آدمی کھاتا بھی ہے تو اسی وقت پانی سے اس کو حلق کے نیچے اتار لیتا ہے منہ تک نجاست تھی کہ اندر گئی اور رنگ اس کا تعلق ہاتھ، کپڑے، قمیص یہ وہ ہر جگہ سے ہو جائے کہ جب رنگین کپڑا نجس ہے پسینہ لگا جسم نجس ہوا تر ہاتھ لگا تو نجاست ہاتھ میں منتقل ہوئی اور پھر وہ دوسرے برتنوں میں گیا۔ مصافحہ کیا اس میں گڑبڑ گھوٹالہ، معانقہ کیا اس کو چھوٹ اور جو آپ کریں گے مگر دواؤں کے استعمال میں

یہ ابتلائے عام نہیں، میں محسوس کر رہا تھا کہ ایک دوا تھوڑے سے جو دوا کھائی اور اس کا مرض متعدی ہو کر دوسرے تک اس حد میں پہنچے جو کہ حرج عظیم رنگ کی وجہ سے ہے یہ ذرا غور کرنے کی جگہ ہے۔ السلام علیکم

حضرت بحر العلوم قبلہ مدظلہ العالی ۔

مولانا عبد الحق اعلیحضرت کے دو فتوے سنائے گئے ایک تو بے رنگت کی پڑیا کے متعلق کہ اعلیحضرت نے اس کے جواز کا حکم دیا اور دوسرے ہر نشہ آور سیالی چیز کے قطرے قطرے کو نجس و حرام فرمایا اس میں یہ توجیہ کرنا کہ حرام کا حکم جو اعلیحضرت نے دیا وہ پہلے کا ہے اور جب ابتلائے عام دیکھ لیا تو جواز کا حکم دیا ہے یہ میرے نزدیک مسلم نہیں ہے اسلئے کہ جواز والا فتویٰ ۱۳۰۰ھ کا ہے اور عدم جواز والا ۱۳۱۲ھ اور اس کے بعد کا ہے تو یہ کہنا کہ پہلے اور بعد میں یہ ہے واقع کے خلاف ہے

مفتی محمد نظام الدین صاحب ۔

ایک سوال اس وقت یہ ابھرا ہوا ہے کہ اعلیحضرت عظیم البرکت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تسلیم نہیں ہے کہ پڑیا کے رنگ میں اسپرٹ کی آمیزش ہے یہ صحیح ہے کیونکہ اعلیحضرت نے واقعۃً یہی فرمایا ہے کہ اگر بطریق شرعی ثابت بھی ہو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک ثابت نہیں ہے لیکن اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ جو کچھ اعلیٰ حضرت نے حکم دیا ہے وہ عدم ثبوت کا ہے بلکہ اعلیحضرت نے اس کو تسلیم کر لیا ہے کہ ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ واقعی آمیزش ہے واقعی نجس ہے اب اس کے بعد انھوں نے اپنی گفتگو کا سلسلہ آگے بڑھایا ہے لہذا اب جو ہماری آئندہ گفتگو ہوگی اسی سے متعلق ہوگی کہ اعلیحضرت نے اسے ثابت مانا ہے پھر اس پر گفتگو کی ۔

دوسری بات یہ اس وقت اٹھ کھڑی ہوئی ہے کہ تخفیف اور تغییر میں کچھ فرق ہے کہ نہیں ہے یقیناً فرق ہے تخفیف یہاں پر تخصیص کا ہم معنی ہے اور تغییر کا مطلب ہوتا ہے کہ کسی حکم کو بالکل ہی بدل ڈالنا تو یہاں پر عموم بلویٰ کی وجہ سے یا ضرورت کی وجہ سے یا عرف و تعامل کی وجہ سے یہ تو ہو سکتا ہے اور اس کی اجازت ہے بحیثیت رسم المفتی کہ نصوص قطعیہ میں بھی اور نصوص فقہیہ میں بھی تخصیص ہو سکتی ہے لیکن اس کی تغییر ہو جائے یہ نا جائز ہے اور حضرت علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ کا اس سلسلے میں صریح جزئیہ موجود ہے اب تخفیف کا ثبوت خواہ نص یعنی استحسان بالاثر سے ہو یا استحسان بالضرورۃ کی وجہ سے دونوں کا حکم یکساں ہی رہے گا ہم اس سلسلے میں ایک مثال عرض کریں بیع بخیار شرط یہ از روئے قیاس ناجائز ہے، غیر معقول المعنی ہے لیکن حضرت حبان ابن منقذ ابن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث اذا بایعت فقل لاخلابۃ، ولی الخیار ثلاثۃ ایام۔ کی وجہ سے بلفظ دیگر کہہ لیجئے کہ استحسان بالاثر کی وجہ سے خلاف قیاس یہاں پر شرط کو جائز رکھا ہے اس کے بعد فقہائے کرام دو قسم کے خیار کی اور گفتگو کرتے ہیں اور وہ ہیں خیار نقد اور خیار تعیین ۔ نہ تو خیار نقد کا ثبوت حدیث سے ہے اور نہ ہی خیار تعیین کا ثبوت حدیث سے ہے لیکن

فقہائے کرام یہ فرماتے ہیں جس ضرورت کی وجہ سے اور جس معنی کی وجہ سے حدیث رسول میں خیار بالشرط کو جائز قرار دیا گیا ہے وہ معنی اور وہ ضرورت خیار نقد اور خیار تعیین میں بھی ہے۔

لہذا اس ضرورت کی بنیاد پر خیار نقد کو ملحق کر دیا جائے گا خیار شرط کے ساتھ یوں ہی خیار تعیین کو خیار شرط کے ساتھ ملحق کر دیا جائے گا اس کا مطلب ہوا کہ استحسان بالاثر کا جو حکم ہوتا ہے ٹھیک وہی حکم استحسان بالضرورۃ کا بھی ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام نے اس مسئلے میں استحسان بالاثر کا جو حکم ہے ٹھیک وہی حکم استحسان بالضرورۃ کا دیا ہے اسی بنیاد پر خیار نقد اور خیار تعیین کی اجازت دی ہے تو جس مسئلے پر گفتگو ہو رہی تھی جو مسئلہ ہے یقیناً اس کا ثبوت نص قطعی سے ہے اور جیسا کہ ہمارے محدث کبیر دام ظلہ العالی نے فرمایا۔ کہ اس کے اندر تخفیف کا ثبوت ہے وہ بھی نص سے ہی ہے تو نص میں تخفیف نص کی وجہ سے ہوئی یلفظ دیگر نص کی تخصیص نص سے ہوئی۔ تخصیص اسلئے کہہ رہا ہوں کہ نص کا تقاضہ تو یہ ہے کہ پیشاب مطلقاً ناجائز ہے اور خواہ وہ ایک قطرہ ہو یا سوئی کے نوک کے برابر ہو وہ مطلقاً ناپاک ہے لیکن جب کسی نص کی وجہ سے آپ نے یہ تخفیف کی کہ سوئی کے نوک کے برابر جو پیشاب ہوگا وہ معاف ہے تو یہ تخفیف میں تخصیص ہوئی تو یہاں تخفیف اور تخصیص دونوں یکساں ہوئے ان دونوں کے مابین کوئی فرق نہیں اب جیسے نص قطعی میں ایک دوسرے نص کی وجہ سے تخصیص اور تخفیف عمل میں لائی گئی اسی طرح سے اور کوئی معاملہ ہو جو نص سے ثابت ہو اور وہ غیر معقول المعنی ہو تو اس میں ضرورت کی وجہ سے بھی یہ تخفیف یا تخصیص عمل میں لائی جا سکتی ہے اور اس لئے غیر معقول المعنیٰ کو استحسان بالاثر کے ساتھ ملحق کر دیا جائے گا اب یہاں پر یہ دیکھنا ہے کہ پیشاب والا جو مسئلہ ہے تو اس کا ثبوت نص قطعی سے ہے نجاست کا ثبوت بھی نص سے ہے اور تخفیف کا ثبوت بھی نص سے ہے لیکن جس مسئلے میں ہم لوگ اس وقت غور و فکر کر رہے ہیں یعنی الکحل اسپرٹ شیر آمیز دواؤں کا استعمال تو کیا اس کا ثبوت کسی نص سے ہے ہم تو بہت کچھ غور و فکر کرنے کے بعد بھی کوئی نص نہیں پاتے جس سے ثابت ہوتا ہو کہ الکحل کسی نص کی وجہ سے بھی شراب ہے۔ اسپرٹ کے شراب ہونے کا ثبوت بھی کسی نص سے نہیں ہے اسی طرح سے ٹینچر کا ثبوت بھی کسی نص سے نہیں ہے پس ایک تو اس کا ثبوت نص قطعی سے نہیں اور دوسرے یہ کہ خود بھی مختلف فیہ ہے تو ایسا حکم جس کا ثبوت نص سے نہ ہو ساتھ ہی ساتھ مختلف فیہ ہو اور حالات زمانہ اس بات کے متقاضی ہوں کہ اس کے اندر تخفیف ہو اور ضرورت واقعیہ پائی جائے تو ضرور وہاں پر تخصیص اور تخفیف کا عمل ہونا چاہئے۔

اب رہ گئی یہ بات کہ آیا یہاں پر کوئی ایسی ضرورت اور حرج پایا جاتا ہے یا نہیں تو اس سلسلے میں ہم کو ایک سفر کرنا ہوگا ہندوستان کا، یا پاکستان، یا پوری دنیا کا ہم سفر کریں تو محسوس ہوگا۔ اس وقت صرف عوام ہی کا مسئلہ نہیں انگریزی دواؤں کے استعمال میں صرف عوام ہی نہیں بلکہ خواص اور اس وقت کے اخص الخواص بھی اس کے اندر مبتلا ہیں تو جب عوام نہیں بچ سکے عموم بلویٰ ہو گیا، اگر اس کے بعد بھی عموم بلویٰ کا تحقق نہیں ہوگا تو کب ہوگا۔ میں شاید سمجھتا ہوں کہ

ایک ہمارے مرشد برحق حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ذات والا صفات تھی۔ اور ایک حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ذات والا صفات بھی جو اپنے اپنے وقت میں انگریزی دواؤں کے استعمال سے بچ گئی۔

حضور مجاہد ملت رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو سلطان التارکین ہیں ان کے بارے میں سنتا ہے کہ ان کی بھی ذات اس سے بچ گئی لیکن اس کے بعد کے ہمارے جو اکابر پائے جاتے ہیں۔ ان اکابر میں ہم منتظر و ڈھونڈتے ہیں تو ایسا کوئی نہیں ہے جو انگریزی دواؤں کے استعمال سے بچ سکا ہو تو جب یہ صورت حال پیدا ہو گئی ہے کہ عوام بھی محفوظ نہیں خواص بھی محفوظ نہیں، اکابر بھی محفوظ نہیں تو ایسی صورت میں میں یہ سمجھتا ہوں کہ عموم بلویٰ کا تحقق ہو گیا اور جب عموم بلویٰ کا تحقق ہو گیا تو اب تخفیف پر ضرور عمل ہونا چاہئے۔

حضرت نے ایک بات ضمنی طور پر یہ کہی تھی کہ کپڑوں والے مسئلے میں ایک طرح کا حرج یہ پیدا ہو جائے گا کہ لوگوں سے یہ پوچھنا پڑے گا کہ اس رنگ میں کیا ملا ہے۔ اس رنگ میں کیا آمیزش ہے اسپرٹ کی آمیزش ہے کہ نہیں ہے تو یہ پوچھنا ضروری ہے، تو ہم اس کے مکلف وہ حدیث تو حضرت کو اور آپ حضرات کو بھی یاد ہو گی کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک شخص کے پاس گئے وہاں پر حوض سے بھی وارد ہوا کرتے تھے تو آپ نے صاحب حوض سے یہ فرمایا کہ تم نا مجھ کو اس کے بارے میں بتانا نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ہم پوچھنے کے مکلف ہی نہیں تو اس کو بنیاد بنا کر حرج کی بات نہیں کہی جا سکتی۔

نائب مفتی اعظم ہند:۔

ایسا ہے کہ بحث اس مرحلہ پر آگئی ہے کہ جب اسپرٹ وغیرہ حضرات شیخین کے نزدیک حلال اور مطلقاً طاہر ہے لیکن چونکہ فتویٰ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول پر دیا جا رہا ہے تو اب انگریزی دواؤں میں عموم بلویٰ پایا جا رہا ہے کہ نہیں پایا جا رہا ہے تو حضرت امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول سے عدول کر کے شیخین کے مذہب پر کس خصوص میں فتویٰ دے رہے ہیں۔ دینے کی کوئی گنجائش نکلتی ہے کہ نہیں نکلتی ہے۔ آپ سوچئے کہ ہم فتویٰ دیتے ہیں کہ انگریزی دواؤں کا استعمال کرنا حرام ہے اور خود استعمال کرتے ہیں تو فتویٰ آخر کس کے لئے دیا اور ابھی جیسا کہ مولانا نظام الدین صاحب نے فرمایا اور اس وقت میں بھی واقعی نہیں جانتا ہوں کہ کوئی بزرگ ایسے ہوں کہ انگریزی دواؤں سے بچے ہوں تو کیا ہوا کہ اس وقت کے سارے مسلمان فاسق ہوں اب اس کے بعد پھر عموم بلویٰ کی حد کیا ہو گی اس کو آپ حضرات نوٹ کر لیں۔

حضرت علامہ صاحب قبلہ:۔

میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ اس گفتگو کے دوران جب یہ باتیں سامنے آئیں کہ مفتی اعظم، اور مجاہد ملت، حافظ ملت علیہم الرحمہ کے زمانے میں ان کی شخصیتیں شاید بچی رہیں۔

لیکن اس سے یہ بات اشارۃً یا اقتضاءً ثابت ہوگئی کہ آپ کے دور میں جو حالات ہیں وہی حالات ان کے دور میں تھے تو کیا ان علماء کی طرف اس زمانے میں مراجعت کی گئی تھی یا نہیں اور اگر مراجعت نہیں بھی کی گئی تھی تو خود ان کی طرف سے کوئی تحقیق اس مسئلہ میں ہوئی یا نہیں اگر کچھ معلومات ہوں کسی صاحب کے پاس تو وہ ضرور پیش کریں اس میں شروع سے فرض کر رہا ہوں عموم بلوی اور تعامل کے درمیان اور عرف کے درمیان فرق کروں گا

اب تک میں اس نتیجہ پر نہیں پہونچ سکا ہوں کہ یہاں عموم بلوی پایا گیا ہاں تعامل کے اندر کسی سلسلے میں متفق ہو پاؤں لیکن عموم بلوی سے میں ہرگز متفق نہیں ہوں ۔

مفتی نظام الدین صاحب :-

اب تو میں سب سے پہلے حضرت استاذنا المکرم دام ظلہ العالی سے بہت نیازمندانہ اور مؤدبانہ طور پر یہ درخواست کروں گا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ عموم بلوی کی جو تعریف اور اس کی تشریح کی گئی ہے اس کی روشنی میں تو ہم لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ عموم بلوی ہو چکا ہے لیکن اگر نہیں ہوا ہے تو پھر ایسی صورت میں حضرت ہی تنقیح اور تشریح فرمائیں کہ وہ کیا وجوہ ہیں کہ اتنے اسباب کی فراہمی کے باوجود بھی عموم بلوی کا تحقق نہیں ہوا یا عموم بلوی کا تحقق کب ہوتا ہے یا اس کی تعریف کیا ہے ؟

حضرت نے یہ بات رکھی ہے کہ ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ حضور مفتی اعظم ہند ، حضور حافظ ملت اور حضور مجاہد ملت ، علیہم الرحمۃ والرضوان کے زمانے میں بھی ٹھیک یہی حالت تھی تب یہ پتہ چلتا ہے کہ ان کی طرف مراجعت ہوئی کہ نہیں اور اور ہوئی تو کیا حکم ملا ۔ تو اس سلسلے میں تو بالکل نابلد ہوں ۔ شاید ہمارے اساتذۂ کرام اور آپ حضرت کو بھی کچھ معلوم ہو تو بیان فرمائیں گے ۔

البتہ اس سے پیدا ہونے والی رکاوٹ کے سلسلے میں حضرت کچھ گذارش کرسکتا ہوں اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں مفقود الخبر کے سلسلے میں عورت کو جو دشواریاں لاحق تھیں ٹھیک وہی دشواریاں حضور مفتی اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھی زمانے میں واقع تھیں ان دونوں زمانوں میں کوئی خاص فرق نہیں معلوم ہوتا ہے لیکن اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مفقود الخبر کی بیوی کے سلسلے میں امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسلک پر عمل کی اجازت نہیں دی جبکہ حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ اور اس وقت کے دوسرے اکابر احناف نے اجازت دی مگر ہم خود اعلیٰحضرت کے فتوے کا معائنہ کریں اور اس کا ایک مجملا سا جائزہ لیں تو یہ محسوس ہوگا کہ اعلیٰحضرت عظیم البرکت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یقیناً اپنے کثیر فتاویٰ میں مفقود الخبر کی بیوی کے سلسلے میں یہ حکم دیا ہے کہ تم امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسلک پر عمل کرو ۔

لیکن اپنی فتاویٰ رضویہ کے ذخائر میں ایک فتویٰ ہے اور مختصر سا ہے وہ یہ کہ ایک شخص نے یہ بات رکھی کہ اس وقت اس طرح کی پریشانی اور ضرورت کا ماحول پیدا ہو رہا ہے تو ایسی صورت میں کیا حکم ہونا چاہئے کیا امام مالک کے مسلک پر عمل کرنے کی اجازت ہوگی یا نہیں ۔

فتاوی رضویہ جلد سادس کتاب المفقود میں یہ فتوی ہے کہ اگر ایسی ضرورت ہوجائے تو عمل کی اجازت ہوگی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک پر۔

دیہاتوں میں جمعہ کی نماز کے سلسلے میں اعلیٰحضرت کے بہت سے فتاوے ہیں کہ امام ابو یوسف کی روایت نادرہ کی بنیاد پر فتوی دینا درست نہیں ہے اور اعلیٰحضرت کے تمام فتاوی اسی انداز کے ہیں۔ مگر بعض دیہاتوں میں ایک فتوی اعلیٰحضرت عظیم البرکت کا ایسا بھی ملتا ہے کہ اگر اس طرح کے حالات پیدا ہوجائیں تو ایسی صورت میں حضرت امام ابو یوسف کے مسلک پر بھی عمل کی اجازت ہوگی تو عرض یہ کرنا ہے کہ بہت سے مسائل ایسے ہوتے ہیں کہ جو وقت کے انتظار میں ہوتے ہیں اور ان میں کچھ توجہ نہیں ہو پاتی ہے اس لئے اس کو حکم شرعی نہیں بیان کرتے یا ان سے مراجعت نہیں کی گئی اس لئے انھوں نے حکم شرعی نہیں بیان کیا یا کچھ اور مسائل ان کے پیش نظر ہوتے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر وہ حالات پیدا ہوجائیں اور مفتی کے نزدیک اس کی تحقیق بھی ہوجائے تو ان حالات کے مطابق عمل کی اجازت نہیں ہے۔ خود اعلیٰحضرت کے دو طرح قسم کے فتوے ہیں۔ پھر اعلیٰحضرت کے بعد حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فتوی ہے۔ حالات تقریباً یکساں ہیں تو اگر وہاں حالات کی یکسانیت کے باوجود تغییر احکام یا تخفیف احکام ممنوع نہیں ہوا تو میرے خیال سے یہاں بھی نہیں ہونا چاہئے۔

حضرت علامہ صاحب قبلہ :-

یہ مقدمہ بالکل محل نظر ہے کہ المفقود الخبر کا معاملہ اعلیٰحضرت اور مفتی اعظم کے دور میں یکساں ہو۔ ملکی حالات افواد کے کیسیز اور جگہ جگہ قتل و غارتگری اور دوسرے ملکوں میں منتقل ہونا اور دوسرے ممالک کا سفر کرنا۔ اس طریقے سے جو حالات ہیں اعلیٰحضرت کے زمانے میں ہرگز نہیں تھے۔ خیر وہ مقدمہ اس مسئلہ سے متعلق نہیں یہاں پر مسئلہ یہ ہے کہ عموم بلوی کیا ہے اور تعامل کیا ہے۔ اعلیٰحضرت امام اہلسنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قول امام کے ظاہر کو چھوڑ کر دوسرے قول پر عمل کرنے کے جو اسباب ستہ ذکر کئے ہیں وہ اسی وقت ستہ ہوسکتے ہیں جبکہ عرف، دفع حرج اور تعامل ان تینوں کو الگ الگ معنی پر محمول کریں ورنہ سب ایک ہوکر صرف اسباب اربعہ ہوں گے یا ثلثہ ہوکر رہ جائیں گے اس لئے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ امر منقح کیا جائے کہ عموم بلوی کیا ہے، عرف کیا ہے، تعامل کیا ہے میں جہاں تک سمجھتا ہوں، میں فقہ کے بارے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا بالکل ایک طالب علم سے کم درجہ ہوں تو میں سمجھتا ہوں کہ عموم بلوی کا تعلق اس سے ہے کہ آدمی کے اختیار سے باہر آئے اور تعامل امور اختیاریہ ہیں اور عرف یہ الفاظ اور غیر الفاظ دونوں سے متعلق ہے اس لئے الفاظ اور غیر الفاظ دونوں سے متعلق ہے تو الفاظ سے بھی اور کاموں سے بھی جہیز میں ملنے والا مال یا جہیز بکریاں سمجھ لیجئے کہ شوہر کی طرف سے جو بیویوں کو زیور ملتا ہے وہ زیور عرف میں کیا مانا جاتا ہے یہ ایک عمل سے متعلق ہے اور عرف یہ اس طریقہ پر متعین کرتا کہ فلاں معنی میں عرف مستعمل ہے جیسے کہ آپ کہتے ہیں کہ ایمان اور نذور میں عرف کا اعتبار ہے تو یہاں پر یہ عرف ہے، عرف، عموم بلوی

تعامل یہ تینوں الگ چیزیں ہیں۔ دفع حرج کے اندر عموم بلویٰ متحقق نہیں۔ جہاں تک یہ میری ناقص سمجھ ہے یہ تینوں چیزیں تخفیف کا باعث ہیں اور یہ تینوں چیزیں ایک دائرے میں آتی ہیں مگر ان تینوں چیزوں کے احکام تخفیف کی طرف اگرچہ لیجاتے ہیں مگر ان کے حالات بھی مختلف انداز میں مؤثر ہوتے ہیں۔

یہی آپ حضرات جو فقہ سے مناسبت رکھتے ہوں گے تو یہ امید ہے کہ وہ سمجھتے ہوں میں اس کی تنقیح کے لیے کھڑا ہوں جب موقع آئے گا تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کی تنقیح کروں گا۔ ابھی دوسری چیز پر گفتگو کروں تو بجا ہے تو یہاں پر اب گفتگو کرنی ہے کہ سب سے پہلے عموم بلویٰ اور تعامل دونوں کے درمیان فرق ثابت کرکے یہ بتایا جائے کہ دار تعامل کے مسئلے میں آتی ہے یا عموم بلویٰ کے ضمن میں آتی ہے اور پھر اس کے بعد عموم بلویٰ یا تعامل نمبر ہو رہا جا رہا ہے۔

اس حد تک کہ جو موجب تخفیف ہوا نہیں یہ تنقیح کرنی چاہیے" اور قول مشتین کا ذکر صرف اور صرف اس معاملے میں محدود معاون ہوگا کہ وہ قول موجب تخفیف ہونے پر تھوڑی سی سہولت دیدے یا تو امام کا قول ظاہر اور قول باطن جس کو ضروری کہتے ہیں تو قول ظہوری اور قول ضروری میں ضروری کو ترجیح ہوتی ہے امام کا قول ضروری رہی ہے جو امام محمد کا ہے اور اب اس کی وجہ کہ اگر یہ سب کچھ ہو تو نجاست کا حکم نہ دیا جائے گا اور بھی اس میں بہت سے اسباب تنقیہ ہیں کسی چیز کی کوئی علت اگرچہ تنقیہ ڈھونڈ طلب تو یہ سمجھا جائے کہ فقت دینا تک محدود ہے ایک حکم کے تعدد علل اور حکم میں مختلف گوشے ہوتے ہیں ہر ایک گوشے کو الگ الگ علت پایا جانا یہ تحریر ہوتا ہے نہ اصول میں اسلئے جناب والا قول مشتین کے بارے میں اس وقت گفتگو موقوف رکھیں بجائے صرف دینی گفتگو کی جائے کہ عموم، یا تعامل کی حد تک ہے یا نہیں۔ اگرچہ تو دواؤں کے کھانے پینے کے معاملے میں اس کے جواز کی حد پیدا ہوتی ہے یا نہیں، میں چاہ رہا ہوں کہ حضور نائب مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی شریف الحق صاحب امجدی قبلہ مدظلہ العالی اور حضرت مولانا قاضی مفتی عبدالرحیم صاحب صدر مرکزی دارالافتاء بریلی شریف یہ وہ حضرات ہیں جنھوں نے بہت لمبی مدت تک حضور مفتی اعظم قبلہ کی بارگاہ میں عمر گذاری ہے اور ان کی زندگی کو انھوں نے بڑے قریب سے مطالعہ کیا ہے۔ ساتھ ہی مولانا مفتی محمد اعظم صاحب بھی ہیں یہ بتا سکتے ہیں کہ کیا اس سلسلے میں مفتی اعظم ہند قبلہ نے کوئی فتویٰ دیا تھا یا نہیں دیا تھا۔ دیا تھا تو کیا دیا تھا اس سلسلے میں ان لوگوں کی تھوڑی سی توجہ ہم لوگوں کی طرف ہو جائے تو علم میں اضافہ ہوگا اور ممکن ہے کہ سہارا بھی مل جائے آگے بڑھنے کیلئے۔ السلام علیکم

مفتی معراج القادری صاحب :-

یہ تو صحیح ہے کہ عموم بلویٰ نہ تو عرف سے ہے اور نہ ہی تعامل سے۔ اور عموم بلویٰ کا صحیح معنیٰ اور اس کی جامع مانع تعریف کیا ہے کیونکہ کتب کی طرف مراجعت کے باوجود بھی دستیاب نہ ہو سکی البتہ وہ مثالیں جو عموم بلویٰ یا دفع حرج کے سلسلے میں دی جاتی ہیں ان سے اس کا کچھ مفہوم اخذ کیا جا سکتا ہے، عموم بلویٰ عرف سے نہیں ہے اور تعامل سے بھی نہیں ہے میرے خیال میں یہ عموم بلویٰ دفع حرج سے ہے کیونکہ اعلیٰحضرت نے جو مثالیں پیش کی ہیں ان میں بھی دفع حرج کا لحاظ فرمایا ہے

اور دفع حرج کے ساتھ ساتھ ابتلائے عام کو استعمال فرمایا ہے۔ دفع حرج، عرف اور تعامل ان تینوں کی میں مثالیں پیش کر دیتا ہوں کہ جس سے جو ہے کہ الگ الگ کے معانی سمجھنے میں آسانی ہو۔ دفع حرج کی مثال فقہائے کرام یہ پیش کرتے ہیں جیسے قرأت میں اعراب کی ایسی غلطی کہ جس سے معنی فاسد ہو جائے۔ تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ پہلے یہ حکم ہونا چاہئے تھا لیکن متاخرین فقہاء نے جہالت کے سبب عام جہالت کی بنیاد پر جواز کا حکم دیا ہے کہ نماز میں قرأت کے سلسلے میں اگر اعراب کی ایسی غلطی ہو گئی جس سے نماز فاسد ہو جاتی چاہیے تو نماز فاسد ہو جانی چاہیئے مگر متاخرین نے اس کے جواز کا حکم دیا ہے یہ تو دفع حرج کی مثال ہے اسی طریقے سے دفع حرج کی ایک مثال یہ پیش کی جاتی ہے فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ کنویں کے اندر نجاست گر گئی اب نجاست صاف کرنے کا جو طریقہ ہے اس کی جو مقدار متعین کی گئی ہے کہ کتنے ڈول نکال دیئے جائیں مثلاً چند قطرے پیشاب کے کنویں میں گر جائیں اب اتنے ڈول نکالنے کے بعد فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ وہ کنواں بھی پاک ہو گیا حالانکہ پاک کرنے کے سلسلے میں وہ رسی جو ہے وہ بھی آلودہ ہو گئی اور نکالنے والے کا ہاتھ بھی آلودہ ہوا اور ڈول بھی آلودہ ہوا لیکن نہ تو ڈول پاک کیا گیا نہ ہی وہ رسی پاک کی گئی اور نہ ہی نکالنے والے نے اپنا ہاتھ دھولا۔ مگر کنویں کے پاک ہونے کی بنیاد پر یہ حکم دیا کہ فقہائے کرام نے کہ وہ ڈول بھی پاک ہے اور وہ رسی بھی پاک ہے یہ حکم کیوں دیا یہ دفع حرج کی بنیاد پر دیا ہے اسلئے کہ حاشیہ نور الایضاح کی یہ عبارت ہے نفیا للحرج۔ اس وقت کہتے ہیں تو یہ وہ عبارت ہے جس سے سمجھا جاتا ہے کہ اس میں کیوں کہ مبتلا ہے عوام و خواص کا۔ اور ابتلاء ایسا ہے کہ اگر اس کی بنیاد پر حرمت نجاست کا حکم دیا جائے تو لوگ مشقت و پریشانی میں مبتلا ہوں گے۔ تو یہ عموم بلوی کی تعریف ان دونوں مثالوں سے واضح ہو سکتی ہے کہ ہر ایسا امر عام جسے عوام و خواص بھی کرنے لگیں اور جس کے ترک پر تنگی اور دشواری محسوس ہونے لگی ہو یا جو تنگی اور دشواری کا باعث ہے۔ یہ عموم بلوی کے قبیل سے ہے اور یہ عموم بلوی دفع حرج میں شامل ہوگا تو عرف کی مثال یہ پیش کی جاتی ہے کہ جیسے عہد مبارک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں مسجد کے اندر جوتا پہن کر جانا خلاف نہیں سمجھا جاتا تھا لیکن آج کل یہ بات خلاف ادب شمار کی جاتی ہے یہ عرف کی مثال ہے۔ تعامل کی مثال یہ پیش کیا جاتا ہے کہ اصل مذہب یہ ہے کہ اشیاء منقولہ کا وقت صحیح نہیں تھا لیکن لوگوں کے تعامل کی وجہ سے آلات۔ زراعت کا وقت صحیح قرار دیا گیا اور اس پر فتوی بھی دیا جاتا ہے تو تعامل اور عرف کی جو مثالیں پیش کی گئی ہیں ان میں دفع حرج کا لحاظ نہیں اور عموم بلوی کی جہاں مثالیں پیش کی گئی ہیں وہاں دفع حرج کا لحاظ ہے اسلئے عموم بلوی میں دفع حرج ہے۔ اور دفع حرج نہ تو عرف میں ہے نہ تعامل میں یہ ان دونوں سے خارج ہے۔

مولانا مفتی نظام الدین صاحب۔

ماشاء اللہ حضرت مولانا مفتی معراج القادر رکنی نے بہت ہی بالغ نظری کا ثبوت دیا البتہ اگر اجازت ہو تو کچھ عرض کردوں (دیکھئے کیسے) پہلے ہم کو ایک بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ فقہ میں جو اقسام ہم کو ملتے ہیں یہ اقسام اس انداز کے نہیں ہوتے جیسا کہ منطق کے اقسام کا حال ہوتا ہے منطق کے اقسام میں تو تباین کلی ہوتا ہے ان میں اجتماع کبھی ہو ہی نہیں سکتا۔

لیکن فقہی اقسام کے اندر عام طور سے تباین کلی نہیں ہوتا بلکہ یا تو ان کے درمیان عام خاص مطلق کی نسبت ہوتی یا پھر کبھی کبھی عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہوتی ہے اس کی بہت سی مثالیں ہیں ہیں اس کی توضیح و تشریح میں نہ جا کر کے اس مقدمے کی روشنی میں آپ کو عموم بلویٰ، عرف اور تعامل کے سلسلے میں جو کچھ معلومات ہیں اسے عرض کرنا چاہتا ہوں اور صرف اپنی اصلاح ہی کی غرض سے کرنا چاہتا ہوں اعلیٰحضرت نے اپنے رسالہ عطاء النبی میں یہ بحث کی ہے کہ بچوں سے اساتذہ اور دوسرے لوگ پانی منگوا لیتے ہیں اس کا حکم کیا ہونا چاہئے تو اس رسالے میں اعلیٰحضرت عظیم البرکت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک جگہ یہ لکھا ہے کہ یہ بعذر ابتلائے عام نہیں ابتلائے عوام ہے تو ہمیں ابتلائے عام اور ابتلائے عوام میں فرق تو ضرور رکھنا چاہئے اس کا مطلب یہ ہوا کہ عوام اگر کسی کام میں مبتلا ہوں تو اس کا کوئی اعتبار شریعت کی نظر میں نہیں۔ لیکن ابتلاء عام ہو جائے تو اس کا اعتبار ہوگا۔ اب یہاں عام سے کیا مراد ہے جب کہ یہ لفظ ابتلائے عوام کے مقابلے میں بولا گیا ہے یہاں عام کا مطلب یہ ہوگا جو عوام کو بھی عام ہو اور خواص کو بھی اسی مناسبت سے میں نے اپنے سوال نامے میں عموم بلویٰ کی تعریف نقل کی ہے کہ عموم بلویٰ یہ ہے کہ جس سے بچنا سخت حرج کا باعث ہو اور جس میں عوام و خواص سبھی مبتلا ہوں تو عوام و خواص سبھی مبتلا ہوں اور ساتھ ہی اس میں حرج عظیم بھی ہو تو ایسی صورت میں اس کو عموم بلویٰ کہا جانا چاہئے فقہائے کرام نے تو مواقع استعمال بیان کئے عموم بلویٰ کے اور اعلیٰحضرت کی جو میں نے عبارت پیش کی ہے ان سب کو سامنے رکھ کر میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں یہ تو عموم بلویٰ ہوا اور عرف اور تعامل عام طور سے فقہائے کرام جہاں کہیں عرف کی گفتگو کرتے ہیں تو اس کے ساتھ ساتھ تعامل کو بھی جوڑ دیتے ہیں جیسے کہتے ہیں کہ عرف اور تعامل یہ ہے۔ یہ عام طور سے فقہاء کی عبارت میں ملتا ہے۔ عرف کی دو قسمیں کرتے ہیں عرف عام اور عرف خاص۔ اور تعامل کی بھی دو قسم کرتے ہیں۔ تعامل عام اور تعامل خاص جو حکم وہ عرف عام کا بیان کرتے ہیں بعینہ وہی حکم تعامل عام کا بھی کرتے ہیں جو حکم وہ عرف خاص کا بیان کرتے ہیں ٹھیک وہی حکم تعامل خاص کا بیان کرتے ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عرف اور تعامل میں حکم کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں۔ حضرت علامہ شامی لکھتے ہیں:

اعلم ان کلا من العام والخاص انما یعتبر اذا کان شائعا بین اهله یعرفه جمیعهم ولهذا نقل البیری فی شرح الاشباه عن المستصفی ما نصه۔

یہاں پہ ہم کو ایک چیز ذہن میں رکھنی چاہئے کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو قید باندھی ہے وہ قید ہے عرف عام اور عرف خاص کی اور اس میں یہ بتا رہے ہیں کہ عرف عام اور عرف خاص کا اعتبار اس وقت تک نہ ہوگا جب تک کہ وہ اہل عرف کے درمیان شائع اور ذائع نہ ہو اب وہ اس قول کی تائید میں حضرت علامہ بیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عبارت پیش کر رہے ہیں۔

التعامل العام ای الشائع المستفیض فقوله التعامل العام یشتمل العام مطلقا ای فی جمیع البلاد والعام المقید ای فی بلدة واحدة فکل منهما لا یکون عاما تبتنی الاحکام علیه حتی یکون شائعا مستفیضا بین جمیع اهله اھ

مختصر یہ رسائل ابن عابدین صفحہ ۲۲ جلد ۲ کی عبارت ہے اس میں دعویٰ ہے عرف عام وخاص کا۔ اور اسی پر استشہاد ہو رہا ہے تعامل عام وخاص سے تو اس عبارت سے یہ محسوس ہوا کہ عرف اور تعامل میں بنیادی طور سے کوئی فرق نہیں اور فقہائے کرام کے مواقع استعمالات کے مطالعے اور جائزے سے یہی خیال ہوتا ہے لیکن اس میں تھوڑا سا فرق ہے وہ فرق ہے عام وخاص کا۔ اور اسی عام وخاص کے فرق کی وجہ سے اعلیٰحضرت نے اسباب ستہ میں انہیں دو شمار کیا ہے تعامل کے لفظ کا مادہ ہے عمل، تو تعامل کے تحقق کے لئے عمل ضروری ہے یا ہے عمل عام ہو یا خاص۔ مگر عرف کا لفظ یہ عرف قولی اور عرف فعلی عملی دونوں کو عام ہے یعنی قول میں بھی عرف ہوتا ہے اور عمل میں بھی عرف ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ لفظ عرف یہ عام ہے اور لفظ تعامل یہ خاص ہے۔ جہاں پر فقہائے کرام تعامل کے ساتھ عرف کا ذکر کرتے ہیں وہاں مراد ہوتا ہے عرف سے عرف عملی تو تعامل میں عمل کے مفہوم کا تحقق ضروری ہے اور عرف جو ہے عمل کو بھی عام ہے اور قول کو بھی عام ہے اور جو عرف عملی ہوگا تو وہ بعینہ تعامل ہوگا جو تعامل ہوگا وہ بعینہ عرف عملی ہوگا۔

لیکن عرف کا لفظ چونکہ قول کو بھی عام ہے تو اس حیثیت سے عرف اور تعامل میں عام خاص مطلق کی نسبت ہوئی اور عام خاص مطلق کا فرق بھی ایک بڑا فرق ہے۔ اسی وجہ سے امام اہل سنت اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسباب ستہ میں عرف کو ایک الگ سبب ذکر کیا ہے اس طرح سے اسباب ستہ کا شمار تحقق ہو جاتا ہے۔ میں تھوڑی سی وضاحت اور کر دوں یہ جو ہم نے عرض کیا کہ فقہی اقسام منطقی اقسام کی طرح نہیں کہ ان کے درمیان تباین کلی کی نسبت ہو بلکہ بالطور آپ غور فرمائینگے کہ ان کے درمیان کبھی عام خاص مطلق کی نسبت ہوتی ہے وہ کہیں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہوتی یعنی یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ اقسام باہم تمائز کیلئے ہیں فرق کے لئے نہیں۔

یہ اقسام تمیز یہ ہیں تفریق کے لئے نہیں اس کی ایک مثال دوں عورتوں کو دودھ پلانے کے لئے اجارہ پر رکھنا جائز ہے۔ اب دیکھئے یہاں پر عموم بلویٰ کا لفظ اعلیٰحضرت نے ذکر کیا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ آپ دیکھئے تو دائی والے مسئلے میں عرف بھی ہے اور تعامل بھی ہے چنانچہ جزئیہ کتاب الاجارہ میں دائی کے اجارہ کے جواز کی تعلیل۔ بالتعامل۔ سے کی ہے تو یہاں تعامل بھی ہے، عرف بھی اور عموم بلویٰ بھی، تینوں قسموں کا یہاں پر اجتماع ہوگیا زیادہ استعمال کا ہے اور اس کے علاوہ بہت سارے استغراق کے ہیں جو آپ پر مخفی نہیں ہیں۔ اب عبارت سنیئے فتاویٰ رضویہ میں جامع المضمرات پھر در مختار سے ہے۔ جاز اجارۃ القناۃ والنھر مع الماء بہ یفتی لعموم البلویٰ مضمرات اما النھر فھذا ھو الذی یقتضی القواعد ببطلان الاجارۃ لانھا اجارۃ وقعت علی استھلاک عین اصلا فاحتاج الی الاستناد بعموم البلویٰ کما جازت اجارۃ الظئر مع انھا ایضا علی استھلاک عین ولذا احسن صاحب المضمرات اذ علل الافتاء بعموم البلویٰ۔

تو اس عبارت سے میں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں فقہی جو اقسام عموماً تمائز کے لئے ہوا کرتے ہیں تباین کے لئے نہیں ہوا کرتے اب گفتگو کے دوسرے رخ پر ہم کو غور کرنا چاہیئے کہ اعلیٰحضرت عظیم البرکت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد سے اور فقہائے کرام

کے مواقع استعمالات کے حوالے سے میں نے جو عموم بلویٰ کی تعریف ذکر کی ہے اگر اس بات کے اوپر سب کا اتفاق ہو تو ایسی صورت میں حالات زمانہ پر نگاہ ڈالتے ہوئے ہم یہی سمجھ رہے ہیں کہ دواؤں کے استعمال میں عموم بلویٰ ہو چکا ہے۔

حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب:۔

الکحل وغیرہ سے مخلوط دواؤں کی بات چل رہی ہے ان میں ملاوٹ کیسے معلوم ہوئی جب کھانے والا استعمال کرتا ہے استعمال کرنے والا تناول کرتا ہے کھاتا ہے تو اس کو یقین ہوتا ہے کہ اس میں ملاوٹ ہے بات تو یہیں ختم ہو جاتی ہے اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ کا آپ حضرات سب کو زیادہ جانے والے ہیں تصریح فرمائی ہے۔ فتاویٰ رضویہ میں اگر نجاست اور حرمت کو یقین ہو جائے یقین کے بارے میں یہ بھی تصریح فرمائی ہے اس طرح یقین ہو جائے کہ جو آدمی استعمال کرے اس چیز کو اس نے اپنی آنکھ سے دیکھا ہو کہ اس میں ملاوٹ ہوئی ہے اسی وقت حرام و نجس کہا جا سکتا ہے اور یہ حالت نہ ہو اور اس طرح کا یقین نہ ہو مثلاً کوئی کمپنی ہے جس میں اچھے لوگ قابل شہادت کام کرتے ہیں ان لوگوں نے کہا ہے کہ ان دواؤں میں ملاوٹ ہوتی ہے تو اس طرح یقین نہیں ہوتا جو حضور اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یقین کے بارے میں بتایا ہے تو اگر کھانے والا کو اس طرح کا تحقق ہو جائے کہ جو دوا ہم کھا رہے ہیں میرے سامنے اس میں ملاوٹ ہوئی ہے تب حرام و نجس ہونے کا حکم دیا جائے گا۔

حضرت مفتی نظام الدین صاحب سے ہماری گذارش ہے کہ آپ نے جو عموم بلویٰ کی تعریف کی اس میں ساتھ ساتھ آپ نے یہ قید بھی بیان کی کہ امر میں اس سے بچنا متعذر ہے اسی سلسلے میں ان سے گذارش کروں گا کہ حد تو شی علیٰحضرت کے دور میں مفتی اعظم کے دور میں پورے ہندوستان کے اکثر لوگ کیا کرتے تھے یہ عموم بلویٰ ہے؟ کیا اس سے بچنا متعذر تھا یا نہیں؟ اس کی وضاحت کریں؟ ساتھ ساتھ یہ بھی بتائیں کہ اس دور کے اندر جب کہ حج کے لئے فوٹو کھنچواتے تو تمسک میں فوٹو کھنچواتے یا امتحان کے لئے فوٹو کھنچواتے یا داخلہ کے لئے فوٹو کھنچواتے اس میں خاص عوام کے بچے۔ علماء کے بچے، عوام کے بچے، اور خود عوام علماء حج کے لئے۔ کیا یہ عموم بلویٰ کے اندر داخل ہے یا نہیں اس کی تشریح کریں تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ اس عموم بلویٰ کے تحت داخل نہ ہونے کی وجہ سے اباحت کی طرف نہ جائیں یا عموم بلویٰ میں۔ دوسرا ساتھ ہی ساتھ یہ گذارش کروں گا کہ حد تو شی کے بارے میں کیا اعلیٰحضرت نے ارشاد فرمایا ہے یہ مکروہ ہے جبکہ اس سے بچنا یہ متعذر ہے۔

مولانا مفتی نظام الدین صاحب:۔

ہمارے استاذ محترم شیخ معظم شارح بخاری نائب مفتی اعظم ہند حضرت مولانا علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی مدظلہ العالی کا ارشاد ہے کہ فوٹو والے مسئلے کو ابھی موقوف رکھا جائے اس سلسلے میں اس پر کچھ گفتگو نہیں کروں گا۔

حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ مدظلہ العالی نے واقعی یہ اہم نکتہ بحث اٹھایا ہے اس میں غور ہونا چاہئے۔ اعلیٰحضرت نے عموم بلویٰ کا لفظ حقہ کیلئے لکھا ہے محض مجاز ہے ایسا ہے کہ عموم بلویٰ کا تعلق محظورات سے ہے اور حقہ نوشی مباحات سے ہے دونوں کے اندر فرق ہے۔ مفتی معراج القادری صاحب قبلہ، وہ بھی حرمت کے قول کی بنیاد پر۔

مفتی نظام الدین صاحب: اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے حرمت حقہ کی تقدیر پر ابتلائے عام کی بات کہی ہے یعنی اگر حقہ نوشی بالفرض حرام ہو تو بھی اب ابتلائے عام کی بنا پر اس کی اباحت کا حکم ہوگا۔ رہ گیا تقدیر کا معاملہ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جس سے احتراز میں لوگوں کے لئے حرج و دشواری ہو اور ظاہر ہے کہ عوام و خواص جنھیں حقہ نوشی کی عادت ہے ان کو حرمت کا حکم سنا کر اس سے روک دیا جائے تو وہ سخت حرج و دشواری میں مبتلا ہو جائیں گے۔

ع وفی نزع الناس عن عاداتھم حرج

تقدیر کا یہ مطلب نہیں کہ اس سے بچنا لوگوں کے اختیار میں نہ ہو۔ اور نہ ہی عموم بلویٰ کے لئے غیر اختیاری ہونا ضروری ہے۔

محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ:۔

حضرت مفتی نظام الدین صاحب کے اس فقرے سے جواب ہو گیا اس جواب کا جو میرے ذہن میں بہت دیر سے تھا اور وہ یہ کہ آپ نے تقسیم منطقی اور تقسیم فقہی کو الگ الگ رکھا میں اس کا قائل نہیں تقسیم بہرحال چاہتی ہے تقابل کو۔ یہ البتہ ہے کہ جس طرح سے منطقی لوگ تقسیم کرتے ہیں اور ایک لفظ کو کبھی کبھی مشترک رکھتے ہیں اور اس مشترک انداز میں بیان کرتے ہیں جیسے لفظ تصور جو کبھی سا ذج کے معنی میں جو ایک حقیقی معنی ہے اور کبھی عام معنی میں رکھا ہے تو اس طرح عرف، تعامل اور عموم بلوی یہ تینوں اس میں جو ہیں ان میں مطابقت نہیں البتہ فقہائے کرام نے مجاز کے طور پر اس کو ایک دوسرے کے معنی میں استعمال کیا ہے اس کی کوئی ایک مثال نہیں اور حقے کے بارے میں یہ جو اعلیٰحضرت نے مختلف جگہوں پر لفظ ابتلاء رکھا ہے عموم بلوی نہیں لکھا لفظ ابتلاء والی عموم بلوی کی اصطلاح الگ ہے کہ استعمال الناس کے معنی میں ہے تو اس بنا پر یہ عموم بلوی کے معنی میں ہرگز نہیں۔ یا مولانا آل مصطفیٰ نے ایک مسئلہ چھیڑا تھا ایک نظیر پیش کی شامی سے وقف در اہم شامی جلد ۱ صفحہ ۔۔ اس میں ذکر کیا تعامل کے بارے میں وھو الاکثر استعمالا۔ لفظ اس میں موجود ہے میں نے اصل کتاب سے اس کو نہیں ملایا لیکن یہ یقین رکھتا ہوں کہ انھوں نے صحیح عبارت نقل کی اس عبارت سے کہ یہ ذکر کیا ہے انھوں نے کہ لما علمت ان التعامل وھو الاکثر استعمالا اس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ استعمال اکثری کے معنی میں فقہاء کے نزدیک بولا جاتا ہے اب بہرحال عموم بلوی یا تعامل جو بھی ہو اس کو طے کر لیا جائے یہاں ہو کہ واقعۃً وہ ہے اور ہے تو کس حد میں تو اس حد کی وجہ سے وہ تخفیف آئے گی۔

حضرت مولانا محمد اعظم صاحب مدظلہ العالی:۔

یہ جو ذکر کیا وہ بھی نظر انداز کے قابل نہیں اس پر بھی نظر رکھنا ضروری ہے اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مقدمہ قائم کرتے ہوئے فرمایا کہ کفار کی خبر میں نجاسات اور گمراہی وغیرہ کے معاملے میں معتبر نہیں تو اس اعتبار سے کہ کفار کی کمپنیوں نے اس پر کیا کیا لکھا ہے یہ الگ بات ہے لیکن بعض دوائیں یقیناً ایسی ہیں جس میں الکحل اور اسپرٹ کی بدبو بہت ہی خاص انداز میں محسوس ہوتی ہیں اس لئے اگرچہ نہ دیکھا گیا ہو مگر الکحل کا استعمال کے ضمن میں اس کو دیکھنا چاہئے۔

اس بنا پر میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر ان کا مقدمہ لیا جائے تو ٹیبلیٹ اور کیپسول وغیرہ کے معاملے میں کچھ تحقیق کی راہیں سامنے آجائیں گی اور باقی انجکشن اور دوا سیرپ جن کے اندر بہت زیادہ الکوحل ہوتا ہے اتنی مقدار کے ساتھ کہ وہ اپنے زبان کے ساتھ نہیں چھو سکتا ہے کہ جائے گا اس میں الکحل کی آمیزش ہو اگر یہ تب قرآن کے استعمال کے بارے میں کیا غور و فکر کرنا ہے وہ تحقیق ابھی تک محتاج ہے اس بات کی وہ تو آپ نے بجا کہا ہے۔

حضرت مولانا محمد احمد مصباحی صاحب:۔

اتنے سارے مقالے اور بحث کے بعد بھی کوئی نتیجہ نہیں نکل سکا ہو کر چند الفاظ ایسے رہ گئے ہیں جو غور طلب ہیں یعنی اس کے لئے کافی مراجعت کتب کی ضرورت ہے اسلئے آپ لوگوں کو بحث ضروری ہے تو چند علماء پر مشتمل بورڈ بنالیا جائے جو اس سلسلے میں حتمی فیصلہ کریں اور تمام حضرات اس کو قبول کریں۔

حضرت مفتی شریف الحق صاحب الامجدی:۔

فتاویٰ رضویہ جلد دوم ص۲۵ جو میرے خیال میں اس بحث کے لئے بنیادی حیثیت اور یہی ہمارے لئے معیاری دلیل بھی ہے جس میں فرماتے ہیں کہ ہندیوں کو اس کی رنگت میں ابتلائے عام ہے اور عموم بلوی ہمارے نزدیک متفق علیہ ہے ابتلاء عام کے بعد عموم بلوی بے معنی ہوگا ابتلاء عام اور عموم بلوی دونوں ایک ہے اب اس کو ذہن میں رکھ کر کے آپ حضرات مزید غور کر سکتے ہیں یا دوبارہ تحریر فرما سکتے ہیں۔

علامہ صاحب قبلہ:۔

اب میں کہوں کہ ابتلائے عام کا مسئلہ جو حضرت نے اٹھایا کہ اس میں یہ ہے کہ بحث متعین کرنے کی ضرورت ہے ابتلائے عام کو میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ بالکل غیر اختیاری ہے قابل ہے بے اختیار ہیں۔ حضرت کا مسئلہ میں اس کو انکار نہیں کر سکتا لیکن اس کو تسلیم کرنے سے بھی قاصر ہوں اور رہ گئی یہ بات کہ سارے عوام و خواص۔ پیر و مرشد، مقرر و مدرس، مفتی غیر مفتی۔ عوام سب اس میں شامل ہیں اس سے مجھے اتفاق نہیں کیونکہ اب اللہ کا فضل ہے کہ انگریزی دواؤں کے استعمال کرنے والوں میں ہزاروں اور لاکھوں تعداد میں ایسے مسلمان موجود ہیں کہ ڈاکٹر سے یہ کہتے ہیں کہ الکحل والی دوا نہیں وہ دیجئے جس میں الکحل کی آمیزش نہ ہو تو اب ایسی صورت میں یہ کہہ دینا کہ کوئی اس سے مستثنیٰ نہیں یہ میرے لئے سخت محل نظر ہے۔ اب آخر گفتگو تو یہی ہونی چاہئے کہ آپ حضرات جیسے بزرگ علماء کرام جو متفقہ طور پر چند علماء کی ایک مجلس تشکیل دی جائے اور وہ اس مسئلے پر کسی نتیجے میں پہونچ کر کوئی حکم صادر فرما دیں اس کے لئے ہم کو قبول کرنا پڑے گا۔

حضرت مولانا عبد الحق صاحب:۔

عموم بلوی کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ سارے لوگ ہوں اگر کچھ لوگ بچ جائیں تو بھی عموم بلوی پایا جائیگا۔

حضرت علامہ صاحب قبلہ :۔

——————— میں عموم بلوی میں یہ ہرگز نہیں مانتا کہ سب لوگ اسمیں مبتلا ہوں بلکہ میں عموم بلوی اور تعامل میں فرق کرتا ہوں اور عموم بلوی کی جگہ تعامل اور تعامل کی جگہ عموم بلوی مجازاً استعمال کیا گیا ہے تو اس سے مجھے کوئی اختلاف نہیں یہاں تو گفتگو ہو رہی ہے ایک قسم دوسرے قسم کے مقابلے میں کب استعمال ہوگی۔

دفع حرج، عرف، تعامل یہ ہیں امام کا قول ضروری کے ترک کرنے کے اسباب وہ قول ظاہر کو ترک کرنے کے اسباب یہ الگ الگ قسمیں ہیں اور یہاں پر سب کو الگ معنی میں رکھنا ہے یہ نہیں ہے کہ ایک کو دوسرے میں عام خاص مطلق، عام خاص من وجہ کر کے داخل کر دیا جائے اس جگہ آپ کو تو الگ الگ رکھنا ہی پڑے گا کیونکہ یہ الگ مستقل اسباب ہیں اب یہ الگ بات ہے کہ آپ کوئی ایک ایسا مفہوم متعین کر لیں جو تینوں کو شامل ہو جائے۔ دفع حرج اور عموم بلوی عرف کو اور کسی صورت سے وہ موجب تخفیف ہو سکے یہ الگ بات ہے مگر یہاں پر میں یہ کہہ رہا ہوں کہ جب یہ امام کا قول ضروری ہو گیا اور فتوی اسکے اوپر ہو گیا مستند علیہ ہی اور بار بار آپ ہمارا مذہب مستند یہی ہے جو قول امام محمد ہے اور اس کو اب وہی اسباب ستہ ضروری ہیں جو اعلیحضرت نے ذکر کئے ہیں اس لئے اسباب ستہ میں سے کسی کو ثابت کرنا اور اس کی تنقیح کرنا یہ امر واقعی ہے گا یہ میری ساری باتوں کا خلاصہ اور مختصر مجموعہ ہے جب مذہب مستند، مفتی بہ، وبہ یفتی، علیہ الفتوی قرار پایا تو اعلیحضرت نے پڑیا میں جب قول ظاہر کی طرف رجوع کیا تو کس حیثیت کا سہارا لیا ہے یہ نہیں کہ کھڑے کھڑے ڈائرکٹ پہونچ گئے انھیں اسباب ستہ میں سے ایک کو لیا اس لئے اسباب ستہ کے بغیر آپ قول ضروری، اور قول ظاہری پر فتوی دینے کے مجاز نہیں۔

حضرت مفتی شریف الحق صاحب قبلہ :۔

میں نے جو عرض کیا انگریزی دواؤں سے کوئی نہیں بچا ہے میں نے اپنے علم کی بات کیا ہے آپ کو علم ہے کہ لاکھوں آدمی ہیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اور اس کے بعد جو آپ نے فرمایا کہ عموم بلوی کے لئے ضروری ہے کہ اپنے اختیار میں نہ ہو ——————— یہ خود اعلیحضرت کے قول سے منقوض ہے پڑیا کی رنگت کا استعمال کرنا استعمال کرنے والے کے اختیار میں ہے پھر بھی اس کو عموم بلوی فرمایا ہے۔

سے کیونکہ کوئی ابتلاء بے بس نہیں، اور نہ ہی چند اصحاب عزیمت زاہد ہوں، کا حرج و مشقت برداشت کر کے احتراز عامۂ مبتلین کے حق میں رخصت سے مانع ہو سکتا تو مناسب ہے لیکن آپ مزید اگر سے احتیاط میں حرج و مشقت ہے خاص طور سے حادثات اور آپریشن میں تو یہ حرج ناقابل انکار ہے اور شاید ہی ایسے موقع پر آج کوئی عزیمت پر قائم رہ سکے تعامل میں جانب ترک حرج و مشقت کا باعث نہیں ہوتا جیسے میلاد شریف، قیام تعظیمی، فاتحہ، بیع بالشرط المتعارف، وقف منقول، اذان علی القبر وغیرہ وغیرہ مگر عموم بلوی حرج و مشقت کا باعث ہوتا ہے اور یہی تعامل اور عموم بلوی میں وجہ فرق ہے مذبالاکثر استعمال کا مفہوم تو دونوں پر صادق ہے تو گویا عموم بلوی کیلئے یہ جنس کے درجہ میں ہے اور حرج فصل کے درجہ میں ۔ نظام الدین رضوی

حضرت محدث کبیر:-

تو جس جگہ اس کو عموم بلوی میں رکھا ہے تو وہ یہ ہے جو فتاوی امجدیہ میں خود اس کو ذکر کیا اس کی تفصیل میں آپ کو سناؤں وہ اس طریقے پر کہ اگر اس کو نہ مانا جائے اس کو قبیرہ قرار دیا جائے تو اس رنگ سے جس کا کپڑا ملوث ہے اس کے پسینے سے اس کے ہر ہاتھ کے چھو جانے سے وغیرہ وغیرہ اس طرح سے بیشمار چیزیں نجس ہو جائیں گی یا انھوں نے تفصیل فرمائی ہے اور اس تفصیل کے بعد تخفیف کا حکم دیا تھا۔

اس سے یہ متبادر ہوتا ہے کہ صرف پڑیا کے استعمال کر لینے کو عموم بلوی نہیں قرار دیا بلکہ استعمال کر لینے پر جو امر مرتب ہو گیا ہے غیر اختیاری طور سے تعدی نجاسات کا وہ امر جو ہے عموم بلوی ہے اور وہی موجب تخفیف ہے۔

حضرت بحر العلوم:-

تو پھر عموم بلوی دوا میں بھی ہو سکتا ہے۔ آدمی دوا کھاتا ہی رہتا ہے اور گھر گھر میں دوا موجود رہتی ہے۔

حضرت محدث کبیر:-

وہ ہو سکتا ہے۔ (ناظم اجلاس)

حضرت مصباحی صاحب:-

بہر حال ایسا ہے کہ پہلی مجلس کا وقت پورا ہو چکا ہے لہذا اب یہ بحث یہیں موقوف کی جاتی ہے۔

ناظم اجلاس کے اس اعلان کے بعد مسئلہ الکحل پر بحث کا یہ زریں سلسلہ موقوف ہو گیا۔

از
مفتی محمد نظام الدین رضوی
رکن مجلس شرعی

تکملہ

مسئلہ الکحل کی بحث میں تین اہم تنقیحی سوال تشنۂ تحقیق رہ گئے تھے جو یہ ہیں:

(۱) عموم بلوی اور تعامل میں فرق۔؟
(۲) عموم بلوی صرف افعال غیر اختیاریہ کے ساتھ خاص ہے یا افعال اختیاریہ کو بھی عام ہے؟
(۳) عموم بلوی کی تاثیر صرف باب طہارت و نجاست تک محدود ہے۔ یا باب حلت و حرمت میں بھی اس کی تاثیر ہوتی ہے؟

ہم تکمیل بحث کی غرض سے ان مسائل کی قدرے وضاحت کرتے ہیں۔

عموم بلوی اور تعامل میں فرق

تعامل کی تعریف کی گئی ہے "الأکثر استعمالاً" ہے۔ اور یہ مفہوم عموم بلوی پر بھی صادق آتا ہے۔ مگر عموم بلوی میں۔ عام استعمال کے ساتھ ساتھ حرج و مشقت بھی۔ جزو تعریف ہے اور یہ تعامل میں جزو تعریف نہیں۔ اسی لئے عموم بلوی کی تعریف ارشادات فقہاء کے پیش نظر راقم سطور نے یوں کی کہ جس میں عوام و خواص کبھی مبتلا ہوں اور اس سے احتراز سخت حرج و مشقت کا باعث ہو مگر تعامل کی تعریف میں فقہائے کرام نے کہیں بھی حرج و مشقت کا لفظ نہیں استعمال کیا۔ تو یہ حرج و مشقت عموم بلوی کیلئے فصل کے درجہ میں ہے اور الأکثر استعمالاً جنس کے درجہ میں۔ ہاں اگر کہیں تعامل اور عموم بلوی دونوں کا اجتماع ہوجائے تو وہاں حرج کا لفظ عموم بلوی کے پیش نظر فقہاء لکھتے ہیں۔ اس سلسلے پر قدرے گفتگو ہم نے گذشتہ صفحہ میں بھی کی ہے۔

عموم بلوی افعال اختیاریہ کو بھی عام ہے

عموم بلوی اپنے نام کی طرح سے اختیاری، غیر اختیاری تمام افعال کو عام ہے یعنی عموم بلوی کے تحقق کیلئے یہ ضروری نہیں ہے کہ بتلی بہ سے فعل کا صدور غیر اختیاری طور پر ہو بلکہ اختیاری افعال میں بھی اس کا تحقق ہوتا ہے۔

جیسا کہ ان جزئیات سے واضح ہے۔

(۱) ولو أن سكة يسار لقوم فرمى بعض أصحاب السكة بثلجهم فتزلق بها انسان، أو دابة۔ نهلكت، قال محمد رحمه الله تعالى إن لم تكن السكة نافذة لاضمان فيه۔ وإن كانت نافذة وجب الضمان

قالوا هٰذا جواب القیاس. وفی الاستحسان لا یضمن لعموم البلوی فان کانت السکة نافذة او لم تکن۔

فتاوی قاضی خان۔ فصل فیما یضمن بارسال الدابة۔

علی هامش الهندیة ۲۴۹ / ۳)

(ب) تالاب کا اجارہ عموم بلوی کی وجہ سے جائز ہے۔ چنانچہ فتاوی رضویہ میں ہے:

"اور جامع المضمرات میں جواز پر فتوی دیا، فی الدرالمختار"

جاز اجارة القناة والنهر مع الماء، به یفتی لعموم البلوی۔ مضمرات۔ انتهی۔

اقول: اما النهر مع الماء فهذا هو الذی تقتضی القواعد بطلان اجارته لانها اجارة وقع علی استهلاک عین۔ فاحتاج الی الاستناد لعموم البلوی کما جاز اجارة الظئر مع انها ایضا علی استهلاک عین۔ ولقد احسن (فی جامع المضمرات) اذ علل الافتاء بعموم البلوی، لا یحصول الجواز بالتبع اه ملتقطا

(فتاوی رضویہ - ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹ / ۷)

کھلی ہوئی بات ہے تالاب اور دابہ کو اجارہ پر لینا کوئی ایسا فعل نہیں جس میں آدمی بلا قصد و اختیار مبتلا ہو جائے بلکہ یہ سب اختیاری افعال ہیں۔

(ج) حقہ نوشی کے جواز کی ایک وجہ عموم بلوی ہے چنانچہ مجدد اعظم فرماتے ہیں:

بالجملة عند التحقیق اس مسئلہ (حقہ نوشی) میں سوا حکم اباحت کے کوئی راہ نہیں ہے، خصوصاً ایسی حالت میں عجماً و عرباً، شرقاً و غرباً عام مومنین بلاد و بقاع تمام دنیا کو اس سے ابتلاء ہے تو عدم جواز کا حکم دینا عامۂ امت مرحومہ کو معاذ اللہ فاسق بنانا ہے۔ جسے ملت حنفیہ سمحہ سہلہ غرا و بیضا ہرگز گوارہ نہیں فرماتی۔

اقول: ولنا نفی بعد ان عامة المسلمین اذا ابتلوا بحرام حل بل الامر ان عموم البلوی من موجبات التخفیف شرعا، وما ضاق امر الا اتسع۔ فاذا وقع ذلک فی مسئلة مختلف فیها ترجح جانب الیسر صونا للمسلمین عن العسر اه

(فتاوی رضویہ ۴۳ / ۱۱ رسالہ حقة المرجان لمهم حکم الدخان)

۔ حقہ نوشی بھی فعل غیر اختیاری نہیں بلکہ اختیاری ہے۔ ان مسائل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عموم بلوی کے لیے ہر ہر فرد کا ابتلاء ضروری نہیں ہے بلکہ اکثر افراد کا ابتلاء بھی کافی ہے کیونکہ بہت سے لوگ ہیں جو حقہ نہیں پیتے، تالاب کو اجارے پر نہیں لیتے، دابہ کو نہیں رکھتے۔

عموم بلوی۔ حلت و حرمت میں بھی موجب تخفیف ہے

امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

ان عموم البلوی من موجبات التخفیف

شرعا ولایخفی علی خادم الفقه أن هذا کما هو جار فی باب الطهارة والنجاسة کذلك فی باب الإباحة والحرمة والذا تراه من مسوغات الإفتاء لقول غیر الامام الاعظم رضی الله تعالی عنه کما فی مسئلة المخابرة وغیرها. بل هو من مجوزات المیل الی روایة النوادر علی خلاف ظاهر الروایة کما نصوا علیه ——— وقد تشبث العلماء بهذا فی کثیر من مسائل الحلال والحرام. ففی الطریقة وشرحها الحدیقة: فی زماننا هذا لا یمکن الاخذ بالقول الاحوط فی الفتوی الذی أفتی به الائمة وهو ما اختاره الفقیه أبو اللیث انه ان کان فی غالب الظن أن اکثر مال الرجل حلال جاز قبول هدیته ومعاملته. والا لا. اه ملخصا. وفی رد المحتار من مسئلة بیع الثمار: لایخفی تحقق الضرورة فی زماننا لاسیما فی دمشق الشام وفی نزعهم عن عادتهم حرج وما ضاق الأمر الا اتسع. ولایخفی ان هذا مسوغ للعدول عن ظاهر الروایة اه ملخصا.

الی غیر ذلك من مسائل یکثر عدها ویطول سردها، فاندفع ما عسی ان یوهم من قول الفاضل الکنکی أن عموم البلوی انما یؤثر فی باب الطهارة والنجاسة. لافی باب الحرمة والاباحة صرح به الجماعة اه.

(فتاویٰ رضویہ ۴/۳۰۳ ، رسالہ حقۃ المرجان)

سیرت حسن العلماء
حسن میاں برکاتی رحمۃ اللہ علیہ
مصنف: صاحبزادہ ڈاکٹر
سید محمد امین میاں برکاتی و دیگر علماء کرام
برکاتی پبلشرز
پہلی منزل، نیک محمد بلڈنگ چھاگلہ اسٹریٹ کھارادر کراچی

جان و مال کا بیمہ

(۱) سوالنامہ

(۲) مقالات

(۳) مباحثات

مولانا مفتی محمد نظام الدین صاحب رضوی
رکن مجلس شرعی و استاذ جامعہ اشرفیہ

سوالنامہ

جان و مال کا بیمہ
اور
ان کی شرعی حیثیت

بیمہ فارسی زبان کے لفظ بیم سے ماخوذ ہے، جس کا معنی خوف و اندیشہ ہے۔ معاہدۂ بیمہ سے اس لفظ کی تھوڑی سی مناسبت یہ ہے کہ اس میں معاشی زبوں حالی، یا مالی نقصانات کے اندیشہ سے تحفظ و امان حاصل ہوتا ہے اس لئے اسے عہد قدیم میں "بیمہ" کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اُردو زبان کی مستند لغت "فرہنگ آصفیہ" میں ہے۔

"بیمہ: اندیشہ۔ اندیشہ، خطر کا ذمہ، ضمانت، جب سوداگر لوگ نقدی یا جنس وغیرہ کہیں بھیجتے ہیں تو وہ اس شخص کو جو اس کے ضائع یا تلف ہو جانے پر دام بھر دینے کا اقرار کرتا ہے کچھ کمیشن دیتے ہیں اور اس شرط یا اطمینان کو بیمہ کہتے ہیں۔"

(فرہنگ آصفیہ ص ۴۹۶ ج ۱، ترقی اردو بیورو، دہلی)

انگریزی زبان میں اس کا متبادل لفظ انشور (INSURE) ہے جس کا معنی "یقین دہانی" ہوتا ہے اور عربی میں اسے "عقد التامین" کہتے ہیں یعنی معاہدۂ امان۔ بیمہ، انشور، اور تامین سب میں حفظ و امان کا مفہوم قدر مشترک کے طور پر پایا جاتا ہے۔

"بیمہ" کی تاریخ بہت پرانی ہے، لیکن ہم اس تفصیل میں نہ جا کر عصر حاضر کے رائج بیمہ کا ایک جائزہ پیش کرتے ہیں۔

آج کا رائج بیمہ دو بنیادی حصوں میں بٹا ہوا ہے۔

(۱) بیمۂ زندگی، جسے عرف عام میں لائف انشورنس کہا جاتا ہے۔

(۲) بیمۂ اموال، اسے عرف عام میں جنرل انشورنس کہتے ہیں

پھر ہر بیمہ کی مختلف اقسام ہیں جن کی قدرے تفصیل ہم "کامرس، اردو۔ ایجنٹ مے نوول، بھارتیہ جیون بیمہ نگم" کے الفاظ میں یہاں نذر قارئین کرتے ہیں۔

علم معاشیات کی ایک ابتدائی کتاب "کامرس" میں یہ انکشاف کیا گیا:

(کامرس ص ۵۷ تا ص ۶۴)

(ترقی اردو بیورو، دہلی)

بیمہ

انسان کی زندگی اور اس کی املاک کو نقصان و بربادی کے بے شمار خطرات لاحق رہتے ہیں۔ اپنے بیوی بچوں کو لاچار و بے مددگار چھوڑ کر ایک خاندان کا کمانے والا کسی وقت بھی دنیا سے رخصت ہو سکتا ہے۔ کسی بھی شخص کا شاندار مکان چند لمحات میں آگ کی نذر ہو کر خاک کا ڈھیر بن سکتا ہے۔ کسی بھی تاجر کا مال و اسباب سے لدا ہوا جہاز سمندری طوفان کی زد میں آ کر غرق ہو سکتا ہے یا بھاری نقصان کا سبب بن سکتا ہے۔ اسی طرح کسی بیوپاری کا مال سیلاب، زلزلہ، بجلی، چوری یا دھوکہ دہی کی نذر ہو سکتا ہے۔ وہ لوگ جو ایسے نقصانات کی زد میں آجاتے ہیں انھیں مالی اعتبار سے بے حد نقصان اٹھانا پڑتا ہے اور بعض اوقات تو وہ عملی طور پر بالکل ہی تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ ایسے خطرات سے بچاؤ کے لئے بیمہ کا طریقہ جاری کیا گیا ہے۔

اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ بیمہ کسی نقصان کے خطرے کو ہرگز ٹال نہیں سکتا بلکہ بیمہ تو نقصان کو مختلف لوگوں پر بانٹنے کا ایک طریقہ ہے ورنہ دوسری صورت میں وہ نقصان صرف ایک شخص پر پڑتا۔ ایک معمولی سی رقم کی ادائیگی کے معاوضے میں ایک بیمہ کمپنی کسی خاص حادثے کے پیش آجانے پر ایک مقررہ رقم کی ادائیگی کا اقرار کرتی ہے۔

بیمہ میں "سماجی تعاون" (SOCIAL-COOPERATION) کا اصول کارفرما ہے۔ اس کو اس مثال کے ذریعہ بخوبی واضح کیا جا سکتا ہے۔ فرض کیجئے کہ کسی شہر میں ایک ہزار مختلف مالکوں کے ایک ہزار مکانات ہیں گزشتہ تجربہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہر سال دو مکان آگ لگ جانے سے تباہ ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے

کہ ایک ہزار مالکوں میں سے کوئی دو مالک اپنے مکان سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ لیکن یہ دو لوگ کون ہوں گے؟ قبل از وقت نہیں کہا جاسکتا۔ ایسی غیر یقینی صورتِ حال میں ایک ہزار مالکوں میں سے ہر ایک کو اپنے اپنے مکان کا خطرہ محسوس ہوتا ہے۔ اگر ایک مکان کی قیمت بیس ہزار روپے ہے تو دو مکانوں کی مجموعی قیمت چالیس ہزار روپے ہوگی۔ اس چالیس ہزار روپے کے نقصان کے تدارک کے لئے ایک ہزار مالکوں میں سے ہر ایک چالیس روپے کی مساوی قسط فراہم کرسکتا ہے۔ اور مکانوں کو آگ لگ جانے کی صورت میں دونوں مالکوں کو بیس بیس ہزار روپے اس مشترکہ فنڈ سے ادا کئے جاسکتے ہیں۔ اس طرح ایک مالک مکان اپنے بیس ہزار روپے کے غیر یقینی لیکن امکانی سالانہ نقصان کو بیمہ کے ذریعہ صرف چالیس روپے کے یقینی نقصان سے پورا کرسکتا ہے۔ یہ طریقہ کس قدر عمدہ ہے۔ نقصان نہ صرف بہت سے لوگوں پر بلکہ برسوں کی طویل مدت پر پھیلا دیا جاتا ہے۔

اس لئے بیمہ کو ایک ایسا معاہدہ کہا جاسکتا ہے کہ جس کے ذریعہ ایک فریق اس پر رضامند ہو جاتا ہے کہ تھوڑی سی رقم کے معاوضے میں دوسرے فریق کو کسی خاص حادثہ کے پیش آجانے پر ایک مقررہ رقم ادا کرے گا۔ وہ فریق جو کسی جوکھم یا خطرے سے دوسرے فریق کا تحفظ یا بچاؤ کرتا ہے اس کو بیمہ کار یا بیمہ کنندہ ( ) کہتے ہیں اور وہ فریق جس کو جوکھم سے تحفظ دیا جاتا ہے اس کو بیمہ کرانے والا یا بیمہ شدہ ( ) کہتے ہیں جس دستاویز میں بیمہ کے معاہدہ کی شرائط درج ہوتی ہیں اس کو بیمہ پالیسی اور جس رقم کا بیمہ پالیسی لی جاتی ہے اس کو بیمہ شدہ رقم کہتے ہیں۔ وہ رقم جو بیمہ کرانے والا بیمہ کار کو قسطوں کی شکل میں ادا کرتا ہے اس کو پریمیم کہا جاتا ہے۔

اور بیمہ کرانے والے کا بیمہ شدہ چیز سے جو مفاد وابستہ ہوتا ہے اس کو بیمائی مفاد ( ) کہتے ہیں۔

بیمے کے بنیادی اصول

بیمے کا معاہدہ بھی دوسرے معاہدوں ہی کی طرح ہوتا ہے اور اس پر ہندوستانی قانونِ معاہدہ ( ) کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس معاہدہ کے مکمل ہونے کے لئے بھی صحیح عام شرائط کا ہونا ضروری ہے: مثلاً (۱) کسی راضی نامہ ( ) کا وجود (۲) فریقین کی آزادانہ مرضی (۳) معاہدہ کرنے کے لئے فریقین کا اہل ہونا۔ (۴) جائز آئینی معاوضہ ( ) (۵) قانونی مقصد ( ) وغیرہ۔ لیکن ان شرائط کے علاوہ بیمہ کے معاہدہ میں

اور جِ ذیل مزید خصوصیات کا ہونا بھی لازمی ہے۔

مکمل صدق نیت ( )

بیمہ ایک مکمل باہمی اعتماد و سچائی ( ) کا معاہدہ ہوتا ہے۔ بیمہ کار ( ) اور بیمہ کرانے والے ( ) دونوں کو بیمہ سے متعلق تمام مادی حقائق کو بالکل صاف اور واضح طور پر ایک دوسرے سے ظاہر کر دینا چاہیئے۔ ایک مادی حقیقت ہے جس کی بنیاد پر دوسرا فریق ہے، اور دوسرے فریق کے جوکھم کے قبول کرنے ———— یا جوکھم سے انکار کرنے کے فیصلہ پر یا پریمیم کی شرح مقرر کرنے کے فیصلے پر اثر انداز ہو سکتی ہے۔ بد دیانتی اور حقائق کو چھپانے سے بیمہ پالیسی منسوخ ہو جاتی ہے۔ کسی عام معاہدہ میں بھی غلط بیانی نہیں ہونی چاہیئے۔ غلط بیانی سے معاہدہ کے کالعدم قرار دینے کا اختیار فریق ثانی کو حاصل ہوتا ہے وہ چاہے تو معاہدے کو منسوخ کر سکتا ہے۔ بیمہ کے معاہدہ کی صورت میں نہ صرف یہ کہ غلط بیانی نہ ہو بلکہ فریقین کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ معاہدہ سے متعلق کسی مادی حقیقت کو جو ان کے علم میں ہو ایک دوسرے سے نہ چھپائیں۔ کسی اصلیت یا حقیقت کو چھپانے سے، خواہ ارادتاً طور پر ہو یا اتفاقیہ بیمہ پالیسی منسوخ ہو جاتی ہے۔

بیمہ کے معاہدہ میں بیمہ کرانے والے کو فوقیت حاصل ہوتی ہے۔ بیمہ شدہ چیز کے بارے میں بیمہ کمپنی کی بہ نسبت اسے بہتر علم ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ بیمہ سے متعلق ان تمام حقائق کو جن سے وہ واقف ہو وضح طور پر بیمہ کمپنی پر ظاہر کرے۔

مثال: سیٹھ شیام لال نے اپنی دوکان کا آگ کا بیمہ کراتے وقت بیمہ کمپنی پر یہ بات ظاہر نہیں کی تھی کہ ان کی دوکان کے نزدیک ایک پٹرول پمپ ہے۔ بعد میں پٹرول پمپ میں آگ لگ جانے کے حادثہ میں شیام لال کی دوکان بھی جل کر راکھ ہو گئی۔ لہٰذا صحیح حقیقت ظاہر نہ کرنے کی بنا پر یہ پالیسی منسوخ ہو سکتی ہے۔

(۲) تاوان کا معاہدہ

زندگی بیمہ اور شخصی حادثہ بیمہ کے علاوہ باقی تمام بیموں کے معاہدات تاوان کا معاہدہ کہلاتے ہیں کیونکہ ان کی شرائط کے مطابق بیمہ کار بیمہ کرانے والے کو مقررہ جوکھم سے ہونے والے نقصان کی صورت میں اصل نقصان کا تاوان ادا کرنے کی ذمہ داری لیتا ہے۔ تم جو واقعی بیمہ کرانے والے کو متوقع حادثہ کے

پیش آنے پر ادا کی جاتی ہے وہ بیمہ کرانے والے کے اصل نقصان ہی کے برابر ہوتی ہے۔ اصل نقصان سے نہ کم نہ زیادہ۔

مثال :۔ ایک مکان کا پچاس ہزار روپے کا آگ کا بیمہ کرایا گیا۔ اس مکان کو آگ لگ گئی۔ بیمہ کمپنی کے تخمینہ کے مطابق تیس ہزار روپے کی رقم سے مکان تعمیر ہو کر اپنی ابتدائی شکل میں آسکتا ہے۔ پس صرف تیس ہزار کی رقم بیمہ کرانے والے کو تاوان کے طور پر ادا کی جائے گی۔

تاوان کے اصول کی بنیاد اس نظریہ پر رکھی گئی ہے کہ بیمہ کرانے والے کو بیمہ کے معاہدے کے ذریعہ صرف اصل نقصان کی تلافی کی جاسکے اور یہ بیمہ اس کے لئے منافع کا ذریعہ نہ بن سکے۔ پس تاوان کے اصول کے پیش نظر بیمہ کے ذریعہ اصل مالیت سے زیادہ یا کم بیمہ کرانے کو روکتا ہے۔

(۳) قابل بیمہ مفاد

دراصل بیمہ کا کوئی بھی معاہدہ بلا قابل بیمہ مفاد کی موجودگی کے مکمل نہیں ہوسکتا۔ بیموں کے بغیر عدالت کی نظر میں اس کے اس معاہدے کی کوئی قیمت نہ ہوگی۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ بیمہ کرانے والے کو بیمہ شدہ چیز سے ایسا تعلق ہو کہ اس چیز کی تباہی سے اس کا اپنا نقصان اور اس چیز کی حفاظت سے اس کا اپنا فائدہ ہوتا ہو۔ مختصر یہ کہ بیمہ شدہ چیز کی تباہی یا نقصان سے بیمہ کرانے والے کو مالی نقصان ہوتا ہو۔ پس بیمائی نفع بیمہ شدہ چیز سے محض ایک جذباتی تعلق ہی نہیں ہے بلکہ یہ ایک ایسا مالی تعلق ہے جس کا نقصان کی صورت میں روپے پیسے میں شمار ہوسکے۔

مثال :۔

(۱) ایک شخص کا اپنی زندگی سے بیمائی مفاد وابستہ ہوتا ہے۔
(۲) ایک بیوی اپنے شوہر کی زندگی میں بیمائی مفاد رکھتی ہے۔
(۳) ایک تاجر کو اپنے کاروباری املاک یا اپنے تجارتی مال سے بیمائی مفاد ہوتا ہے۔
(۴) ایک قرض خواہ کو قرض کی رقم کی حد تک اپنے قرضدار کی زندگی سے بیمائی تعلق ہوتا ہے۔

بیمائی مفاد کا جن اوقات میں ہونا لازمی ہے، اُن کا بیمہ کی حسب ذیل نوعیتوں پر انحصار ہوتا ہے۔

(۱) آگ اور حادثہ کے بیمے :۔
بیمہ کرانے کے وقت سے لیکر نقصان ہونے کے وقت تک۔

(۲) زندگی بیمہ،

جس وقت بیمہ کرایا جائے۔ لیکن ضروری نہیں ہے کہ مطالبہ کرتے وقت بھی یہ صورت ہوجاتی ہو۔

(۱) سمندری بیمہ۔

صرف نقصان کے وقت

بیمہ کی قسمیں

بیمہ کی کئی قسمیں ہیں۔ بیشک آجکل سب ہی قسم کے خطرات یا جوکھموں کے لئے بیمہ کرایا جا سکتا ہے۔ بیمہ کی چند خاص قسموں کا بیان درج ذیل ہے۔

(۱) زندگی بیمہ

یہ ایک ایسا معاہدہ ہے جس کے تحت بیمہ کمپنی بیمہ کرانے والے کی موت پر یا ایک مقررہ مدت گذر جانے کے بعد، ان دونوں میں سے جو بھی پہلے واقع ہو، ایک مقررہ رقم کی ادائیگی کی ذمہ داری لیتی ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے۔ زندگی کا بیمہ تاوان کا معاہدہ نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ موت سے جو حقیقی نقصان ہوتا ہے اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا ہے اور نہ اس کی تلافی ہو سکتی ہے۔ اسلئے کوئی بھی شخص اپنی زندگی کا بیمہ کسی بھی رقم کا کرا سکتا ہے۔ اور موت واقع ہونے کی شکل میں اس کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔

زندگی کا بیمہ جوکھم یا خطرے سے تحفظ کا اور روپے پیسے کے جمع کرانے کا بہترین ذریعہ ہے۔ ایک مقررہ قسط یا پریمیم کی ادائیگی کے بعد بیمہ کرانے والا شخص دو فائدوں کا حقدار ہوجاتا ہے۔ پہلا فائدہ تو یہ کہ اسکی موت واقع ہوجانے پر ایک مقررہ رقم اسکے وارث کو مل جائے گی۔ لہٰذا زندگی بیمہ کا یہ تحفظ کا عنصر ہوا۔ دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ جو رقم پریمیم کی شکل میں وہ جمع کرتا ہے اس پر سود در سود کے حساب سے سود بھی ملتا بلکہ وہ انتہائی مستحکم سیکیورٹی کی شکل میں جمع رہتی ہے اور مقررہ مدت کے بعد مع منافع واپس مل جاتی ہے۔ لہٰذا اس میں سرمایہ کاری کا عنصر بھی شامل ہوتا ہے۔

1956 میں زندگی بیمہ کے کاروبار کو قومی ملکیت میں لے لیا گیا ہے۔ اس وقت سے ہندوستان میں زندگی بیمہ کا کاروبار لائف انشورنس کارپوریشن آف انڈیا کے ذریعہ عمل میں آتا ہے۔

(۲) آگ بیمہ

آگ بیمہ کے معاہدہ کے ذریعہ بیمہ کمپنی ایک مقررہ حد تک بیمہ شدہ جائداد کی آگ کے ذریعہ ہونیوالے نقصانات کی تلافی کرنے کی ذمہ داری لیتی ہے۔ بیمہ کرانے والا اپنی عمارت یا گودام کا آگ بیمہ کرانے

کے بعد یک واجبی رقم بیمہ کمپنی کو پریمیم کی شکل میں ادا کرنے کی ذمہ داری لیتا ہے۔ اس کے معاوضہ میں بیمہ کمپنی اقرار کرتی ہے کہ وہ بیمہ شدہ جائیداد کو ایک مقررہ مدت کے اندر اندر آگ سے نقصان ہونے کی صورت میں مقررہ حد تک نقصان کی تلافی کر دے گی۔ آگ بیمہ پالیسی کی مدت دس دن سے لے کر بارہ مہینے تک کی ہو سکتی ہے۔ لیکن مقررہ میعاد کے ختم ہو جانے کے بعد قرار داد پریمیم کے ادائیگی پر بیمہ پالیسی کی تجدید بھی ہو سکتی ہے۔ یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ آگ بیمہ نقصان کی تلافی ہی کا معاہدہ ہے۔ بیمہ کرانے والا نقصان ہونے پر بیمہ شدہ رقم کے اندر صرف اصل نقصان ہی کے تاوان کا حقدار ہوتا ہے۔ اس سے اس کو کوئی منافع حاصل کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ اگر کوئی شخص جائیداد یا مال کی اصل قیمت سے زیادہ رقم کو بیمہ کرا کر اور اسے آگ لگا کر بیمہ کمپنی سے منافع کمانے کا ذریعہ بنا لے۔ علاوہ ازیں اگر کسی جائیداد کا دو یا دو سے زیادہ بیمہ کمپنیوں سے آگ بیمہ کرایا گیا ہے تو ایسی صورت میں بھی بیمہ کرانے والے کو جملہ بیمہ کمپنیوں سے مقررہ حد کے اندر اصل نقصان سے زیادہ کا معاوضہ نہیں مل سکتا۔ مزید یہ کہ جب بیمہ کرانے والے کو اصل نقصان کا معاوضہ مل جاتا ہے تو وہ ایسی نقصان شدہ جائیداد کے حقوق نقصان کی حد تک بیمہ کمپنی کے نام منتقل کر دیتا ہے۔

آگ بیمہ میں باہمی اعتماد اور سچائی کے اصول پر نہ صرف بیمہ کراتے وقت ہی کاربند ہونا ضروری ہے بلکہ بیمہ کی پوری مدت وصیت داور مطالبہ کرتے وقت بھی اس پر کاربند ہونا انتہائی ضروری ہے۔ بیمہ کرانے کے بعد اگر کوئی ایسی تبدیلی آ جائے جس سے جوکھم بڑھ جاتا ہے تو فوراً ہی بیمہ کمپنی کو اس تبدیلی کی اطلاع دینی چاہئے اس کے علاوہ بیمہ کرانے والے کی یہ بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ جائیداد کو نقصان سے بچانے کے لئے ایمانداری کے ساتھ پوری پوری کوشش کرے۔

(۳) حادثہ بیمہ

حادثہ بیمہ ایک ایسا معاہدہ ہوتا ہے جس کے ذریعے بیمہ کمپنی یہ ذمہ داری لیتی ہے کہ حادثے کی وجہ سے انسان کے کسی عضو کو یا املاک کو نقصان پہنچے تو ایسے نقصانات کی تلافی بیمہ کمپنی کی طرف سے کی جائے گی۔ حادثہ بیمہ پالیسی عام طور پر کار، اسکوٹر، اور اسی قسم کے دوسرے حادثوں کے جوکھم کے تحفظ کے لئے جاری کی جاتی ہے۔ بڑے شہروں میں، جہاں کار اور اسکوٹر کے حادثات عام طور پر آئے دن پیش آتے رہتے ہیں اور لوگ انتہائی زخمی ہو جاتے ہیں، تو ایسے جوکھم کو حادثہ بیمہ کے ذریعہ گاڑیوں اور ڈرائیوروں کا بیمہ کر کے کم کیا جا سکتا ہے اور اس طرح حادثہ سے نقصانات کی تلافی کی جا سکتی ہے۔

اگر حادثہ ایک مقررہ مدت کے اندر پیش نہیں آتا تو حادثہ بیمہ پالیسی کے تحت بیمہ کرانے والے کو کوئی معاوضہ نہیں ملے گا۔ حادثہ بیمہ میں پریمیم کی رقم پیشگی ادا کی جاتی ہے۔ عام طور پر حادثہ بیمہ پالیسیاں بارہ ماہ کی

مدت سے زیادہ عرصہ کے لئے جاری نہیں کی جاتیں۔ حال ہی میں حکومت ہند نے وزیر اعظم کے بیس نکاتی اقتصادی پروگرام کے تحت حادثہ بیمہ کی نئی اسکیم جاری کی ہے۔ اس اسکیم کو "جنتا حادثہ بیمہ" کہا جاتا ہے اس اسکیم کے تحت پریمیم کی واجبی رقم کی ادائیگی کے بعد جنتا حادثہ انشورنس پالیسی حاصل کی جا سکتی ہے یہ اسکیم جنتا کے کمزور طبقوں میں بہت مقبول ہو رہی ہے۔

(کامرس ص ۷۵ تا ص ۷۶ ترقی اردو بیورو)

بھارتیہ جیون بیما نگم کی کتاب "ایجنٹ سے گزارش" میں خاص طور پر "زندگی بیمہ" کے متعلق جو تفصیلات درج ہیں ان کے ضروری اقتباسات ہم یہاں نقل کرتے ہیں: (ہندی سے ترجمہ)

زندگی بیمہ کمپنی اس کمپنی کی بنیاد پارلیمانٹ کی ایک دفعہ کے ذریعہ رکھی گئی ہے جسے صدر جمہوریہ ہند نے ۱۸ر جون ۱۹۵۶ء کو اپنی منظوری دی، یہ دفعہ یکم جولائی ۱۹۵۶ء سے نافذ کی گئی، اور کمپنی نے یکم ستمبر ۱۹۵۶ء سے کام کرنا شروع کیا، اسی دن سے کمپنی کو "زندگی بیمہ" کے کاروبار میں اختیار حاصل ہوا ہے۔

اس کمپنی کے پندرہ (۱۵) ممبر ہیں اس کا صدر دفتر بمبئی میں ہے اور پانچ دفتر ذیلی ہیں جو بمبئی کلکتہ، دلی، کانپور، اور مدراس میں ہیں، اس وقت ملک بھر میں تینتالیس دفتر ہیں اور اس کے ماتحت کام کرنے والے بہت سے دفاتر ہیں جن کی تعداد ۱۰۰ سو ہے۔ اس کے علاوہ ملک کے باہر لندن، فجی اور ماریشش میں بھی تین برانچ ہیں۔

بیمہ داروں کے ذریعہ پالیسی کی مد میں کمپنی کو دیا گیا روپیہ بونس کے ساتھ مکمل محفوظ رہتا ہے کیونکہ اس کی حفاظت کی گارنٹی حکومت ہند دیتی ہے ــــ کمپنی کے لئے یہ ضروری ہے کہ کم سے کم دو سال میں ایک بار اپنی کاروباری اقتصادی حالت کی جانچ اور ذمہ داریوں کا تجزیہ بیمہ آفیسر کے ذریعہ کرائے، اور ان کے ذریعہ تیار کی گئی رپورٹ حکومت ہند کو دے۔

اپنی جانچ پڑتال کے بعد روشنی میں آنے والی بچت رقم میں سے پچانوے (۹۵٪) فیصد، یا حکومت کی منظوری کے مطابق اس سے بھی زیادہ رقم کمپنی کے بیمہ داروں میں یا تو بانٹ دی جائے گی یا ان کے لئے محفوظ کر دی جائے گی۔ بقیہ رقم میں سے، "زندگی بیمہ قانون" کی دفعہ نو (۹) کے اندر آنے والی کمپنی کے اختیار کے متعلق اخراجات کی مدوں کو پورا کرنے کے بعد جو رقم بچے گی وہ یا تو حکومت کو دے دی جائے گی، یا حکومت کے ذریعہ جاری کئے گئے منصوبہ (اسکیم) کے لئے اسی کے ذریعہ بنائے گئے طریقہ سے استعمال میں لایا جائے گا۔ بیمہ داروں کے لئے مختص کی گئی رقم کا بٹوارہ ان کے درمیان کیسے

کیا جائے۔ اس بات کو فیصلہ تجزیہ کرنے والے حکام یا ثالثوں کے ذریعہ کیا جائے گا۔

زندگی بیمہ کیا ہے؟

زندگی بیمہ ایک قرار یا معاہدہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خاص حادثہ کے ہونے پر بیمہ دار کو، یا اسکے وارث کو کوئی طے شدہ رقم دے دی جائے گی۔ جیسے ایک خاندان میں ایک آدمی کام کرتا ہے۔ اچانک حادثہ ہو جانے پر پریشانی ہو جاتی ہے۔ زندگی بیمہ اس پریشانی کو آسانی میں تبدیل کر دیتا ہے۔

پالیسی کی ساکھ اور اس پر قرض دینے کی آسانی

کچھ وقت تک پالیسی چلانے کے بعد اگر بیمہ دار اسے آئندہ جاری نہ رکھ سکے تو وہ اس کی نقد قیمت فوراً حاصل کر سکتا ہے۔ اسکے علاوہ وہ اپنی پالیسی کی ضمانت پر فوراً قرض لے کر تھوڑے وقت کی اقتصادی دشواری کو ختم کر سکتا ہے۔ بازار میں کاروبار کے واسطے قرض کے لئے بھی زندگی بیمہ پالیسی کو کبھی کبھی ضمانت کی شکل میں منظور کر لیا جاتا ہے۔

انکم ٹیکس سے چھوٹ

انکم ٹیکس قانون کے تحت زندگی بیمہ کے لئے دی گئی قسط پر انکم ٹیکس میں خاصی دلچسپ چھوٹ دینے کا انتظام ہے۔ انکم ٹیکس کی اس چھوٹ پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوگا کہ بیمہ دار سے ہر قسط کچھ کم رقم کی لی جا رہی ہے۔

جائداد فیس، یا ملکیت ٹیکس

ملکیت ٹیکس چکانے کے لئے زندگی بیمہ سب سے اچھا ذریعہ ہے۔ زندگی بیمہ کرا لینے کے بعد نقد روپیہ کی کمی نہیں۔ ملکیت ٹیکس، یا جائداد فیس ادا کرنے کے لئے کم داموں پر جائداد کو بیچنے کی حاجت نہیں پیش آتی، کیونکہ جیسے ہی کسی مالدار آدمی کی موت ہوئی اور جائداد فیس یا ٹیکس ادا کرنے کی ضرورت ہوئی ویسے ہی بیمہ پالیسی کا روپیہ حاصل ہو جاتا ہے۔

بیمہ کا قرار کیا ہے؟

بیمہ کا قرار سچے اعتماد کی بنیاد پر ہے، کہ تمام متعلقہ امور کو صحیح صحیح بتا دیا جائے، یہ قانون ہر قسم کے بیمہ کی بنیاد ہے۔

بیمہ کے سبھی قرارناموں میں یہ ذمہ داری بیمہ دار کی ہے کہ وہ نہ صرف وہ باتیں جو اس کی فہم کے مطابق اہمیت کی ہوں، بلکہ تجویز کے متعلق ساری ہی باتیں کمپنی کے سامنے بیان کر دے، کسی بھی دستاویز میں غلط بیانی، راز چھپا کر، یا دھوکہ بازی کر کے اگر کمپنی سے تجویز کی منظوری لے لی گئی تو ایسے قرارنامے سے پیدا شدہ دعوے خود بخود ہو جائیں گے، اور کمپنی اس کے لئے ذمہ دار نہیں ہوگی۔

یہ ٹھیک ہے کہ بیمہ قانون ۱۹۳۸ء کی دفعہ ۴۵ کے تحت بیمہ کرانے کی تاریخ سے دو سال گزر جانے

کے بعد پالیسی کو کوئی خطرہ نہیں ہوتا، اور اس بات کی بنیاد پر اس کے دعوے کو رد نہیں کیا جاسکتا کہ تجویز نامہ اور دوسرے فارموں میں غلط بیانی کی گئی ہے لیکن اگر کمپنی یہ بات ثابت کرسکے کہ غلط بیانی یا معاملہ کا چھپانا ضروری باتوں سے تعلق رکھتا ہے اور بیمہ کرتے وقت جان بوجھ کر، اور دھوکہ دینے کے ارادے سے یہ کام کیا گیا تو شیر فقرہ کی یہ دفعہ نافذ نہیں ہوگی اور دعویٰ دو سال پورا ہونے کے بعد بھی مسترد ہوجائے گا۔

بیمہ کا مقصد

(۱) خاندان کے لئے اقتصادی حفاظت کا انتظام۔
(۲) بڑھاپے کے لئے رقم کا انتظام۔
(۳) مالیت کا ٹیکس دینے کے لئے روپے کا انتظام۔
کسی خاص نیت کی تجویز میں بیمہ کا مقصد یہ بھی ہوسکتا ہے۔
(۴) — (الف) تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے لئے گئے قرض کے لئے ضمانت کا کام کرنا
— (ب) سماج کی فلاح و بہبود کے ادارے۔ اسپتال، اسکول وغیرہ کے لئے رقم کا انتظام۔
(۵) اگر بیمہ کا مقصد یہ ہو کہ اس کی بنیاد پر کاروبار کے لئے قرض لیا جاسکے تو ایسی تجویز کی منظوری یا نامنظوری بیمہ دار کے کاروبار کی حالت پر منحصر ہے، کسی بیمہ دار کی تجویز منظور ہوسکتی ہے، اور دوسرے کی نہیں۔ اس طرح کی تجویز پیش کرنے والوں کی طرف سے کمپنی کو یہ یقین دلانا ہوگا کہ اسکے پاس بیمہ کی قسط، قرض کی قسط اور اس پر عائد ہونے والے سود کی قسط ادا کرنے کے لئے کافی مالی و اقتصادی ذرائع ہیں، اسکے علاوہ کمپنی کے پاس تجویز پیش کرنے والے کو یہ خبر بھی بھیجنی ہوگی کہ کتنی رقم کا قرض لیا گیا ہے اور کتنی رقم لینے کی خواہش ہے۔ قرض لینے والی پارٹی کیا بیمہ کی قسط خود دے گی، یا کیا قرض کی ضمانت صرف بیمہ پالیسی ہے ___؟
(۶) انکم ٹیکس کی چھوٹ کے متعلق بھی بیمہ پالیسیاں لی جاتی ہیں، اگر بیمہ صرف انکم ٹیکس کی چھوٹ کے لئے لیا جائے تو چھوٹ خالص۔ بند بستی بیمہ پالیسی، یا لمبے عرصے کے لئے ادا شدہ قسطوں پر بھی ملتی ہے جس میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ (ڈویلپمنٹ سے نوول، ص ۲۰ تا ص ۴ تلخیص)

ٹیکس قانون، اور زندگی بیمہ

ٹیکس کو کئی قسموں میں بانٹا جاسکتا ہے، سب سے زیادہ مشہور دو قسمیں ہیں۔ ڈائرکٹ۔ یا ظاہری ٹیکس۔ اور ان ڈائرکٹ یا باطنی ٹیکس

(۱) ڈائرکٹ۔ یا ظاہری ٹیکس

یہ ٹیکس آمدنی۔ یا دولت پر لگائے جاتے ہیں، ان ٹیکسوں کی

شرح ۔ یا دہ ٹیکس دہندہ کی ذاتی حالت وغیرہ کا لحاظ کرکے متعین کیا جاتا ہے ، اسکے زمرے میں متعدد ٹیکس آتے ہیں جیسے

(الف) آمدنی ٹیکس (ب) دولت ٹیکس
(ج) ہبہ یا تحفہ ٹیکس (د) ملکیت ٹیکس ۔ وغیرہ

(۲) اِن ڈائرکٹ ، یا باطنی ٹیکس اشیاء کی بیع ، کاروبار ، اور درآمد و برآمد ٹیکس ۔ آبکاری ٹیکس ، فروخت ٹیکس ، وغیرہ ۔

ہندوستان میں اس وقت ۔ ظاہری ٹیکس قانون ۔ خاص مرکزی ٹیکس قانون ہے ۔ قانونِ انکم ٹیکس ، قانونِ ملکیت ٹیکس ، قانونِ ہبہ و تحفہ ٹیکس ، اور قانون جائداد ٹیکس ۔ ان سبھی قوانین کے تحت ٹیکس دینے کی بنیادی اہمیت ہے ۔ اور مختلف قسم کی بچت میں حوصلہ دینے کے لئے ان ٹیکسوں کے متعلق قوانین میں خاص مراعات اور چھوٹ دینے کا اہتمام ہے ۔ اس قسم کی بچت میں زندگی بیمہ پالیسی کے ذریعہ کی جانے والی بچت بھی شامل ہے ۔

قانون کی دفعہ ۵ (۱) (۶) کے مطابق کسی بھی بیمہ پالیسی (جس کی ادائیگی کا وقت نہ آیا ہو) سے حاصل شدہ رقم ٹیکس دہندہ کی اصل دولت میں شامل نہیں کی جائے گی بشرطیکہ پالیسی کی قسط چکانے کی مدت دس سال ۔ یا اس سے زیادہ ہو ، اگر قسط دینے کی مدت دس سال سے کم ہے تو ٹیکس دہندہ کو اسی کے حساب سے پالیسی کی رقم کے لئے چھوٹ دی جائے گی ، یہ چھوٹ ۔ ٹیکس اور اس کی شرح دونوں ہی کے لئے ہے ۔

(ایجینٹ کے نوٹس ص ۹ ، تا ص ۱۰ ۔ ہندی سے ترجمہ)

واضح رہے کہ زندگی بیمہ کی وجہ سے مختلف اقسام کے ٹیکسوں میں چھوٹ ، اور اس کے علاوہ دیگر فوائد بیمہ کے ساتھ ساتھ اس میں کچھ نقصانات بھی جو زندگی بیمہ کی ایک بنیادی اور لازمی شرط کے وجود و عدم پر گردش کرتے ہیں وہ شرط مجھے خاص زندگی بیمہ کے کئی ایجینٹوں کے ذریعہ معلوم ہوئی ۔ اور وہ یہ ہے ۔

زندگی بیمہ کی ایک لازمی مگر خطرناک شرط بیمہ دار کے لئے تین سال کی تمام قسطیں حسب قرار داد بیمہ کمپنی ، جمع کرنی ضروری ہیں ، اگر کسی وجہ سے کچھ قسطیں جمع ہونے سے رہ گئیں تو اسے نہ جمع ہونے کی پہلی میعاد سے مزید پانچ سال کی مہلت بیمہ دار کو

دی جاتی ہے کہ وہ چاہے تو اس مدت میں کبھی بھی بقیہ قسطیں یک مشت مع سود جمع کر کے اپنی پالیسی جاری کرلے۔ لیکن اگر یہ توسیعی میعاد بھی گزر گئی اور بیمہ دار باقی ماندہ قسطیں جمع کرنے سے قاصر رہا تو اس کا کھاتہ بند کر کے اس کی تمام جمع شدہ رقم ضبط کرلی جاتی ہے، یا بیمہ کمپنی کی اصطلاح میں وہ رقم پیسٹس ( ) یعنی سوخت ہو جاتی ہے جو خود بیمہ کمپنی کی ملک ہو جاتی ہے۔ ہاں اگر تین سال کی تمام قسطیں مدتِ مقررہ، یا موسعہ میں جمع کر دی گئیں تو بیمہ کی مدت پوری ہو جاتے پر اسے وہ تمام رقم مع بونس واپس مل جائے گی۔ البتہ ایک ایجینٹ نے یہ بھی بتایا کہ تینوں سال کی قسطیں ایک ساتھ بھی جمع کی جا سکتی ہے، کمپنی اسے جمع کر کے رسید دیدے گی مگر اس پر کوئی بونس نہ ملے گا، اور رسید بھی کچی یعنی ٹکٹ لگی ہوئی نہ ہوگی، رسید کی بنیاد پر جمع شدہ زائد رقم کبھی بھی واپس لی جا سکتی ہے۔

بیمہ شرعی نقطۂ نظر سے۔ "بیمہ زندگی" اور "بیمۂ اموال" کا جو تعارف گزشتہ اوراق میں پیش کیا گیا ہے اس کے پیش نظر بادی النظر میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ معاملات دنیوی منافع کے ساتھ ساتھ غرر، جہالت، قمار، اور ربا جیسے مفاسد پر مشتمل ہیں جو شرعی نقطۂ نظر سے جائز نہیں قرار دیئے جا سکتے لیکن ہمیں یہ نکتۂ لطیف یہاں ہمیں فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ ہمارے یہ معاملات ایسی حکومت کے زیر انتظام کمپنیوں سے تعلق رکھتے ہیں جن پر بلا شبہ یہاں کے غیر مسلموں کا تغلب و تسلط ہے، بلفظ دیگر حقیقت میں یہ حکومت عملی حیثیت سے انھیں غیر مسلموں کی ہے اور کم از کم آج کے حالات میں تو کسی کو بھی اس حقیقت سے انکار نہیں ہونا چاہیے۔ اور یہاں کے غیر مسلموں سے تمام عقود فاسدہ بشمول ربا و قمار جائز ہیں کیونکہ فقہ حنفی کی شرائط کے مطابق وہ عقود محض ظاہری شکل و شباہت کے لحاظ سے فاسد ہیں، یا ربا، اور قمار ہیں ورنہ حقیقت میں یہ کچھ بھی نہیں۔ اس کی کامل تحقیق فتاوی رضویہ جلد سابع، کتاب الربو میں ہے جو آپ سے مخفی نہیں۔ اسلئے آپ سے درج ذیل سوالوں کے جواب مطلوب ہیں۔

سوالات

(۱) بیمۂ اموال، اور بیمۂ زندگی کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ ——
یعنی وہ قرض ہیں، یا امانت ہیں، یا کفالت و ضمانت، یا کچھ اور؟
نیز قرض کی تقدیر پر یہ "ربا" اور بہر حال "قمار" ہیں، یا نہیں؟

(۲) اگر یہ بیمے "ربا" ہیں تو یہاں کی کمپنیوں سے (جو حکومت کی ہوں، یا خالص غیر مسلموں کی) ایسا عقد یا معاہدہ جائز ہے، یا نہیں؟ اور قمار ہونے کی صورت میں کسی ایسی شرط کے ساتھ جس کے

ہوتے ہوئے نفع کا حصول مظنون بظن غالب ہو، ان بیموں کی اجازت دی جاسکتی ہے، یا نہیں؟
جواب اثبات میں ہو تو شرط کی بھی صراحت فرمائیں۔

(۳) کیا ان عقود کو ضمانِ خطر طریق، ضمان درک، یا حضرت علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ سوکرہ کی جائز شکل سے ملحق کیا جاسکتا ہے، یا نہیں ——— ؟ (ضمان و سوکرہ کے مسائل مع تک جزئیات میں مصرح ہیں)

(۴) بیموں کے عدم جواز کی تقدیر پر انکم ٹیکس اور اس کے علاوہ دوسرے ٹیکسوں سے بچنے کے لئے بیمہ کی اجازت ہوگی، یا نہیں ——— جبکہ ٹیکسوں کے لزوم کی صورت میں جتنے مال کا استحصال متیقن یا مظنون بظن غالب ہے، اتنے یا اس سے کم مال کا ضیاع قمار کی تقدیر پر محض موہوم و متردد ہے؟

(۵) بعض صورتوں میں قانونی حیثیت سے بیمہ کرانا لازمی ہوتا ہے تو ان کے بارے میں حکم شرع کیا ہوگا؟

(۶) بہرحال ان عقود کے عدم جواز کی تقدیر پر:-

(الف) کیا یہ جائز ہوگا کہ ان کے ذریعہ حاصل ہونے والی اضافی رقم یا بونس کو فرقہ وارانہ فسادات میں ناحق ضائع ہونے والے جان و مال کا عوض قرار دے کر وصول کرلیں۔ اور اپنے مصرف میں خرچ کریں؟

(ب) یا بہرحال (خواہ عوض مانیں، یا نہ مانیں) اسے لینا اور اپنے دینی و دنیوی امور میں استعمال کرنا جائز ہوگا، کیونکہ وہ مال فی الواقع مالِ مباح ہے جو بلا غدر و فریب وصول ہو رہا ہے؟

اب آئندہ اوراق میں فقہ حنفی کے چند جزئیات بھی ملاحظہ فرمالیں ممکن ہے کہ ان سے مسائل کے حل میں کچھ مدد ملے۔ آپ کا خیر اندیش

محمد نظام الدین الرضوی

خادم دارالعلوم اشرفیہ مصباح العلوم مبارکپور
شب ۲۰؍ رجب ۱۴۱۳ھ (ایک بجے شب)

تخریج
محمد نظام الدین الرضوی
خادم دار العلوم اشرفیہ مصباح العلوم
مبارکپور

جزئیات

تین سال تک کے لیے بیع سلم جائز ہے بشرطیکہ اس پوری مدت میں مسلم فیہ دستیاب ہونے کا ظن غالب ہو۔

قال: ولا یجوز السلم حتی یکون المسلم فیہ موجوداً من حین العقد إلی حین المحل (رأی محل الدین) حتی لو کان منقطعاً عند العقد، موجوداً عند المحل، أو علی العکس، أو منقطعاً فیما بین ذالک لایجوز ـــــ لنا: قوله علیه السلام لا تسلفوا فی الثمار حتی یبدو صلاحها، ولأن القدرة علی التسلیم بالتحصیل فلابد من استمرار الوجود فی مدة الأجل لیتمکن من التحصیل اھ

(ہدایہ ص ۷۷ ج ۳، باب السلم)

ولا (یصح السلم) فی طعام قریة بعینها، أو ثمرة نخلة بعینها، لأنه قد یعتریه آفة فلا یقدر علی التسلیم، وإلیه أشار علیه السلام، حیث قال: أرأیت لو أذهب الله تعالیٰ الثمر بم یستحل أحدکم مال أخیه، ولو کانت النسبة إلی قریة لبیان الصفة لا بأس به علی ما قالوا کالخشمرانی ببخارا والبساخی بفرغانة اھ (ہدایہ ص ۷۹ ج ۳ باب السلم)

وأما الکفالة بالمال: فجائزة معلوماً کان المکفول به، أو مجهولاً، إذا کان دیناً صحیحاً مثل أن یقول: تکفلت عنه بألف أو بمالک علیه، أو بما یدرکک فی هذا البیع. لأن مبنی الکفالة علی التوسع فیتحمل فیه الجهالة، وعلی الکفالة بالدرک إجماع، وکفی به حجة. وصار کما إذا کفل بشجة صحت الکفالة وإن احتملت السرایة والإقتصار، وشرط أن یکون دیناً صحیحاً (مراده) أن لا یکون بدل الکتابة اھ (ہدایہ ص ۹۹، ۱۰۰ ج ۳ باب الکفالة)

ویجوز تعلیق الکفالة بالشرط، مثل أن یقول ما بایعت فلاناً فعلیّ، وما ذاب لک علیه فعلیّ، او ما غصبک فعلیّ. والأصل فیه قوله تعالیٰ، ولمن جاء به حمل بعیر وانا به زعیم

والإجماع منعقد على صحة ضمان الدرك، ثم الأصل أنه يصح تعليقها بشرط ملائم لها مثل أن يكون شرطا لوجوب الحق الخ

(ہدایہ ص ۱۰۰ ج ۳، کتاب الکفالۃ) کفالتِ مال کو شرط پر معلق کرنے کی وضاحت بہار شریعت حصہ ۱۳ متعلقہ باب میں ہے۔

درمختار میں ہے: ویضمن المسلم قیمۃ خمرہ وخنزیرہ إذا أتلفہ وتجب الدیۃ علیہ إذا قتلہ خطأ ویجب کف الأذی عنہ اھ

ردالمحتار ص ۲۷۳ ج ۳، فصل فی استئمان الکافر، باب المستأمن میں ہے: قال فی شرح السیر الاصل أنه يجب على الامام نصرة المستأمنين ماداموا في دارنا فكان حكمهم كاهل الذمة الا أنه لا قصاص على مسلم أو ذمي بقتل مستأمن ويقتص من المستأمن بقتل مثله ويستوفيه وارثه ان كان معه وذكر أيضا أن المستأمن في دارنا اذا ارتكب ما يوجب عقوبة لا يقام عليه الا ما فيه حق العبد من قصاص أو حد قذف وعند ابي يوسف يقام عليه كل ذلك الا حد الخمر كاهل الذمة ولو أسلم عبد المستأمن أجبر على بيعه ولا يترك يخرج به ولو دخل مع امرأته ومعهما أولاد صغار فاسلم أحدهما أو صار ذميا فالصغار تبع له بخلاف الكبار ولو اناثا لانتهاء التبعية بالبلوغ عن عقل ولا يصير الصغير تبعا لأخيه أو عمه أو جده ولو الأب ميتا في ظاهر الرواية وفي رواية الحسن يصير مسلما باسلام جده والصحيح الاول اذ لو صار مسلما باسلام الجد الادنى لصار مسلما باسلام الاعلى فيلزم الحكم بالردة لكل الكفار لانهم أولاد آدم ونوح عليهما السلام ولو أسلم في دارنا وله أولاد صغار في دارهم لم يتبعوه الا اذا خرجوا الى دارنا قبل موت أبيهم اه ملخصا وسنذكر عنه أن تبعية الصغير تثبت وان كان ممن يعبر عن نفسه وذكر في موضع آخر أن المستأمن لو قتل مسلما ولو عمدا أو قطع الطريق أو تجسس أخبارنا فبعث بها اليهم أو زنى بمسلمة أو ذمية كرها أو سرق لا ينتقض عهده اه ملخصا وحاصله أن المستأمن في دارنا قبل أن يصير ذميا حكمه حكم الذمي الا في وجوب القصاص بقتله وعدم المؤاخذة بالعقوبات غير ما فيه حق العبد وفي أخذ العاشر منه العشر وقدمنا قبيل هذا الباب انه التزم أمر المسلمين فيما يستقبل القول وعلى هذا فلا يحل أخذ ماله بعقد فاسد بخلاف المسلم المستأمن في دار الحرب فان له أخذ مالهم برضاهم ولو بربا أو قمار لان مالهم مباح لنا الا أن الغدر حرام وما أخذ برضاهم ليس غدرا من المستأمن بخلاف المستأمن منهم في دارنا لان دارنا محل اجراء الاحكام الشرعية فلا يحل لمسلم في دارنا أن يعقد مع المستأمن الا ما يحل

من العقود مع المسلمين ولا يجوز ان يؤخذ منه شئ لا يلزمه شرعا وان جرت به العادة كالذي
يؤخذ من زوار بيت المقدس كما قدمناه في باب العاشر عن الخير الرملي وسيأتي تمامه في الجزية
وبما قررناه يظهر جواب ما كثر السؤال عنه في زماننا وهو انه جرت العادة ان التجار اذا استأجروا
مركبا من حربي يدفعون له أجرته ويدفعون أيضا مالا معلوما لرجل حربي مقيم في بلاده يسمى ذلك
المال سوكرة على أنه مهما هلك من المال الذي في المركب بحرق أو غرق أو نهب أو غيره فذلك
الرجل ضامن له بمقابلة ما يأخذه منهم وله وكيل عنه مستأمن في دارنا يقيم في بلاد السواحل الاسلامية
باذن السلطان يقبض من التجار مال السوكرة واذا هلك من مالهم في البحر شئ يؤدي ذلك المستأمن
للتجار بدله تماما والذي يظهر لي انه لا يحل للتاجر اخذ بدل الهالك من ماله لان هذا التزام
ما لا يلزم فان قلت ان المودع اذا أخذ اجرة على الوديعة يضمنها اذا هلكت قلت ليست مسألتنا من
هذا القبيل لان المال ليس في يد صاحب السوكرة بل في يد صاحب المركب وان كان صاحب السوكرة
هو صاحب المركب يكون اجيرا مشتركا قد اخذ اجرة على الحفظ على الحمل وكل من المودع والأجير
المشترك لا يضمن ما لا يمكن الاحتراز عنه كالموت والغرق ونحو ذلك فان قلت سيأتي قبيل باب
كفالة الرجلين قال لآخر اسلك هذا الطريق فانه آمن فسلك واخذ ماله لم يضمن ولو قال ان كان
مخوفا واخذ مالك فانا ضامن ضمن وعلله الشارح هناك بانه ضمن الغار صفة السلامة للمغرور
نصا اه أى بخلاف الاولى فانه لم ينص على الضمان بقوله فانا ضامن وفي جامع الفصولين الاصل
ان المغرور انما يرجع على الغار لو حصل الغرور في ضمن المعاوضة أو ضمن الغار صفة السلامة
للمغرور نصا كقول الطحان لرب البر اجعله في الدلو فجعله فيه فذهب من النقب الى الماء
وكان الطحان عالما به يضمن اذ غره في ضمن العقد وهو يقتضي السلامة اه قلت لا بد في مسألة
التغرير من ان يكون الغار عالما بالخطر كما يدل عليه مسألة الطحان المذكورة وان يكون المغرور
غير عالم اذ لا شك ان رب البر لو كان عالما بنقب الدلو يكون هو المضيع لماله باختياره ولفظ المغرور
ينبئ عن ذلك لغة لما في القاموس غره غرا وغرورا فهو مغرور وغرير خدعه واطمعه بالباطل
فاغتر هو اه ولا يخفى ان صاحب السوكرة لا يقصد تغرير التجار ولا يعلم بحصول الغرق

سه ۔ سوکرہ ۔ یہ لفظ معرب ہے لفظ SECURITE (سیکیورٹی) کا جس کا معنی امان واطمینان ہے، اسی
مناسبت سے عربی میں اس کا ترجمہ «عقد التامین» کیا گیا ہے ۔۔ ۱۲ محمد نظام الدین الرضوی

هل يكون أم لا؟ وأما الخطر من اللصوص والقطاع فهو معلوم له وللتجار لأنهم لا يعطون مال السوكرة
إلا عند شدة الخوف طمعا في أخذ بدل الهالك فلم تكن مسألتنا من هذا القبيل. نعم قد يكون
للتاجر شريك حربي في بلاد الحرب فيعقد شريكه هذا العقد مع صاحب السوكرة في بلادهم ويأخذ منه
بدل الهالك ويرسله إلى التاجر فالظاهر أن هذا يحل للتاجر أخذه لأن العقد الفاسد جرى بين حربيين
في بلاد الحرب وقد وصل إليه مالهم برضاهم فلا مانع من أخذه. وقد يكون التاجر في بلادهم فيعقد معهم
هناك ويقبض البدل في بلادنا أو بالعكس، ولا شك أنه في الأولى إن حصل بينهما خصام في بلادنا لا نقضي
للتاجر بالبدل وإن لم يحصل خصام ودفع له البدل وكيله المستأمن هنا يحل له أخذه لأن العقد
الذي صدر في بلادهم لا حكم له فيكون قد أخذ مال حربي برضاه، وأما في صورة العكس بأن كان العقد
في بلادنا والقبض في بلادهم فالظاهر أنه لا يحل أخذه ولو برضا الحربي لابتنائه على العقد الفاسد الصادر
في بلاد الإسلام فيعتبر حكمه. هذا ما ظهر لي في تحرير هذه المسألة فاغتنمه فإنك لا تجده في غير
هذا الكتاب. (رد المحتار ص ۲۷۳، ۲۷۴ ج ۳ باب المستأمن)

دینی اور سماجی
خدمات میں
پیش پیش

برکاتی
فاؤنڈیشن
اینڈ
برکاتی
پبلشرز

پہلی منزل
نیک محمد بلڈنگ
چھاگلا اسٹریٹ

مقالات
اور
فتاوے

حضرت مفتی قاضی عبدالرحیم صاحب
مرکزی دارالافتاء سوداگران بریلی شریف

بیمۂ زندگی و بیمۂ مال

۱ – وت وجوابات بعون الملک الوہاب۔ اعلیٰ حضرت مجدد اعظم فاضل بریلوی قدس سرہ نے ارشاد فرمایا ہے۔ یہ بالکل قمار ہے اور محض باطل کہ کسی عقد شرعی کے تحت میں داخل نہیں۔ ایسی جگہ عقود فاسدہ بغیر عذر کے جو اجازت دی گئی ہے وہ اس صورت سے مقید ہے کہ ہر طرح ہی اپنا نفع ہو اور ایسی کمپنیوں سے متوقع نہیں لہٰذا اجازت نہیں کما حققہ المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر ص ۳۳ جلد ششم فتاویٰ رضویہ شریف۔ لیکن دوسری جگہ یہ فرمایا ہے۔ جبکہ یہ بیمہ صرف گورنمنٹ کرتی ہے اور اس میں اپنے نقصان کی کوئی صورت نہیں تو جائز ہے کوئی حرج نہیں مگر شرط یہ ہے کہ اس کے سبب اس کے ذمہ کسی خلاف شرع احتیاط کی پابندی نہ عائد ہوتی ہو جیسے روزوں یا حج سے ممانعت۔ احکام شریعت حصہ دوم ص ۱۲۱۔ اور معلوم ہے کہ ایسی کوئی پابندی کمپنی عائد نہیں کرتی ہے لہٰذا جیون بیمہ کے لئے حکم جواز ہے۔ اور حضرت صدر الشریعہ فقیہ اعظم قدس سرہ فتاویٰ امجدیہ میں فرماتے ہیں: – اگر یہ کمپنیاں خالص کفار کی ہوں تو بیمہ کرانے میں کوئی حرج نہیں جبکہ مسلم کا نقصان نہ ہو اور اس کو بار قمار قرار دے کر حرام کہنا صحیح نہیں ہے جیسا کہ سوال ۲ کے جواب سے ظاہر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال ۲ کی تفصیل رسالہ بینک میں ملاحظہ ہو۔ – ہر دو فاضلین جلیلین قدس سرہما کے فتاویٰ سے میں متفق ہوں اور امام ابن الہمام وصاحب درمختار قدس سرہما العزیز کے کلمات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے اس مسئلہ مسئولہ میں میرا جواب یہی ہے کہ جیون بیمہ جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲ – ان عقود میں داخل نہیں نہ سود کی صورت ہے بلکہ لاٹری کی طرح بیمہ بھی ہے اور دونوں کے مقاصد ایک ہیں کہ لوگوں سے ایک خطیر رقم اکٹھا کر کے اپنے کاروبار کو فروغ دینا اور انعام وغیرہ کا مقصد اپنی کمپنی کی جانب لوگوں کو راغب کرنے کیلئے ہے چونکہ کمپنی کو اس سے فائدہ کثیر ہوتا ہے۔ اسی لئے انکم ٹیکس وغیرہ کی چھوٹ بھی دی جاتی ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳ – اگر جیون بیمہ کرا لینے سے ٹیکس وغیرہ کی چھوٹ ملتی ہے تو اس میں حرج نہیں ہے۔ جنرل انشورنس کی بعض صورتوں میں زیادہ نقصان نہیں ہوتا ہے اور بعض صورتیں بہت نقصان دہ ہیں۔ مثلاً آگ کے لئے بیمہ کرایا تو اس

اس کے لئے جو رقم بیمہ کمپنی لیتی ہے وہ واپس نہیں ہوتی ہے جب کہ سال بھر کے اندر آگ نہ لگے اور اگر آگ لگ بھی جائے تو معاوضہ کی رقم کا حصول ایک امر دشوار گزار ہے اور ضروری نہیں کہ سال کے اندر آگ لگ جائے تو یہ لازمی کی شکل ہے اور امام اہلسنت اعلیحضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کے ان کلمات پر نظر کی جائے کہ ہر طرح اپنا نفع ہو تو جنرل انشورنس کی اکثر صورتیں عدم جواز کی حد میں داخل ہیں کہ جنرل انشورنس میں جو رقم بیمہ کرانے کے لئے دی جاتی ہے وہ زیادہ ہوتی ہے اور اگر بالفرض معاوضہ مل جائے تو وہ نصف یا کچھ زیادہ ہوتا ہے اور اگر تمام مراحل سے گزر کر معاوضہ ملنے کی صورت ہو بھی جائے تو حصول رقم کے رشوت کی بھینٹ دینی پڑتی ہے۔ مزید برآں بعض لوگ جھوٹ اور مکر و فریب کر کے رقم حاصل کرنے کی سعی کرتے ہیں ایکسیڈنٹ وغیرہ کا فرضی کیس بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ شرعاً ناجائز و حرام ہے حربی سے بھی روا نہیں ہے غدر و بدعہدی جائز نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اعلیحضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے
مشائخ کرام کے حالات زندگی پر جامع تصنیف

اصح التواریخ و تاریخ خاندان برکات

مصنف
تاج العلماء اولاد رسول حضرت محمد میاں مارہروی رحمۃ اللہ علیہ

برکاتی پبلشرز
پہلی منزل، نیک محمد بلڈنگ چھاگلہ اسٹریٹ کھارادر کراچی ۔۔۔۔۔

حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب شرف قادری
جامعہ نظامیہ ۔ پاکستان

بیمہ کی شرعی حیثیت

۱… بیمہ کا معاہدہ بیع ہے مستامن جو رقم قسط وار ادا کرتا ہے وہ معاوضہ ہے اس تحفظ کا جو مؤمن کی جانب سے فراہم کیا جاتا ہے اور یہ تحفظ بیمہ کی رقم کی ادائیگی کی صورت میں ہوتا ہے مستامن بروقت صرف ایک قسط ادا کرتا ہے باقی اس کے ذمہ دین ہے اور بیمہ کی رقم مؤمن کے ذمہ دین ہے اس طرح یہ معاہدہ بیع الدین بالدین بنا پر مشتمل ہے۔

اس معاہدے میں کئی وجہ سے غرر پایا جاتا ہے۔

۱۔ بیمۂ زندگی کے علاوہ تمام اقسام بیمہ میں معاہدہ کے تحت بیمہ کی رقم موجود اور متعین نہیں ہوتی جب تک خطرہ واقع نہ ہو جائے اس کی تعیین نہیں ہوتی یہ غرر فی الوجود والتعیین ہے۔

۲۔ بیمۂ زندگی کے علاوہ باقی قسموں میں مدت بیمہ گزر جانے کے باوجود حادثہ پیش نہیں آتا تو بیمہ کی رقم سوخت ہو جاتی ہے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا یہ غرر فی الحصول ہوا۔

۳۔ زندگی کے بیمے کے علاوہ اقسام میں اگرچہ رقم کی زیادہ سے زیادہ مقدار معین کر دی جاتی ہے لیکن نقصان ہونے پر نقصان کے تناسب سے معین کی جاتی ہے یہ غرر فی المقدار ہے جب کہ بیمہ کی قسط فوری طور پر ادا کر دی جاتی ہے۔

۴۔ بیمہ کی تمام قسموں میں بیمہ کی قسط ادا کرنے کا وقت مقرر ہوتا ہے جب کہ بیمہ کی رقم ادا کرنے کا وقت متعین نہیں ہوتا، کیونکہ موت اور حادثے کا وقت متعین طور پر نہیں معلوم نہیں ہے یہ غرر فی الاجل ہے۔

پھر یہ عقد، قمار بھی ہے جیسے کہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے فتاوی رضویہ (جلد ہفتم ص ۱۱۳) میں فرمایا ہے۔

اس میں ربا کا پہلو بھی موجود ہے کیونکہ مستامن نے جتنی رقم جمع کردائی ہے اس پر بیمہ کمپنی کے قواعد کے مطابق معین نفع بھی دیا جاتا ہے۔

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز سے سوال کیا گیا کہ کیا ہندوستان کے اہل حرب سے ربا لینا جائز ہے؟ خواہ وہ ہنود ہوں یا نصاریٰ۔

اس کے جواب میں انھوں نے فرمایا:

۱۔ بحمدہٖ تعالیٰ ہندوستان دارالاسلام ہے۔

۲۔ ربا کے بارے میں حق یہ ہے کہ مطلقاً ناجائز ہے، کیونکہ نصوص تحریم مطلق ہیں۔

۳۔ باقی رہا دارالحرب میں زائد مال کا لینا وہ ربا ہے ہی نہیں، کیونکہ ربا مال معصوم میں ہوتا ہے اور دارالحرب والوں کا مال معصوم نہیں ہے

۴۔ یہ حکم ہر حربی غیر مستامن کو شامل ہے، اگرچہ وہ دارالاسلام میں ہو، کیونکہ دارومدار معصوم ہونے پر ہے اور عدم عصمت سب کو شامل ہے۔ ہم پر ان کے ساتھ صرف غدر (دھوکہ) ناجائز ہے اسکے بغیر ان کا مال جس عنوان سے بھی لے لیا جائے جائز ہے۔ کیونکہ یہ مال مباح لیا گیا ہے (شرط یہ ہے کہ نیت نہ ہو کہ میں سود لے رہا ہوں، ورنہ ناجائز ہوگا۔)

۵۔ اس کے باوجود بطور تنبیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص حربی غیر مستامن سے زائد مال اعلانیہ لے گا اگرچہ وہ صحیح نیت کے ساتھ لے گا، لیکن عوام اس پر ربا خوری کا الزام لگائیں گے، چونکہ تہمت کے مقامات سے بچنا چاہیئے اس لیے دینی حیثیت رکھنے والے حضرات کو اس سے بچنا چاہیے۔ (ترجمہ عربی عبارت ملخصاً)

(فتاویٰ رضویہ جلد ۷، ص ۱۱۵)

اس کے باوجود دوسری جگہ بیمہ سے متعلق سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

• یہ بالکل قمار ہے اور محض باطل کہ کسی عقد شرعی کے تحت داخل نہیں، ایسی جگہ عقود فاسدہ بغیر غدر کے جو اجازت دی گئی وہ اس صورت سے مقید ہے کہ ہر طرح اپنا ہی نفع ہو اور یہ ایسی کمپنیوں میں کسی طرح متوقع نہیں، لہٰذا اجازت نہیں، کما حقق المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر۔

(فتاویٰ رضویہ جلد ۷، ص ۱۱۳)

۳۔ عقد بیمہ کو ضمانِ خطر طریق یا ضمانِ درک پر قیاس کرنے کا سوال تو اس وقت ہوگا جب بیمہ میں غرر فاحش، قمار اور ربا وغیرہ مفاسد نہ پائے جائیں، ان کے ہوتے ہوئے قیاس اور الحاق کا کیا فائدہ ہوگا!۔ علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے سوکرہ کی جو صورت بیان کی ہے اس میں تو انھوں نے ہلاک ہونے والے

مال کا معاوضہ لینے کو ناجائز قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"والذی یظهر لی انه لا یحل للتاجر اخذ بدل الهالك من ماله لان هذا التزام ما لا یلزم"۔ (رد المحتار جلد ٣ ص ٢٧٣)

۴۔ ٹیکسوں سے بچنا ایسا امر نہیں ہے کہ انسان حالتِ اضطرار کو پہنچ جائے اور اس کے لئے ناجائز امور کا ارتکاب جائز ہو جائے۔

۵۔ قانونی اعتبار سے بیمہ کرانا لازمی ہو تو ضرر سے بچنے کے لئے بیمہ کرالیا جائے اور ساتھ ہی لکھ دیا جائے کہ میں یا میرا وارث اتنی ہی رقم لے گا جتنی کہ جمع کروائی ہو گی۔

۶۔ (الف) جب یہ عقد ناجائز ہے تو اضافی رقم لینے والا گنہگار ہوگا، اسے چاہئے کہ زائد رقم غرباء میں تقسیم کر دے۔

فسادات میں ناحق ضائع ہونے والے جان و مال کا معاوضہ قرار دے کر اضافی رقم کا وصول کرنا اور اپنے مصارف میں خرچ کرنا ایک ناجائز کام کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہے، نیز نقصان کسی کا ہو اور معاوضہ کوئی دوسرا وصول کرے یہ بھی خلافِ معقول ہے۔

(ب) اس سوال کا جواب سوال ٢ کے جواب میں آچکا ہے۔

جان و مال کا بیمہ اور ان کی شرعی حیثیت

از: مولانا مفتی نظام الدین صاحب رضوی ——— مرکز تحقیق شرعی، جامعہ اشرفیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیمہ داروں کے ذریعہ بیمہ کمپنی میں جو مال جمع ہوتا ہے وہ یا تو امانت ہے، یا قرض، یا مضاربت۔ امانت کا احتمال تو اس لئے ناقابل اعتنا ہے کہ اس میں صرف راس المال کی واپسی ہوتی ہے؛ اور مال ضائع یا ہلاک ہو جائے تو امین اس کا ذمہ دار نہیں ہوتا، لیکن بیمہ کمپنی اس کے برخلاف تاوان کی ذمہ دار ہوتی ہے اور اصل مال پر ایک طے شدہ در سے کچھ "اضافہ" بھی دیتی ہے۔

اور اسے "مضاربت" بھی نہیں قرار دیا جا سکتا کیونکہ مضاربت کی ایک لازمی شرط یہ ہے کہ تجارت میں خسارہ ہو تو اس کا تنہا ذمہ دار رب المال (سرمایہ دار) ہوتا ہے، مضارب (تاجر) کا اس سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ البتہ نفع میں دونوں کسی بھی طے شدہ فیصد یا حصہ شائع کے حساب سے باہم شریک ہوتے ہیں، علاوہ ازیں یہاں بھی راس المال مضارب کے پاس امانت ہوتا ہے جب کہ واقعہ یہ ہے کہ کمپنی کے ذریعہ سرمایہ کاری میں صاحب مال خسارہ کا قطعی ذمہ دار نہیں ہوتا، اور مال کے ضیاع کی صورت میں تاوان کا حقدار بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا کمپنی میں جمع شدہ مال کی شرعی حیثیت "قرض" کی ہے کہ اس میں مثل مال کی واپسی بہر حال لازمی ہوتی ہے اور اس پر کچھ اضافہ کا معاہدہ کمپنی کی دنیا میں رائج ہے۔

قرض لین دین کی شرط

اسلام کے نزدیک قرض ایک قسم کا احسان، یا تبرع وصلہ ہے اسلئے وہ اسے ہر قسم کے مادی منافع سے پاک و منزہ دیکھنا چاہتا ہے اور کسی معاہدہ کی رو سے منافع کے لین دین کو ربا و سود قرار دے کر ناجائز گردانتا ہے یعنی اسلام کے اصول کے مطابق قرض پر مشروط نفع کا لین دین سود ہے جو قطعی حرام و گناہ ہے۔ ہم آگے چل کر اس مسئلہ پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالیں گے، اس مقام پر صرف پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث نقل کرتے ہیں۔

ارشادِ نبوت ہے۔

كُلُّ قرضٍ جرّ منفعةً فهو ربا — قرض کی وجہ سے جو نفع حاصل کیا جائے وہ حرام ہے۔

(الدرایہ بحوالہ مسند حارث)

بیمہ دار کو راس المال پر تھوڑا یا زیادہ جو کچھ بھی اضافہ وصول ہوتا ہے وہ اپنی ظاہری شکل میں سود ہی معلوم ہوتا ہے اس وجہ سے علماء کا ایک مختصر طبقہ اسے ناجائز قرار دیتا ہے، اس طبقہ کے خیال میں یہ اضافی رقم مطلقاً سود ہے جو کسی طرح حلال نہیں۔ لیکن علماء کا ایک بڑا طبقہ اس میں کچھ توسع کا قائل ہے وہ اسے مطلقاً سود ماننے کے لئے آمادہ نہیں۔ اس کی وضاحت کے لئے پہلے تین ضروری مقدمات کو ذہن نشین کیجیے۔

پہلا مقدمہ

دنیا میں بسنے والے انسان اسلام کی نگاہ میں چار حصوں میں بٹے ہوئے ہیں۔

(۱) مسلم (۲) غیر مسلم ذمی (۳) غیر مسلم مستامن۔

(۴) وہ غیر مسلم جو نہ ذمی ہو، نہ مستامن۔

★ "مسلمان" تو وہ ہے جس نے مذہب اسلام کو قبول کیا، اس کے تمام اصول و فروع، عقائد عبادات و معاملات میں اس کی پابندی کا دل و زبان سے عہد و اعتراف کیا۔

★ "غیر مسلم ذمی" وہ شخص ہے جس نے اسلام کو تو قبول نہیں کیا لیکن سلطان اسلام سے اجازت حاصل کر کے دستوری معاہدہ کے ساتھ اسلامی حکومت میں اس نے مستقل سکونت اختیار کر لی۔ یعنی وہیں کا باشندہ ہو گیا۔

★ "غیر مسلم مستامن" یہ بھی ایک طرح کا ذمی ہی ہے۔ فرق یہ ہے کہ اس کو قیام اسلامی حکومت میں محض عارضی ہوتا ہے۔ جیسے آج کے زمانہ میں کسی بھی غیر ملک کا ویزا (VISA) لے کر جانے والے کا قیام عارضی ہوتا ہے۔

★ "وہ غیر مسلم جو نہ ذمی ہو نہ مستامن" اس کی تعریف اس کے نام سے ظاہر ہے۔ بلفظ دیگر یہ وہ شخص ہے جو سلطانِ اسلام سے کوئی دستوری معاہدہ کئے بغیر دار الاسلام میں عارضی، یا مستقل رہائش پذیر ہو، یا غیر دار الاسلام کا باشندہ ہو۔

ذمی اور مستامن چونکہ اپنی رضا و خوشی سے سلطانِ اسلام سے دستوری معاہدہ کر کے اس کی حکومت میں مستقل، یا عارضی رہائش اختیار کرتے ہیں اور اس معاہدے میں ان پر کوئی جبر و دباؤ نہیں ہوتا، اس لئے دیوانی کے معاملات اور تعزیرات میں ان کا حکم ٹھیک وہی ہے جو مسلمانوں کا ہے۔ لہٰذا جو معاملات مسلمانوں کے درمیان باہم حرام و گناہ ہوں گے وہ تمام تر معاملات مسلمان اور غیر مسلم ذمی و مستامن کے درمیان بھی حرام و گناہ قرار پائیں گے قانونِ اسلامی کی بڑی معتمد و مستند کتاب "الہدایہ" میں ان کے احکام ان الفاظ میں درج ہیں۔

وأهل الذمة في البياعات كالمسلمين لقوله عليه السلام في ذالك الحديث فأعلمهم أن لهم ما للمسلمين وعليهم ما على المسلمين - ولأنهم مكلفون محتاجون كالمسلمين - إلا في الخمر والخنزير خاصة ، فإن عقدهم على الخمر كعقد المسلمين على العصير ، وعقدهم على الخنزير كعقد المسلم على الشاة لأنها أموال في اعتقادهم ونحن أمرنا بأن نتركهم وما يعتقدون - (۱)

غیر مسلم ذمی (و مستامن) خرید و فروخت وغیرہ کے معاملات میں مسلمانوں کی طرح ہیں اسلئے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا انھیں بتادو کہ جو معاملات مسلمان کیلئے حلال ہیں وہ ان کیلئے بھی حلال ہیں ، اور جو معاملات مسلمانوں پر حرام ہیں وہ ان پر بھی حرام ہیں اور اسلئے بھی کہ وہ بھی مسلمانوں کی طرح سے مکلف ، وحاجتمند ہیں بجز خاص طور پر شراب و خنزیر کے سلسلے میں ان کا حکم مسلمانوں سے الگ تھلگ ہے کیونکہ ان کے نزدیک شراب کی خرید و فروخت مسلمانوں کے شیرۂ انگور کی خرید و فروخت کی طرح ہے ۔ اور ان کے یہاں خنزیر کی خرید و فروخت مسلمان کے بکری خریدنے بیچنے کی طرح ہے کیونکہ شراب و خنزیر ان کے مذہب و اعتقاد میں مال ہیں ، اور شریعت اسلامی نے ہمیں حکم دیا ہے کہ انھیں ان کے عقیدہ و مذہب پر آزاد چھوڑ دیں ۔

اور جس غیر مسلم نے سلطان اسلام سے کوئی دستوری معاہدہ نہیں کیا اس پر عبادات کی طرح سے دیوانی کے معاملات میں بھی اسلامی قانون کا اطلاق نہ ہوگا ، اور اسے اس بات کی مکمل آزادی حاصل ہوگی کہ اپنے تمام مال و اسباب میں اپنے مذہب کے مطابق جیسے چاہے تصرف کرے کیونکہ اس نے مذہب اسلام کو قبول نہیں کیا اور کاروبار میں بھی اس نے اسلامی دستور سے کوئی مصالحت نہیں کی تو اسلامی اصول کی پابندی اس کے ذمہ کیوں عائد ہوگی !

دوسرا مقدمہ قرآن و حدیث کے مطالعہ سے یہ امر واضح ہو کر سامنے آتا ہے کہ اسلامی اصولوں کے مطابق سود صرف مسلم اور ذمی و مستامن کے مال میں ہی متحقق ہوگا ۔

مسلم کے مال میں تو اس لئے سود متحقق ہوگا کہ وہ اسلام کا پیرو ہے ، اور اسلامی احکام کا مخاطب ہے بہذا اسلام کا قانون سود اس کے مال میں جاری ہوگا ۔

اور ذمی و مستامن کے مال میں اس لئے یہ قانون جاری ہوگا کہ انھوں نے اس باب میں خوش دلی سے اسلامی اصول

(۱) الہدایہ ص ۶۰ ، جلد ۳ ، مسائل منثورہ

کے ماننے کا عہد کیا ہے۔

لیکن جو غیر مسلم ذمی، یا مستامن نہیں وہ نہ تو اسلامی احکام کا مخاطب ہے اور نہ ہی اس سلسلے میں اس کا کوئی رضاکارانہ معاہدہ ہے، لہٰذا اس کے مال میں شرعی اصطلاح کا سود متحقق نہ ہوگا۔ تاکہ یہ نہ ہو کہ اسلام نے ان پر اپنے پرسنل لاء، کا کوئی حکم جاری کیا، یا ان کے فکر واعتقاد یا مذہبی آزادی میں کوئی رخنہ اندازی کی۔ اس کا بیان حدیث پاک میں بڑے نمایاں الفاظ میں موجود ہے۔ ارشاد نبوت ہے:

لا ربا بین اھل الحرب واھل الاسلام (۱) — غیر مسلم جو ذمی و مستامن نہ ہو، اور مسلم کے درمیان کوئی معاملہ سود نہیں۔

تیسرا مقدمہ

آج عام طور سے دنیا میں ایسے ہی غیر مسلم پائے جاتے ہیں جو ذمی نہیں اور بہت سے ممالک میں ان کی حکومت بھی ہے جیسے امریکہ، روس، برطانیہ، فرانس، چین، جاپان، نیپال، وغیرہ، ہندوستان کے غیر مسلم باشندے بھی ذمی یا مستامن نہیں، جیسا کہ ان کی تعریف سے عیاں ہے۔ آج سے تین سو سال پہلے ہندوستان کے ایک مایۂ ناز، جلیل القدر و معتمد عالم حضرت علامہ احمد جیون رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی نظریہ پیش کیا تھا۔ اور حقائق کا صحیح جائزہ لینے سے یہ حقیقت بھی ابھر کر سامنے آجاتی ہے کہ یہاں عملی طور پر حکومت بھی انہیں لوگوں کی ہے گو نام جو کچھ بھی ہو اور کم از کم آج کے حالات میں تو کسی کو بھی اس سے انکار نہیں ہونا چاہیے۔ ایسے غیر مسلم اور ان کی حکومتیں سیکولر (SECULAR) یا غیر اسلامی ہیں۔ انھیں اسلام کے قانون معاملات سے کوئی سروکار نہیں۔

ماضی قریب کے ایک عبقری فقیہ اور اسلامی قانون کے ماہر کامل امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اس سلسلے میں مختصر و مفصل بہت سے فتاوی ارقام فرمائے ہیں، دو فتووں کا اقتباس یہاں پیش کرتا ہوں:

آپ سے سوال ہوا کہ:

"گورنمنٹ جو قرضہ کا منافع دے رہی ہے اس کو لینا جائز ہے یا نہیں"

تو آپ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ:

؎ نور الانوار وغیرہ میں جو صراحت ہے کہ معاملات کے باب میں کفار بھی اسلامی احکام کے مخاطب ہیں تو یہاں کفار سے غیر مسلم ذمی مراد ہیں جیسا کہ ہدایہ کی اس عبارت سے عیاں ہے: واما باسلام الثانی فلیس بشرط لجریان الربا فیجری الربا بین اھل الذمۃ وبین المسلم والذمی لان حرمۃ الربا ثابتۃ فی حقھم لان الکفار مخاطبون بشرائع ھی حرمات وان لم یکونوا مخاطبین بشرائع ھی عبادات الخ (ہدایہ صفحہ ۱۹۲)

(۱) الدرایہ بحوالہ بیہقی۔

۔ سود کی نیت سے لینا جائز نہیں، اور اگر کسی گورنمنٹ پر اس کی رعیت خواہ اور شخص کا شرعاً کچھ آتا ہے اس میں وصول کرنا بلا شبہ روا، یوں ہی اگر بیت المال میں حقدار ہو تو اس میں لے سکتا ہے، اور اگر کچھ نہ ہو اور اسے سود نہ سمجھے بلکہ یہ تصور کرے کہ ایک جائز مال برضائے مالک بلا غدر و بد عہدی ملتا ہے تو وہ بھی روا ہے۔

اصل حکم یہ ہے۔ مگر اہل تقویٰ خصوصاً مقتدا اگر ان دو صورتوں، خصوصاً اخیرہ سے احتراز چاہیے کہ نا واقف اسے متہم نہ کریں، حدیث میں ہے تہمت کی جگہوں سے بچو۔

ایک دوسرے مقام پر رقمطراز ہیں:

۔ یہاں کے ہندو وغیرہ جتنے غیر مسلم ہیں ان میں نہ کوئی ذمی ہے، نہ مستامن اور جو غیر مسلم نہ ذمی ہو نہ مستامن سوا غدر و بد عہدی کے مطلقاً ہر کافر سے بھی حرام ہے۔ اس کی رضا سے اس کا مال جس طرح ملے، جس عقد کے نام سے ہو مسلمان کیلئے حلال ہے۔(۱)

سود: سمجھنے کی قید اس لئے ہے کہ جائز کام بھی ناجائز سمجھ کر کرنا گناہ ہے جیسے دور سے ایک خاص طریقے اور ڈھنگ پر رکھے ہوئے کپڑے کو اجنبی عورت سمجھ کر بری نگاہ سے دیکھنا گناہ ہے کہ اپنے طور پر نافرمانی خدا پر اقدام ہے۔

واضح رہے کہ یہاں کے غیر مسلموں اور یہاں کی حکومت سے مسلمان کا کوئی معاملہ جیسے سود نہیں ہوتا، ویسے ہی ان کے درمیان کوئی معاملہ اپنی شرعی حقیقت کے لحاظ سے قمار بھی نہیں ہوتا۔ البتہ سود و قمار کی شکل پر یہاں کے غیر مسلموں یا یہاں کی حکومت سے مسلمان کا جو بھی معاملہ ہو اس کے جواز کے لئے یہ شرط ہے کہ نفع مسلمان کو ملے اور قمار کی شکل میں غلبہ مسلمان کو حاصل ہو۔ یعنی اگر مسلمان کو اپنے غلبہ و کامیابی کا یقین یا گمان غالب ہو تو ان سے قمار کی شکل کا معاملہ کر سکتا ہے ایسا ہی ردالمحتار میں فتح القدیر کے حوالے سے ہے۔

زندگی بیمہ کا حکم

زندگی بیمہ بینکوں کے متواتر جمع کھاتہ (کیومولیٹو ڈپوزٹ اکاونٹ۔ C.D.A) کے مشابہ ہے۔ یہاں سود کے بجائے بونس (BONES) کے نام پر نفع ملتا ہے لیکن شرعی نقطۂ نظر سے حقیقت دونوں کی ایک ہے کہ دونوں قرض کا نفع ہیں لہٰذا تفصیل بالا کے مطابق یہاں بھی اضافی رقم مباح اور اسے لینا جائز ہونا چاہئے۔

البتہ قرض کا یہ معاملہ متواتر جمع کھاتہ سے مشابہت کے ساتھ ساتھ قمار وغیرہ پر بھی مشتمل ہے جو زندگی بیمہ

---

(۱) فتاویٰ رضویہ جلد ۷ ص ۱۲۳ — (۲) فتاویٰ رضویہ جلد ۷ ص ۱۰۵

کی پوری مدت کو حاوی ہوتا ہے مگر یہ تمام اپنے نافع و مضر ہونے کے لحاظ سے مدت بیمہ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔

ایک : ابتدائی تین سال کی مدت۔

دوسرے : اس کے بعد کی مدت۔

بیمہ کے ابتدائی تین سال کا زمانہ بڑی ہی امید و بیم کی کشمکش کا زمانہ ہوتا ہے اگر کسی وجہ سے تین سال سے پہلے ہی قسطوں کی ادائیگی موقوف ہو گئی اور آئندہ پانچ سال کی مدت کے اندر باقی ماندہ رقم یکمشت مع اضافہ جمع نہ ہو سکی تو تمام جمع شدہ رقم سوخت ہو جائے گی اور بیمہ دار (پالیسی ہولڈر) (POLICY-HOLDER) خوف و بیم کی مہیب تاریکی سے نکلنے کے بجائے یقینی محرومی کے ایسے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں پھنس کر رہ جائے گا جہاں سے کبھی امید کی کرن نمودار نہ ہوگی۔ ہاں اگر یہ زمانہ خیر و خوبی کے ساتھ گزر گیا اور تین سال کی تمام قسطیں ادا ہو گئیں تو اب محرومی کے اندیشے و خطرے کا بادل چھٹ گیا اور مستقبل کچھ یوں تابناک ہو گیا کہ راس المال مع اضافہ (بونس BONES) بہرحال ملے گا، بس یہاں تک صرف نفع یا اضافہ کی کمی بیشی تک محدود ہے کہ بیمہ دار اگر خوش قسمتی سے بیمہ کی میعاد سے پہلے ہی جاں بحق ہو گیا تو نفع زیادہ ملے گا، ورنہ کم، لیکن نفع بہرحال ملے گا۔ مسلئے زندگی بیمہ کا جواز اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ بیمہ کرانے والے کو اپنی آمدنی، نیز موجودہ مال و متاع کے پیش نظر ظن غالب ہو کہ وہ ابتدائی تین سال کی قسطیں ادا کرلے گا۔ فقیہ الامت صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کے ایک مختصر فتوے میں بھی اس شرط کی جھلک ملتی ہے۔

آپ سے سوال ہوا :

"زندگی بیمہ کرانا جائز ہے یا نہیں ؟"

تو آپ نے اس کا جواب یہ دیا :

"اگر کمپنیاں خاص کفار کی ہوں تو بیمہ کرانے میں کوئی حرج نہیں جب کہ مسلم کا نقصان نہ ہو اور اس کو ربا و قمار قرار دے کر حرام کہنا صحیح نہیں جیسا کہ سوال نمبر ۱ کے جواب سے ظاہر ہے۔" (۱)

ازالۂ شبہات

ممکن ہے کسی کے دل میں یہ شبہہ پیدا ہو کہ مال کے آتے جاتے یا آدمی کے بنتے بگڑتے دیر نہیں لگتی، ہو سکتا ہے کہ ایک آدمی ارب پتی ہو اور چند گھنٹوں میں بھکاری ہو جائے (زوالُ عادۃ ورادشع)۔ اس لئے مالیات کے باب میں ظن غالب کا اعتبار ریت کا محل تعمیر کرنے کے مرادف ہے۔ لیکن کتب فقہ کے مطالعہ سے عیاں ہوتا ہے کہ مالیات کے سلسلے میں بھی ظن غالب کا اعتبار ہوگا۔ اور ارب پتی کا چند گھنٹوں میں بھکاری ہو جانا نوادرات سے ہے۔ جو اصل حکم پر اثر انداز نہیں ہوتے۔

(۱) بینک کے منافع کا شرعی حکم۔

عام کتب فقہ میں بیع سَلَم کے باب میں صحتِ سَلَم کی ایک بنیادی شرط یہ بیان کی گئی ہے کہ وقت عقد سے وقت ادا تک مُسْلَم فیہ یعنی مبیع کا برابر دستیاب رہنا ضروری ہے اگر اس مدت میں کبھی بھی وہ نایاب ہوئی تو سلم فاسد ہوجائے گا۔ پھر اس شرط پر یہ تفریع کی گئی ہے کہ اگر کسی خاص آبادی یا معین باغ کے گیہوں، اناج یا پھل کی بیع سلم ہوئی تو بیع ناجائز ہوگی کیونکہ ہوسکتا ہے کہ معین باغ یا آبادی کے پھل یا اناج آفت سماویہ وغیرہ سے تباہ و نایاب ہو جائیں اور یہ احتمال یہاں زیادہ ہے لیکن اگر کسی صوبہ یا ضلع کے اناج و پھل کی بیع ہو، یا مخصوص باغ و آبادی کا ذکر بیانِ صفت کے لئے ہو تو بیع جائز ہوگی کیونکہ یہاں یہ گمان غالب ہے کہ بڑے شہر یا صوبہ، یا خاص صفت کے تمام پھل و اناج ناپید، یا تباہ نہ ہوں گے بلکہ دستیاب رہیں گے۔ ملک العلماء امام علاء الدین ابوبکر بن مسعود کاشانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مسئلہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ رقمطراز ہیں:

وعلى هذا يخرج ما إذا أسلم في حنطة موضع أنه إن كان مما لا يتوهم انقطاع طعامه جاز السلم فيه، كما إذا أسلم في حنطة خراسان، أو العراق، أو فرغانة لأن كل واحد منها اسم لولاية۔ فلا يتوهم انقطاع طعامها۔ وكذا إذا أسلم في طعام بلدة كبيرة كسمرقند، وبخارى أو كاشان جاز۔ لأنه لا ينقطع طعام هذه البلاد إلا على سبيل الندرة والنادر ملحق بالعدم۔[۱]

اسی ضابطہ پر یہ تفریع کی جاتی ہے کہ کسی خاص جگہ کے گیہوں کی بیع سلم ہوئی تو اگر وہاں کے غلے کا ختم یا نایاب ہو جانا موہوم نہ ہو تو وہاں سلم صحیح ہوگا جیسے خراسان، عراق، یا فرغانہ کے غلے پر سلم ہوا تو یہ صحیح ہوگا کیونکہ ان میں سے ہر ایک سلطنت کے نام ہیں تو ایک سلطنت کے غلے کا ختم ہو جانا محتمل نہیں ہے۔ یونہی جب کسی بڑے شہر جیسے سمرقند، بخارا، یا کاشان کے غلے میں سلم ہوا تو یہ بھی درست ہے کیونکہ ان بلاد کے تمام غلے کا ختم ہو جانا بھی محض ایک نادر امر ہے اور نادر امر معدوم کے درجہ میں ہوتا ہے۔

پھر دو سطر بعد اس مسئلے کی وضاحت یوں فرماتے ہیں:

ے بیع سلم وہ بیع ہے جس میں دام نقد اور سامان ادھار ہوتا ہے۔ اس بیع میں بائع کو مُسْلَم الیہ، اور مبیع کو مُسْلَم فیہ کہتے ہیں اور مبیع کی ادائیگی کیلئے کم از کم ایک ماہ یا اس سے زیادہ کی مدت مقرر ہوتی ہے۔ یہ مدت دو تین سال بھی ہوسکتی ہے۔ ۱۲ ن

[۱] بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ص ۲۱۱ جلد ۵۔ کتاب البیوع۔

والصحيح أن الموضع المضاف إليه الطعام إن كان مما لا ينقطع طعامه غالباً يجوز السلم فيه سواء كان ولاية، أو بلدة كبيرة لأن الغالب في أحكام الشرع ملحق بالمتيقن وإن كان مما يحتمل أن ينقطع طعامه فلا يجوز فيه السلم كأرض بعينها، أو قرية بعينها، لأنه إذا احتمل الانقطاع لا على سبيل الندرة لا تثبت القدرة على التسليم لما ذكرنا أنه لا قدرة له للحال، لأنه بيع المفاليس وفي ثبوت القدرة عند محل الأجل شك لاحتمال الانقطاع فلا تثبت القدرة مع الشك وقد روي أن زيد بن شعبة لما أراد أن يسلم إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أسلم إليك في تمر نخلة بعينها؟ فقال عليه الصلاة والسلام: أما في تمر نخلة بعينها فلا۔[1]

صحیح یہ ہے کہ جس جگہ کے غلے میں سلم ہوا ہے اگر وہاں کا غلہ عام طور سے ختم نہیں ہوتا تو وہاں سلم صحیح ہے خواہ وہ جگہ کوئی سلطنت ہو یا بڑا شہر۔ کیونکہ احکامِ شرع میں غالب الوقوع متیقن کے درجہ میں ہوتا ہے۔ اور اگر یہ احتمال ہو کہ وہاں کا غلہ ختم ہو جائے گا مثلاً کسی معین زمین یا آبادی کے غلے میں سلم ہوا ہو تو وہاں سلم صحیح نہیں کیونکہ جب وہاں غلے کے ختم ہو جانے کا احتمال زیادہ ہے، نادر نہیں ہے تو تسلیم مبیع پر قدرت ثابت نہیں ہوتی یہ اس لئے کہ جیسا کہ ہم بیان کر آئے، یہ مفلسوں کی بیع ہے اور انہیں فی الحال تسلیم مبیع پر قدرت نہیں اور غلہ کے ختم ہو جانے کے احتمال کی وجہ سے ادائیگی کے وقت بھی تسلیم مبیع پر قدرت مشکوک ہے لہٰذا شک کے ساتھ قدرت کا ثبوت نہ ہوگا۔

حدیث پاک میں وارد ہے کہ جب حضرت زید بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سلم کرنا چاہا تو دریافت کیا کہ ایک معین باغ کے کھجور میں سلم کروں؟

تو سرکار نے فرمایا۔ نہیں

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

ولو كانت النسبة إلى قرية لبيان الصفة لا بأس به على ما قالوا كالخشمراني ببخارا والبساخي بفرغانة[2]

کسی خاص آبادی کی طرف اناج کی نسبت اگر بیانِ صفت کیلئے ہو تو جیسا کہ مشائخ نے فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں جیسے بخارا کا خشمرانی اور فرغانہ کا بساخی گیہوں۔

---

[1] بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ص ۲۱۱، ۲۱۲ جلد ۵ کتاب البیوع۔

[2] ہدایہ ص ۹۰ جلد ۳ کتاب السلم۔

ان عبارات سے یہ امر واضح ہو کر سامنے آتا ہے کہ مالیات کے باب میں بھی ظن غالب کا اعتبار ہوگا، لہٰذا اگر کسی نے تین سال کیلئے گیہوں کی بیع سلم کی اور علاقہ ایسا ہو کہ وہاں تین سال تک برابر گیہوں کے حصول کا ظن غالب ہو تو بیع صحیح ہوگی۔

یونہی بیمۂ زندگی میں بھی تین سال کی قسطوں کی ادائیگی مظنون بظن غالب ہو تو بیمہ کے جواز کا حکم ہوگا۔

یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ بیع سلم میں ظن غالب کا اعتبار اسلئے ہے کہ خدانخواستہ اگر کبھی مُسلَم فیہ کے نایاب، یا تباہ ہوجانے کی صورت میں بیع فاسد ہوگئی تو مشتری کو اس کا پورا دام واپس ملے گا، ایسا نہیں ہے کہ اس کا ادا کردہ دام سوخت ہوجائے، لیکن بیمۂ زندگی میں اقساط کی عدم ادائیگی، گو نادر ہی سہی حرمان کامل کا پیغام لاتی ہے اور بیمہ دار کو جمع شدہ رقم سے ایک پیسہ بھی واپس نہیں ملتا۔

یہ شبہ اس لئے نہ کیا جائے کہ باب سلم میں بھی حرمان کامل کا احتمال پایا جاتا ہے کہ مُسلَم الیہ یعنی بائع حالتِ افلاس میں فوت ہوجائے تو مشتری کو کچھ نہیں ملے گا، اور اگر حالتِ افلاس میں وفات نادر ہے تو حصولِ مال کا ظن غالب ہونے کی صورت میں اقساط کی عدم ادائیگی بھی نادر ہے، شاید و باید کبھی ایسا ہوتا ہو کہ بیمہ دار کے دیوالیہ ہوجانے کی وجہ سے اس کی قسطوں کی ادائیگی موقوف ہوتی ہو۔

یہاں یہ شبہ بھی وارد نہ ہوگا کہ بیع سلم خلاف قیاس مشروع ہے اس لئے بیمہ کے جواز کے لئے اسکا سہارا نہیں لیا جاسکتا۔ کیونکہ سلم قیاسی ہو، یا غیر قیاسی یا اس پر مسئلہ بیمہ کا مدار نہیں، مدار تو صرف اس بات پر ہے کہ فقہیات میں ظن غالب اور اکثر الوقوع کا اعتبار ہے اور درج بالا مسئلہ سے یہ ثبوت بخوبی فراہم ہوجاتا ہے کہ یہ قاعدہ مالیات کے باب میں بھی جاری ہوگا۔ تو یہاں سلم پر قیاس۔ در کنار۔ سرے سے قیاس نہیں بلکہ ایک قاعدہ کلیہ پر مسئلہ مبحوثہ کا انطباق ہے۔

حاصل کلام یہ کہ تین سال کی قسطوں کی ادائیگی کا ظن غالب ہو تو بیمہ زندگی کی اجازت ہے۔ اور جو شخص صاحب حیثیت ہو اسے یہ چاہیے کہ کارپوریشن میں درخواست دے کہ تین سال کی قسطیں یک مشت جمع کرلے تاکہ اس کے لئے محرومی کا کچھ بھی احتمال نہ رہے۔

مصالح

زندگی بیمہ کی اجازت دینے میں یہ مصالح بھی پیش نظر ہیں کہ بیمۂ زندگی کے ذریعہ مختلف قسم کے ٹیکسوں مثلاً انکم ٹیکس، دولت ٹیکس، ہبہ ٹیکس، جائداد ٹیکس میں خاصی مراعات ہوگی۔ جیساکہ ایجینٹ سے ٹوڈل بھارتیہ جیون بیمہ نگم، میں اس کی صراحت ہے۔

نیز ہو ایک مدت تک مسلم کش فرقہ وارانہ فسادات میں مالی تحفظ یا ترکہ میں اضافہ کا ذریعہ ہوگا، اور ممکن ہے اس کے ذریعہ فسادات میں بھی کچھ کمی آئے۔ تو جلب مصالح و دفع مفاسد کے لئے نفع کے ظن غالب کی صورت

میں زندگی بیمہ جائز ہے۔

بیمۂ اموال کا حکم

بیمۂ اموال میں دُکانات اور ذرائع نقل و حمل مثلاً ٹرک، بس، ٹریکٹر، موٹر سائیکل، کار، ٹیکسی وغیرہ شامل ہیں، اس بیمہ کی صورت ایسے قمار کی ہے جس میں محرومی کا گمان غالب ہے، اور یہ نادر نہیں بلکہ کثیر الوقوع ہے کیونکہ یہ بیمہ سال بھر کے لئے ایک متعینہ رقم کی ادائیگی پر ہوتا ہے اور معاہدہ یہ ہوتا ہے کہ سال بھر کی مدت میں بیمہ شدہ چیز کو کوئی حادثہ پیش آیا تو کمپنی نقصانات کی تلافی کرے گی اور اگر کوئی حادثہ پیش نہ آیا تو کمپنی اپنی ضمانت یا ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائے گی اور جمع شدہ تمام رقم اسی کی ملک ہوگی۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ اس مدت میں کوئی ایسا حادثہ پیش آنا کثیر الوقوع نہیں بلکہ نادر ہے اسلئے یہاں بیمہ سے نفع یاب ہونے کا ظن غالب نہیں ہو سکتا۔

اسے باہمی تعاون و امداد کا معاملہ بھی نہیں قرار دیا جا سکتا کیونکہ یہ معاملہ مدت کی قید و بند سے آزاد ہوتا ہے اور جو شخص بھی، اَلْجَمْعِیَّۃُ اِمْدَادٌ بَاہِمِیٌّ، کا رکن ہوتا ہے اسے جب بھی کوئی مشکل درپیش ہوتی ہے تو انجمن اس کا تعاون کرتی ہے لہٰذا بیمۂ اموال کی اجازت نہیں دی جا سکتی، البتہ اس کے لئے قانونی مجبوری کی صورتیں بہرحال مستثنیٰ رہیں گی۔ لَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا۔

استبداد

فرقہ وارانہ فسادات پر قابو پانے اور جان و مال کے تحفظ کی ضرورت کی بنیاد پر بیمۂ جان و مال کو جائز و مباح قرار دینا درست نہیں کیونکہ ضرورتِ شرعیہ کے تحقق کے لئے دو بنیادی ارکان کا وجود لازمی ہے۔

(۱) محظورِ شرعی کا ارتکاب کئے بغیر کام نہ چل سکے، بلفظِ دیگر اس کے سوا کوئی اور چارۂ کار نہ ہو۔

(۲) محظور کے ارتکاب کی صورت میں مقصودِ شرعی کے حصول کا یقین، یا کم از کم ظن غالب ملحق بیقین ہو۔ اور اگر مقصود کا حصول محض متوقع یا مشکوک ہو، یا محظورِ شرعی کے ارتکاب کے سوا کچھ اور بھی چارۂ کار ہو تو شرعی نقطۂ نگاہ سے "ضرورت" کا تحقق نہ ہوگا۔

اس تشریح کو سامنے رکھ کر جب ہم بیموں کی قوت دافعہ کا جائزہ لیتے ہیں تو وہ ہمیں بالکل کھوکھلے اور بے وقعت نظر آتے ہیں کیونکہ ان کی حقیقت، ضرورت کے دونوں بنیادی ارکان سے خالی ہے۔ آپ خود غور فرمائیں کہ فسادات پر کنٹرول اور جان و مال کے تحفظ کے لئے کیا بیموں کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں، کیا حفاظت کے دوسرے تمام ذرائع منقطع ہو چکے ہیں کہ حکم دے دیا جائے کہ اب بیمہ کرا کے جان و مال بچاؤ ورنہ اپنے آپ کو ہلاکت کے بھنور میں ڈال دو، میں سمجھتا ہوں کہ شاید کوئی بھی عاقل اس سے اتفاق رائے نہ کرے گا۔

پھر بیموں کی وجہ سے حفاظتِ جان ومال اور فسادات پر قابو پانے کا مسئلہ میرے نزدیک مزید مشکوک ہے۔ ہو سکتا ہے اس کی وجہ سے فسادات کچھ کم ہو جائیں، لیکن ساتھ ہی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی وجہ سے فسادات اور بھیانک شکل اختیار کر لیں کہ جس گھر پر حملہ ہو اس کا پورا کنبہ ہی صاف کر دیا جائے تاکہ کوئی وارث باقی نہ رہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ باقی ماندہ افراد بیمہ کی رقم حاصل کر لیں، پھر دوبارہ، سہ بارہ فسادات برپا کر کے وہ رقم لوٹ لی جائے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کرفیو کے زمانے میں لاشوں کو ہی غائب کر دیا جائے اور پھر بیمہ دار کی گمشدگی کی صورت میں مال کے حصول کو مختلف پیچیدگیوں کے ذریعہ دشوار تر کر دیا جائے جس کی وجہ سے بہت سے لوگ رقم حاصل ہی نہ کر سکیں، یا پھر اس میں متعلقہ عملہ کی لوٹ کھسوٹ سے وہ رقم بہت کم ہو جائے تو حکومت کو مجموعی حیثیت سے بیمہ داروں کو کچھ کم وبیش اتنی ہی رقم ادا کرنی پڑے جتنی رقم اسے عام حالات میں ادا کرنی پڑتی ہے یعنی حکومت پر کوئی ناقابل تلافی مالی دباؤ اس کی وجہ سے نہ پڑے، علاوہ ازیں فرض کیجئے کہ ہلاکتِ جان ومال کے لحاظ سے جو کچھ مال ملنا چاہیئے تھا وہ سب کچھ مل گیا، بیمہ داروں یا ان کے ورثہ کی اشک شوئی بھی ہو گئی تو اس کی وجہ سے حکومت کے کاندھوں پر کیا بار پڑا یا وزراء کے اوپر مالی یا نفسیاتی دباؤ کیا پڑا، کیا وزراء کو اپنے پاس سے یا بلفظ دیگر جیب خاص سے دینا پڑتا ہے، خزانۂ حکومت تو ساری رعایا کا مشترکہ سرمایہ ہے اس سرمایہ سے خرچ کرنے میں وزراء کو کیا دریغ لاحق ہو سکتا ہے، وہ تو بے دریغ خرچ ہوتا ہی رہتا ہے حتی کہ اسی کے ذریعہ بوفورس کا سودا ہوتا ہے، پھر یہ رعایت جاری بھی رکھی جاتی ہے جیسا کہ سب کو معلوم ہے۔ ہاں اس کا اثر خزانۂ حکومت پر پڑ سکتا ہے لیکن اس کا تدارک بایں طور ممکن ہے کہ کرنسی کا ڈیویلیوایشن۔

گھٹا دیا جائے اگر ایک دفعہ میں کام نہ چلے تو کچھ پابندی کے ساتھ لگا تار یہ عمل کیا جائے نیز باہر سے قرض کی آسائشیں حاصل کی جائیں اور اندرون ملک اتنی مہنگائی بڑھا دی جائے کہ خود رعایا کے ہوش ٹھکانے لگ جائیں اور اگر مزید حاجت ہو تو آئین میں تھوڑی سی یہ ترمیم کر دی جائے کہ فسادات کی تباہ کاریاں بیمہ کے دستِ شفقت سے مستثنیٰ رہیں گی۔ ایسے حالات اور طرح طرح کے قوی احتمالات کے ہوتے ہوئے یہ انداز فکر ہرگز صحیح نہیں کہ حکومت پر اس کا مالی دباؤ پڑے گا لہٰذا اس کی وجہ سے فسادات پر کنٹرول ہو گا اور ہمیں ایک حد تک تحفظ کی راحت مل جائے گی۔ سچ یہ ہے کہ یہ انداز فکر ٹھیک اس شعر کے جوڑ گانٹھ کی طرح ہے ؎

گلُس کو باغ میں جانے نہ دینا ؛ کہ ناحق خون پروانوں کا ہوگا۔

ہمارے اس تبصرے سے عیاں ہو گیا کہ بیمۂ جان ومال کی موجودہ حالات میں کوئی حاجت یا ضرورت نہیں ہے اسلئے حاجت وضرورت کا سہارا لے کر بیمے کی اجازت نہیں دی جا سکتی، ہاں بیمۂ زندگی ایک ضروری

وکیل کے پیش نظر مشروط طور پر جائز ہے۔

اب ترتیب وار ہر سوال کا جواب ملاحظہ کیجئے۔

(۱) بیمہ جان ومال بظاہر امانت، کفالت، مضاربت و قرض سب کے مشابہ معلوم ہوتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کی شرعی حیثیت "قرض مع قمار" کی ہے۔ قرض یہ ہے کہ اپنے مال کا مخصوص حصہ دوسرے کو دیکر اسی کا مثل اس سے واپس لیا جائے اور اس کا حکم یہ ہے کہ مال قرض اگر مقروض کے پاس سے ہلاک ہوجائے تو وہ اسی کا مال ہلاک ہوگا اور اس پر مثل قرض کی واپسی بہرحال لازم ہوگی لیکن یہاں مثل قرض کی واپسی ایک ناجائز شرط کے ساتھ مشروط ہے جس کا وجود مشکوک وموہوم ہے اس لئے بیمہ کے معاملات قرض مع قمار ہیں۔

یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ قرض کی واپسی چونکہ شرط فاسد سے مشروط ہے اس لئے یہ عقد قرض فاسد ہوگا لہٰذا معاملہ بیمہ کی حیثیت قرض کی بھی نہ ہوگی ــــــــــــ کیونکہ قرض اس طرح کی شروط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا چنانچہ فتح القدیر میں ہے وفی الخلاصة: ومالا یبطل بالشروط الفاسدة فستة وعشرون الطلاق والخلع ولو بغیر مال. والرهن. والقرض. والهبة. والصدقة، والوصایة الخ۔

(فتح القدیر ۱۰/۶ مکتبہ رشیدیہ پاکستان)

بیمہ زندگی میں قرض پر مشروط نفع سود نہیں ہے اور واپسی قرض کی شرط موہوم کے غلبۂ تحقق کی صورت میں بیمہ قمار بھی نہیں ہے اور علت وہی ہے جو اوپر گزری کہ یہاں مالک کا مال مباح اسکی رضا سے مل رہا ہے۔

(۲) جائز ہے کما مرّ۔

(۳) عقود بیمہ کو ضمان قطع طریق وضمان درک سے ملحق نہیں کیا جاسکتا۔

(۴) صورت مستفسرہ میں انکم ٹیکس اور دوسرے ٹیکسوں سے بچنے کے لئے بیمہ زندگی کی اجازت بقدر ضرورت ہوگی۔

(۵) جن صورتوں میں بیمہ کرانا قانوناً لازم ہے وہ صورتیں اکراہ کے حکم میں ہیں لہٰذا ان صورتوں میں اباحت کا حکم مطلقاً ہوگا۔

(۶) الف، ب: یہ سب کچھ جائز ہے۔

ھذا ما عندی والعلم بالحق عند ربی وھو تعالیٰ اعلم

مولانا عزیز الحسن صاحب
جامعہ رضویہ منظر العلوم مسرت آباد

زندگی بیمہ

کفالت وضمانت ودیعت وامانت، قرض وربا، قمار، ضمان الدرک سوکرہ کی بقدر ضرورت تفصیل کی جارہی ہے تاکہ بآسانی زندگی بیمہ کی شرعی حیثیت متعین ہوسکے۔

کفالت کی تعریف شرعی

ایک شخص اپنے ذمہ کو دوسرے کے ذمہ کے ساتھ مطالبہ میں ضم کردے یعنی مطالبہ ایک کے ذمہ تھا دوسرے نے بھی مطالبہ اپنے ذمہ لے لیا۔ وہ مطالبہ نفس کا ہو یا دین یا عین کا۔

درمختار علی هامش رد المحتار جلد رابع ص۲۵۰ میں ہے ضم ذمة (الكفيل) الى ذمة (الاصيل) فی المطالبة مطلقا بنفس او بدین او عین

جس کا مطالبہ ہے اسے مکفول لہ کہا جاتا ہے اور جس پر مطالبہ ہے وہ مکفول عنہ ہے اور جس چیز کی کفالت کی وہ مکفول بہ ہے اور جس نے ذمہ داری لی وہ کفیل۔ اسی کے صفحہ۲۵۲ پر ہے والمدعی وهو الدائن مکفول له والمدعی علیه وهو المدیون مکفول عنه ويسمى الاصيل ايضا۔ و النفس او المال المکفول مکفول به ومن لزمته المطالبة كفيل۔

اس کی مشروعیت قرآن وحدیث سے ثابت قد استدل فی الفتح لشرعیتها بالکتاب والسنة

شرائط

کفیل کا عاقل ہونا، بالغ ہونا، آزاد ہونا، مریض نہ ہونا، مکفول بہ مقدور التسلیم ہونا، دین صحیح ہونا، دین قائم ہونا۔ اب یہ ثابت کرنا ہے کہ زندگی بیمہ میں مکفول لہ کون مکفول عنہ کسے جائے اور کفیل کس کو قرار دیا جائے مکفول بہ کیا چیز ہے سوال نامے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مکفول لہ وہ فرد ہوگا جو زندگی بیمہ کرائے اور مکفول عنہ کمپنی ہوگی اور مکفول بہ جس چیز کا بیمہ کرایا جائے اب رہی بات کفیل کی کہ کسے ٹھہرایا جائے تو سوال نامے کے ص۲ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کفیل حکومت ہند ہے۔ لکھا ہے

بیمہ داروں کے ذریعہ پالیسی کی مد میں کمپنی کو دیا گیا روپیہ بونس کے ساتھ مکمل محفوظ رہتا ہے کیوں کہ اس کی

حفاظت کی گارنٹی حکومت ہند دیتی ہے۔

جب مکفول (مکفول عنہ کفیل) متعین ہو چکے اب دیکھنا کہ کفالت کس کی ہو رہی ہے۔ سوال نامہ میں ہے کہ بیمہ کی کئی قسمیں ہیں ان میں سے زندگی بیمہ ہے، زندگی بیمہ کا تعارف سوال نامہ میں یوں کرایا ہے کہ ایک ایسا معاہدہ ہے جس کے تحت کمپنی بیمہ کرنے والے کی موت پر یا ایک مقررہ مدت گذر جانے کے بعد ان میں سے جو بھی پہلے واقع ہو ایک مقررہ رقم کی ادائیگی کی ذمہ داری لیتی ہے۔ یہ بھی واضح ہے کہ مکفول بہ کبھی نفس ہوتا ہے اور کبھی مال۔

تو زندگی بیمہ میں مکفول بہ کسے قرار دیا جائے اگر مکفول بہ خود بیمہ کرنے والی ذات ہے تو وہ بدیہی البطلان ہے کہ مکفول لہ اور مکفول بہ کا اتحاد لازم آئے گا نیز مکفول بہ کی موت سے کفالت باطل ہو جاتی ہے اور زندگی بیمہ میں ایسا نہیں۔ اگر معاہدہ ہے تو معاہدہ نہ نفس ہے نہ مال کس کی کفالت کی جائے اگر بذریعۂ عہد و پیمان حادثہ پر مقررہ رقم تو مقررہ رقم دین نہیں کہ مکفول بہ ہو سکے جیسا کہ ہم لکھ آئے ہیں کہ مکفول بہ کے لئے دین صحیح و دائم کا ہونا ضروری ہے اگر مکفول بہ جمع شدہ رقم ہے جیسا کہ معروف اور مروج و معمول ہے تو اس کی دو صورتیں ہوں گی کہ وہ شئے متعین (جمع کردہ رقم) کفیل کے ضمان میں ہے یا نہیں۔ اگر کفیل کے قبضۂ ضمان میں نہیں بلکہ بطور امانت و ودیعت ہے تو اس کی کفالت درست ہی نہیں کہ اسے مکفول بہ ٹھہرایا جائے اگر کفیل کے قبضۂ ضمان میں ہے تو اس کی بھی دو صورتیں ہوں گی۔ قبضۂ ضمان لغیرہ ہے یا لعینہ۔ اگر قبضۂ ضمان لغیرہ ہے جیسا کہ مبیع بائع کے قبضہ میں ہو یا شئے مرہون مرتہن کے قبضہ میں ہو تو اس کی بھی کفالت درست نہیں کیونکہ کا مکفول بہ کیا جائے اور واقعہ یہ ہے کہ زندگی بیمہ کے جمع کردہ رقم اس قبیل سے نہیں۔

اگر قبضۂ ضمان لعینہ ہے اور اس کے ہلاک ہونے کی صورت میں تاوان دینا پڑتا ہو تو اس کی کفالت درست ہو گی۔ الغرض باب کفالت میں دین صحیح و دائم کا ہونا ضروری ہے اسی وجہ سے مکفول لہ کو حق مطالبہ حاصل رہتا ہے کہ جب چاہے کفیل سے مطالبہ کر سکتا ہے اس کو انکار کی گنجائش نہیں۔ زندگی بیمہ کے جمع شدہ رقم کو قبضۂ ضمان لعینہ ماننے کی تقدیر پر ہلاک ہونے کی صورت میں تاوان دینا لازم آئے گا گورنمنٹ جمع کردہ رقم ہلاک ہونے پر تاوان دیتی ہے! نہیں اس کے تعلق سے سوال نامہ خاموش ہے اگر نہیں دیتی ہے تو باب کفالت میں داخل نہیں اگر دیتی ہے مگر مکفول لہ کو حق مطالبہ حاصل نہیں کہ باب کفالت میں داخل ہو سکے۔ سوال نامہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ بیمہ کرنے والا (مکفول لہ) قبل از مدت مقررہ یا قبل از موت مطالبہ نہیں کر سکتا۔ اگر حق مطالبہ بھی حاصل رہتا تب بھی باب کفالت میں داخل نہ ہو سکے گا کیونکہ باب کفالت میں دین صحیح کا ہونا ضروری ہے کہ بغیر ادا کئے یا مدعی کے معاف کئے ساقط نہ ہو سکے اور زندگی بیمہ کی ایک لازمی

شرط ہے کہ مدت متعینہ یا مدتِ موعود تک بقیہ قسطیں جمع نہ ہونے کی صورت میں جمع کردہ رقم ضبط کرلی جاتی ہے تو شابت ہوا جمع شدہ رقم دین صحیح نہیں اگر دین صحیح ہوتا تو گورنمنٹ اس صورت میں بھی ادائیگی کی ذمہ داری لیتی۔

ودیعت و امانت

ودیعت کی تعریف شرعی دوسرے شخص کو اپنے مال کی حفاظت پر مقرر کردینے کو ایداع اور اس مال کو ودیعت کہتے ہیں۔ جس کی چیز ہو اسے مُودِع اور جس کی حفاظت میں دی گئی اسے مُودَع کہتے ہیں۔

ودیعت رکھنے کا جواز قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔

ودیعت کا حکم وہ چیز مودع کے پاس امانت ہوتی ہے اس کی حفاظت مودع پر واجب اور مالک کے طلب پر دینا لازم۔ ودیعت کو نہ دوسرے کے پاس امانت رکھ سکتا ہے نہ عاریت یا اجارہ پر دے سکتا ہے نہ اس کو رہن رکھ سکتا ہے ان میں سے کوئی کام کرے گا تاوان دینا ہوگا فتاویٰ عالمگیریہ جلد ۴ صفحہ ۳۳۱ میں ہے۔ الودیعة لاتودع ولاتعار ولاتواجر ولاترھن وان فعل شیئا منھا ضمن کذا فی البحر الرائق۔

اور سوال نامہ سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ زندگی بیمہ کی رقم بطور امانت کمپنی نہ لیتی ہے اور نہ ہی بیمہ دار امانت میں دیتا ہے اور نہ جمع کردہ رقم کمپنی کے پاس محفوظ رہتی ہے جب کہ ودیعت کا رکن دلالۃً یا صراحۃً ایجاب و قبول کا ہونا ہے فتاویٰ ہندیہ جلد ۴ صفحہ ۳۳۸ میں ہے اما رکنھا فقول المودع اودعتك ھذا المال اومایقوم مقامہ من الاقوال اوالافعال والقبول من المودع بالقول والفعل اوبالفعل فقط ھکذا فی التبیین۔

زندگی بیمہ میں تو اس کے خلاف صاف صاف صراحت کردی جاتی ہے کہ موت پر یا وقت مقرر گذر جانے پر مقررہ رقم دینے کی کمپنی ذمہ لیتی ہے اور یہ ظاہر ہوتا ہے نیز معمول بھی ہے کہ قبل از موت یا قبل از مدت متعینہ طلب نہیں کرسکتا ہے اور ودیعت کا معاملہ یہ ہے کہ مُودِع کے طلب پر مودع کو منع کرنے کا حق نہیں فتاویٰ عالمگیریہ جلد ۴ ص ۳۳۸ میں ہے واما حکمھا فوجوب الحفظ علی المُودَع وصیرورۃ المال امانۃ فی یدہ ووجوب ادائہ عند طلب مالکہ کذا فی الشمنی۔

تو اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ زندگی بیمہ باب کفالت و ضمانت و ودیعت و امانت قرض و سگرام سے

نہیں ربا قمار ضمان المدرک سوکر دکی وضاحت آگے آرہی ہے۔

ربا

رباکی تعریف شرعی عقدِ معاوضہ میں جب دونوں طرف مال ہو اور ایک طرف زیادتی ہو کہ اس کے مقابل میں دوسری طرف کچھ نہ ہو یہ سود ہے۔ کفایہ میں ہے فی الشرع عبارۃ عن فضل مال لایقابلہ عوض فی معاوضۃ مال بمال۔ اس کی حرمت قطعی ہے منکر دائرہ ایمان سے خارج۔

حقیقت ربا اموال محظورہ میں متحقق ہوتی ہے فقہائے عظام نے شرح وبسط کے ساتھ تحریر فرمائی ہے مزید شرح وبسط کی حاجت نہیں۔

مجدد دین وملت امام احمد رضا اور حضرت صدر الشریعہ بدر الطریقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ بھی واضح فرمادی ہے کہ ہندوستان اگرچہ دارالاسلام ہے مگر یہاں کے کفار حربی ہیں اور حربی کے اموال محظور ومعصوم نہیں ان کے اموال مباح ہیں برضا ورغبت لینا جائز ودرست اور زندگی بیمہ ذخیرہ کا کمپنی حکومت ہند کی طرف سے ہوتی ہے یا نرے غیر مسلموں کی جیسا کہ سوال نامہ کے ص ۱۳ پر مسطور ہے۔

اب اگر زندگی بیمہ کے جمع شدہ رقم کو قرض مانا جائے تو اس پر کمپنی کی طرف سے جو زیادتی ہوگی وہ مسلم کے حق میں جائز ومباح ہوگی کہ برضاء ورغبت کمپنی دیتی ہے غدر وفریب کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ ناجائز وحرام ہو۔ مگر زندگی بیمہ کی حقیقت واضح طور پر بتا رہی ہے کہ جمع شدہ رقم قرض نہیں کہ کمپنی نہ قرض جان کر لیتی ہے اور نہ ہی بیمہ کرنے والا قرض سمجھ کر دیتا ہے اگر قرض ہوتا قبل از میعاد حق مطالبہ حاصل رہتا اور فوری ادائیگی لازم ہوتی۔ ہدایہ جلد ثالث ص۔۔۔ میں ہے وکل دین حال اذا اجلہ صاحبہ صار مؤجلا لما ذکرنا الا القرض۔ زندگی بیمہ کا حال تو یہ ہے کہ جیسا کہ ہم لکھ آئے ہیں کہ بیمہ کرنے والے کی موت پر یا ایک مقررہ مدت گذر جانے کے بعد ان میں سے جو بھی پہلے واقع ہو ایک مقررہ رقم کی ادائیگی کی ذمہ داری کمپنی لیتی ہے نیز قرض جب تک مدیون ادا نہ کرے یا دائن معاف نہ کردے ساقط نہیں ہوتا۔

اور زندگی بیمہ کی لازمی شرط یہ ہے کہ مدت متعینہ یا موسمہ پر بقیہ قسطیں جمع نہ کرنے کی صورت پر جمع کردہ رقم ضبط کرلی جاتی ہے اس صورت میں کمپنی (مدیون) بے ادا کئے ذمہ سے سبکدوش ہوجاتی ہے اور نہ بیمہ کرنیوالا دائن معاف کرتا ہے بلکہ وہ رقم از خود میعاد کے بعد ساقط ہوجاتی ہے اور بیمہ کرنے والا دائن کو معاف کرنا جائز ہوگا۔ کہ کافر حربی کی مدد ہوگی اور کافر حربی کی مدد جائز نہیں۔ تو ثابت ہوا کہ یہ باب قرض میں سے نہیں کہ اس پر زیادتی

حربی کی رضا سے ہوئی مسلم کے حق میں جائز و مباح ہوگی۔

ضمان درک

ضمانِ درک کی تعریف یہ کہنا کہ جو کچھ تمہارا فلاں پر ہے اس کا ضامن ہوں یا یہ کہنا کہ مبیع میں اگر دوسرے کا حق ثابت ہو تو ثمن کا میں ذمہ دار ہوں اسی کو ضمان الدرک کہتے ہیں۔ در مختار علی ہامش رد المحتار جلد ۳ ص ۲۹۲ میں ہے بما لك عليه وبما يدركك فى هذا البيع وهذا يسمى ضمان الدرك ضمان الدرک کی کفالت درست ہوتی ہے۔ اور ہم ثابت کرتے ہیں کہ زندگی بیمہ کے جمع کردہ رقم دین صحیح کے قبیل سے نہیں کہ باب کفالت میں داخل ہو سکے۔

دلغرض ضمان درک میں دینا کا ہونا ضروری ہے اور زندگی بیمہ کے جمع کردہ رقم از قبیل دیون نہیں کہ اسے ضمان درک کہا جائے۔

سوکرہ

سوکرہ واقعی سے کوئی کا معرب ہے تو اس کا معنی حفاظت (بچاؤ)، ضمانت، ضامن، وثیقہ خاتم المحققین حضرت علامہ شامی رحمۃ اللہ الباری کی تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے زمانے میں سوکرہ اس مال کو کہا جاتا تھا جو دیئے جاتے تھے اس بنیاد پر کہ مال نقصان ہو جانے پر بھر نیکی ضمانت ہوتی تھی۔

علامہ شامی نے جو جواز کی صورت تحریر فرمائی ہے زندگی بیمہ کو اس میں شامل نہ ہونا چاہئے اگرچہ دونوں کا معاملہ ایک سا لگ رہا ہے کہ حلت وحرمت شرف دار سے نہیں بلکہ عصمت و غیر عصمت سے ہے۔ مجدد دین وملت امام احمد رضا قدس سرہ نے اس کے تعلق سے تفصیلی بحث فتاوی رضویہ میں فرمائی ہے مگر علامہ شامی نے جو جوازی صورت عقد فاسد کی تحریر فرمائی اس میں حصول منفعت ہی منفعت ہے مسلم کے خسارے کی کچھ بھی صورت نظر نہیں آتی اور زندگی بیمہ میں حصول منفعت کے ساتھ خسارے کا پہلو بھی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ زندگی بیمہ اس جوازی صورت میں داخل نہ ہو۔

قمار

قمار دو طرفہ مالی ہار جیت کا نام ہے قرآن مقدس نے اسے لفظ میسر ذکر فرمایا ہے سورہ بقرہ پارہ ۲ سورہ مائدہ پارہ ۷ یسر بنا ہے لفظ یسر سے جس کا معنی آسانی رب تعالی فرماتا ہے فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا

اردو میں اسے جوا کہا جاتا ہے کہ اس میں دوسرے کا مال بآسانی جیت لیا جاتا ہے تفسیر بیضاوی وغیرہا میں ہے لانہ اخذ مال الغیر بیسر۔

تو اس عقد کا نام ہوا جس میں دو طرفہ مال کی ہار جیت کی شرط ہو اگر ایک طرف سے مال کی شرط ہو تو وہ انعام جوا کی حرمت پر نص قطعی وارد ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (سورہ مائدہ پارہ ۷) ترجمہ۔ اے ایمان والو شراب اور جوا اور بت اور پانسے ناپاک ہی ہیں شیطانی کام تو ان سے بچتے رہنا کہ تم فلاح پاؤ۔

مگر کافر حربی کے اموال بذریعہ عقود فاسدہ (جوا وغیرہ) حاصل کرنے کے جواز پر فقہائے عظام کے اقوال وارد ہیں کما لایخفی۔

مزید براں کہ خاص جزئیہ بذریعہ جوا ان کے اموال حاصل کرنے کے تعلق سے فقہ کی مستند کتابوں میں آیا ہے۔ شامی جلد ۴ ص ۱۸۸ میں ہے۔ او اخذ مالا منهم بطریق القمار فذلک کله طیب له (فتاویٰ رضویہ، بہار شریعت)۔ ہندوستان کے کافر حربی ہیں اگرچہ ہندوستان دار الاسلام ہے اور اباحت و حرمت کا تعلق دار سے نہیں بلکہ عصمت و غیر عصمت سے ہے امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں وھذا الحکم یعم کل حربی غیر مستامن ولو فی دار الاسلام لان المناط عدم العصمة وھو یشملھم جمیعا فلا یحرم علینا منھم الا الغدر۔

اب دیکھنا ہے کہ زندگی بیمہ پر قمار کی تعریف صادق آتی ہے یا نہیں تفصیلی سوال نامہ سے بات واضح ہو جاتی ہے کہ زندگی بیمہ ایک قسم کا جوا ہے کہ تمام قسطیں مدت متعینہ یا موسعہ پر جمع نہ کرنے کی صورت میں جمع کردہ رقم ضبط ہونے کی شرط لگی ہوتی ہے۔ اور ہم لکھتے آئے ہیں ہندوستانی کافر کے اموال بذریعہ قمار بھی حاصل کرنا جائز و مباح ہے۔

دلیٰ حاصلُ میری نظر میں زندگی بیمہ جوا کی ایک قسم ہے اور وہ جائز ہو جاتا ہے جب کہ مسلم کے بہت سارے فائدے متعلق ہیں اور ضیاع مال کاہلی و تساہلی پر مبنی وہ بھی شاذ و نادر۔

ہاں اگر کسی کا گمان غالب ہو کہ ہم مدت متعینہ موسعہ پر پوری قسطیں جمع نہ کر سکیں گے تو اس خاص فرد کے حق میں ناجائز ہوگا کہ ضیاع مال کا پہلو غالب ہے۔

ھذا ما ظھر لی والعلم عند اللہ

مفتی محمد ایوب و مولانا محمد ہاشم صاحبان

جامعہ نعیمیہ مراد آباد

بیمۂ زندگی و بیمۂ مال

میرے خیال میں بیمۂ زندگی اور بیمۂ مال امانت ہے یا قرض جو جر منفعت کے باعث بظاہر ربٰو میں داخل ہے لیکن موجودہ وقت میں یہاں اس کو حرام نہیں کہا جا سکتا۔ حضرت علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ صورت مو کرہ میں جس میں انھوں نے فرمایا ہے۔

والذی یظہر لی انہ لایحل للتاجر اخذ بدل الہالک من مالہ الا شامل نہیں۔ کہ اس میں جو امانت ہے لیا گیا ہے اور یہاں حربی سے اور ان سے زائد لینا عدم عصمت کی بنا پر ربو نہیں وحق شرائط الربو عصمۃ البدلین کما فی رد المحتار۔ لہٰذا استفتاء مقصود نہیں ھذا ما بدا لی والعلم عند العلیم الخبیر جل شانہ

وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

مفتی اختر حسین صاحب
دارالعلوم رضویہ کیتھون
راجستھان

بیمہ زندگی و بیمہ اموال

الجواب

(۱) بیمہ اموال ہو خواہ بیمہ زندگی چونکہ خلاف شرع کسی شرط کی پابندی عائد نہیں ہوتی لہٰذا دونوں طرح کے بیمے جائز ہیں۔

(۲) بھارتی حکومت نام کی سیکولر ہے اور کام کی حربی ہے اس لئے یہاں کے کفار حکماً حربی ہیں اس حکومت سے ایسا عقد یا معاہدہ جائز ہے ان بیموں کی اجازت دی جا سکتی ہے۔

(۳) علامہ شامی علیہ رحمۃ الباری کی بیان کردہ سوکرہ کی شکل سے فتویٰ کیا جا سکتا ہے۔

(۴) بیموں کے عدم جواز کی تقدیر پر مفروضہ اور وقتاً لیکن چہ بیمہ کی اجازت ہوگی مگر یہ صورت اسی شخص کے لئے جائز ہوگی جس کو واقعی ضرورت و مجبوری ہو۔ اور جس کو ضرورت و مجبوری نہ ہو اس کے لئے یہ صورت ناجائز ہوگی۔

(۵) وہ بھی ضرورت میں داخل ہے اسلئے جائز ہے۔

(۶) ان عقود کے عدم جواز کی تقدیر پر بھی اسے لینا اور اپنے دینی و دنیوی امور میں صرف کرنا جائز ہوگا۔ کیونکہ وہ مال مباح ہے۔ اور جو لوگ بہ نیت ثواب فقراء و مساکین پر اس کا استعمال جائز کہتے ہیں وہ اس کو ربا تسلیم کرتے ہیں جب کہ ربا کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی۔ ہدایہ میں ہے۔ لا ربا بین المسلم والحربی۔

مولانا رحمت حسین کلیمی
تنظیم المسلمین بانسی

بیمۂ اموال و بیمۂ زندگی کا شرعی حکم

الجواب۔

(۱) بیمہ کسی عقد شرعی میں داخل نہیں نہ تو وہ امانت ہے نہ کفالت و ضمانت، امانت نہ ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ امانت میں تلف ہو جانے کی صورت میں تاوان نہیں اور بیمہ میں تاوان ہے، کفالت و ضمانت یوں نہیں کہ کفالت میں ایک شخص اپنے ذمہ کو دوسرے کے ذمہ کے ساتھ مطالبہ میں ضم کر دیتا ہے یعنی مطالبہ ایک کے ذمہ تھا دوسرے نے بھی اپنے ذمہ لے لیا اور بیمہ میں ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی مطالبہ میں اپنے کو دوسرے کے ساتھ ضم کر دے اور قرض کی صورت میں ربا، یا قمار ہونا واضح ہے۔

(۲) یہاں کی حکومت اور خالص غیر مسلم کمپنی سے بیمہ یا کسی اور عقد یا معاہدہ کے ذریعہ جس میں غدر و فریب نہ ہو ربا کی تقدیر پر اصل سے زائد رقم لینا جائز ہے لینے والا اس کو ربا جان کر نہ لے بلکہ اپنا حق سمجھ کر لے شرعاً۔ یا مال معصوم ہی ہوتا ہے اور حربی کا مال معصوم نہیں بلکہ مال مباح ہے۔ قمار کی تقدیر پر شرط یہ ہے کہ بیمۂ زندگی کرانے والا اگر ابتدائے پالیسی ہی میں تین سال کی تمام قسطیں ایک ساتھ جمع کر دے تو اس صورت میں مال کا ضیاع (تین سال قسطیں جمع نہ کرنے کی صورت میں جمع شدہ رقم کے لیپس ہو جانے کا خطرہ) نہ ہوگا اس طرح کے بیمہ میں نفع ہی نفع ہے اور قمار کی صورت میں بھی یہ بیمہ جائز ہے۔

اب رہا بیمۂ اموال تو ہندوستان جیسے ملک میں جہاں عملی طور پر مسلمانوں کے جان و مال محفوظ نہیں ہیں اور آئے دن کسی نہ کسی حادثہ کا شکار ہو رہے ہیں اگر بیمۂ اموال کے ذریعہ مال محفوظ رکھنے کے لئے اور تجارتی مال کو ایک جگہ سے دوسری جگہ کرنے میں جو خطرات ہیں اس سے بچنے کے لئے کچھ دینا پڑے تو اس کو اس قمار پر محمول نہیں کرنا چاہئے جس کی بنیاد کثرت اندوزی اور طمع ہے مقصد کے لحاظ سے بیمۂ اموال میں قلیل مال دے کر کثیر مال کا تحفظ کرنا ہے نہ کہ مال موہوم و مطموع کا حصول اب اسلئے بیمۂ اموال کو کچھ نقصان کے باوجود جائز ہونا چاہیے۔

(الف) (۳) ان عقود کو ضمانِ خطرِ طریق سے ملحق نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ضمان خطر طریق میں کفیل کی جانب سے اگر تغریر ہو تو کفیل پر ضمان واجب ہوتا ہے اور عدم تغریر کی صورت میں نہیں جیسا کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ضمان خطر طریق کے مسئلے میں بیان فرمایا ہے۔

بخلاف قوله اسلك هذا الطريق والحال انه مخوف فان الطريق المخوف يوخذ فيه المال غالبا ولا حتم فيه للمامور فقد تحقق فيه التغرير فاذا ضمنه الامر فما رجع عليه (لعلمهم) اجاز والضمان فيه مع جهل المكفول عنه زجرا عن هذا الفعل كما في تفهيمين الساعي والله سبحانه اعلم۔ ج۳ ص ۲۰۳

اور بیمہ میں کفیل چونکہ حکومت ہے اور اس کی طرف سے تغریر نہیں۔ ورنہ حکومت کی طرف سے جاری کردہ تمام دستاویز نامعتبر ہو جائیں لہٰذا بیمہ کا ضمانِ خطرِ طریق سے الحاق درست نہ ہوگا۔
(ب) بیمہ کا الحاق ضمان درک سے بھی نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ بیع کی صورت میں یہ عقد صرف میں داخل ہوگا۔ اور عقد صرف میں تقابل بدلین شرط اور یہاں وہ مفقود۔
(ج) علامہ شامی کی بیان کردہ سوکرہ کی جائز شکل سے بھی ملحق نہیں کیا جا سکتا کیونکہ انھوں نے جواز کی جو صورت بتائی ہے وہ یہ ہے۔ مسلمان تاجر دارالحرب میں کسی حربی کو اپنی تجارت میں شریک کرے اور اس کا شریک حربی کسی حربی سے سوکرہ کرے اور مال تلف ہونے کی صورت میں وہ حربی صاحب سوکرہ سے تلف شدہ مال کا عوض لے کر اپنے شریک تاجر کو دیدے تو تاجر کے لئے اس مال کا لینا جائز ہے اور یہاں بیمہ کی رائج صورت میں کوئی حربی بیمہ کرانے میں کسی مسلمان کا شریک نہیں ہوتا۔
سوکرہ وکیل مستامن کی وجہ سے ناجائز ہے چونکہ اس میں التزام مالا یلزم لازم آتا ہے اگر وکیل مستامن کو سوکرہ سے نکال دیا جائے تو سوکرہ جائز ہونا چاہیے اور بیمہ میں چونکہ وکیل مستامن نہیں ہوتا ہے اس لئے اس صورت میں بیمہ بھی جائز ہونا چاہیے۔
(۴) بیموں کی عدم جواز کی تقدیر پر بھی اپنی آمد کو محفوظ رکھنے اور مال کو بچانے کے لئے جیسے حکومت ٹیکسوں کے ذریعہ وصول کرتی ہے اگر بیمہ کی کچھ رقم کے بدلے میں وہ مال محفوظ رہ جاتا ہے تو اس صورت میں بیمہ کی اجازت ہو سکتی ہے کیونکہ اس میں مقصود کم مال دیکر زیادہ مال کا حصول ہے جس میں فائدہ ہی فائدہ ہے۔
(۵) جبکہ بعض صورتوں میں قانونی حیثیت سے بیمہ کرانا لازمی ہے اور یہ بیمہ حکومت کی طرف سے ہے اور اس میں نقصان کا خطرہ نہیں ہے اور خلافِ شرع کسی امر کی پابندی عائد نہ ہوتی ہو جیسے حج اور روزہ کی ممانعت اور نفع کا یقین ہو تو ایسی صورت میں بیمہ جائز ہے۔ (احکام شریعت ص ۱۰۱)

(۶) ۔ بیموں کے عدم جواز کی تقدیر پر ۔

(الف) ۔ بیموں کے ذریعہ حاصل شدہ اضافی رقم کو فرقہ وارانہ فسادات میں ناحق مارے جانے والے کا عوض قرار دیکر وصول کرنا اور اسے اپنے مصرف میں صرف کرنا جائز نہیں ہوگا کیونکہ اولاً اس اضافی رقم کو عوض قرار دینا عقلاً و نقلاً درست نہیں ۔ ثانیاً بالفرض عوض مان بھی لیا جائے تو وہ ضائع شدہ اموال اور اور ہلاک شدگان کی جان کا عوض ان کے ورثہ اور مالکان کو ملے گا نہ کہ بیمہ کرانے والے کو ۔

(ب) ۔ بہرحال اس اضافی رقم کا لینا اور اپنی دینی اور دنیاوی امور میں صرف کرنا جائز ہوگا کیونکہ وہ مال فی الواقع مال مباح ہے جو بلا غدر و فریب کے حاصل ہو رہا ہے ۔

(وھو تعالیٰ اعلم وعلمہ احکم)

سیدنا محمد عربی نمبر

پر مقتدر علماء کرام

کے منفرد مضامین

رسول

صلی اللہ علیہ وسلم

برکاتی پبلشرز

پہلی منزل نیک محمد بلڈنگ چھاگلہ

اسٹریٹ کھارادر کراچی

مولانا شمس الہدیٰ صاحب
استاذ جامعہ اشرفیہ

بیمہ

اسلام کا نظام

اسلام ایک ہمہ گیر فلسفۂ حیات کا نام ہے۔ امن وسکون، صلح و آشتی، راحت و خیرسگالی، کے مجموعے سے معنون ہے۔ یہ رہبانیت اور بشری بے مہاری سے بالاتر ایک ایسا نسخۂ کیمیا ہے جس میں حیات انسانی کے تمام شعبوں کے ہر مرض عضال کا علاج بکمال موجود ہے۔ اور ایسی عالمگیر دعوت اور ہمہ گیر انقلاب سے موسوم ہے جس میں حال و استقبال کے جمیع پیچیدہ مسائل کا واضح حل پایا جاتا ہے مگر اس حل کی جستجو و تلاش ہر ایرے غیرے کا کام نہیں۔

یہ دنیائے انسانی کی ہر قسم کی دینی، دنیوی، فلاح و صلاح اور رشد و ہدایت کا علمبردار ہے۔ اسلام کا کہنا ہے کہ ہمارا مقصد صرف دنیا کی برتری و ترقی، عروج و کمال ہی نہیں ہے بلکہ سعادت اخروی اور رضائے الٰہی ہماری زندگی کا کعبۂ مقصود ہے۔

اس نے تمام شعبہ ہائے حیات میں ایسا انقلاب برپا کیا جس کی نظیر تاریخ عالم میں عنقا ہے۔

آج کے دور جدید میں یورپ و ایشیا کے سورماؤں نے شعبۂ معیشت پر اپنی انتھک کوششیں صرف کر ڈالی ہیں اور اب بھی اپنی سعی پیہم، جہد مسلسل میں لگے ہوئے ہیں تاکہ اقتصادی تنگی دور ہو عالم میں خوشحالی و رفاہیت کا دور دورہ قائم ہو مگر نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ بہت سے انسانی طبقات کے لئے زندگی، موت سے زیادہ بھیانک بن گئی ہے۔ اور ان کا "ھل من مزید" کا نعرہ نفع بازی اور فائدہ طلبی کسی حد پر بھی جاکر ختم نہیں ہوتا۔ بخلاف دور نبوت و خلافت راشدہ کے کہ وہاں معیشت کی یہ علمی و فنی موشگافیاں گرچہ نہ تھیں مگر عام خوشحالی اور رفاہیت کا یہ عالم تھا کہ بڑا چھوٹا مسلم و کافر، مومن و مشرک مرد و عورت، صغیر و کبیر اور اجیر و مستاجر سب ہی امن و اطمینان کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اور معیشت میں فارغ البال تھے۔ اور تاریخ اس بات کا مواد فراہم کرتی ہے کہ اس دور میں ایک وقت مملکت اسلامیہ کے اندر ایسا آیا ہے کہ لوگ صدقات کے مال کو لئے پھرتے تھے مگر اس کا قبول کرنے والا ہاتھ نہ آتا تھا۔ (۱)

---

(۱) اسلام کا اقتصادی نظام بحوالہ بدایہ نہایہ جلد ۹ ص

سود کی ہلاکت خیزیاں

نظامِ سرمایہ داری کی ساخت میں سود تانے بانے کی حیثیت رکھتا ہے، یہاں تجارت اور سود لازم و ملزوم ہیں۔ سود نہ ہو تو سرمایہ داری کا تانا بانا بکھر جائے، اور توریت وانجیل سے بھی کچھ مشروط طور پر سودی لین دین کی اجازت ثابت ہوتی ہے (۱)

مگر مذہب مہذب اسلام کہتا ہے کہ سود اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کو ستر اجزاء میں تقسیم کیا جائے تو اس کا ایک ہلکے سے ہلکا جزء اس گناہ کے برابر ہوگا کہ ایک شخص اپنی ماں کے ساتھ زنا کرے۔ (۲)

سود خوری سے باز نہ آنا خدا اور رسولِ خدا سے اعلانِ جنگ قبول کرنا ہے (۳) (ومن یطیق لہا)

جلیل القدر تابعی حضرت معمر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، سود خور کے اوپر چالیس سال نہیں گذرنے پاتے کہ اس کے مال پر آفت الٰہی آجاتی ہے۔ (۴)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے سود گو کہ اولاً زیادت و کثرت کی صورت میں نظر آئے لیکن انجام کار قلت و تنگی ہی پر ہے۔ (۵)

سود خور کے پاداشِ عمل کا جگر سوز منظر ذیل کے چند ہی اقتباسات سے عیاں ہے کہ وہ خون کے دریا میں ڈال دیا جائے گا گھبرا کر نکلنا چاہے گا اس کے منہ پر پتھر کی ایسی مار پڑے گی کہ پھر دریا کے اندر پلٹ جائے گا (۶) کیونکہ لوگوں کے چوسے ہوئے خون ہی کا نام سود ہے۔

سود کھانے والوں کے پیٹ سانپوں سے بھر دیئے جائیں گے جو باہر سے بھی نظر آئیں گے (۷)

آخرت میں خدا تعالیٰ کے حضور ایسی حالت میں کھڑے ہوں گے کہ گویا ان کو بھوت پریت لپٹ گیا ہے۔ اور وہ خبطی ہو جائیں گے (۸)

سود چھتیس مرتبہ کی زنا کاری سے بھی بدتر ہے یعنی آخرت میں سود والے کو سزائے زنا سے چھتیس گنا سے بھی زائد سزا ملے گی۔ (۹)

سودی کاروبار میں کسی بھی قسم کا تعاون لعنتِ الٰہی اور پھٹکار خداوندی کا موجب ہے (۱۰)

سات ہلاکت خیز جرائم سے ایک سود بھی ہے (۱۱)

خدائے پاک سود کا مٹھ مار دیتا ہے خیر و برکت سے یکسر محروم کر دیتا ہے (۱۲)

---

(۱) سود صفحہ ۱، اسلام کا اقتصادی نظام صفحہ ۲۰۴ بحوالہ سبق دلوتا۔ (۲) ابن ماجہ، بیہقی (۳) قرآن بقرہ آیت ۲۰ (۴) مسائل سود صفحہ بحوالہ روح المعانی ج ۳ صفحہ ۵۰ (۵) مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۴ بحوالہ ابن ماجہ، بیہقی، احمد (۶) بخاری شریف ج ۱ صفحہ ۱۸۵ (۷) مسائل سود صفحہ ۲۲ بحوالہ مشکوٰۃ (۸) قرآن بقرہ (۹) مشکوٰۃ ۲۴۶ (۱۰) مسلم شریف (۱۱) بخاری و مسلم (۱۲) قرآن بقرہ

انھیں وجوہات کی بنا پر سود اکبر الکبائر میں شمار ہوا۔ (۱)

قرآن پاک میں بہت سے گناہ کی ممانعت آئی ہے، شدید وعیدیں ذکر کی گئی ہیں مگر جن سخت الفاظ سے حرمت سود کا ذکر ہے کسی دوسرے کا نہیں یہاں تک کہ سود کو کفر میں شامل کر دیا گیا ہے۔ (۲)

سود کی تباہ کاریوں کی ایک تصویر "اسلام کا اقتصادی نظام" نامی کتاب میں صحیح ڈھنگ سے کھینچی گئی ہے جو پوری انسانیت کے لئے نہایت دل سوز اور قابل عبرت ہے۔

تم صفحۂ عالم پر مٹے ہوئے اس نقش کو ذرا غور سے دیکھو جو سامنے ایک خس پوش جھونپڑی کی شکل میں نظر آ رہا ہے، یہ ایک غریب و نادار بیوہ کا مسکن ہے جس کے پاس دو یتیم و بیکس معصوم بچے شوہر کی زندہ یادگار ہیں۔ پھٹے پرانے اور میلے کچیلے کپڑے اور ٹوٹے پھوٹے چند برتن اس گھر کی کل کائنات ہیں بچے بلک رہے ہیں، بیوہ آہ وزاری کے ساتھ گڑگڑا رہی ہے مگر کچہری کا سپاہی وارنٹ قرقی ہاتھ میں لئے زبان کی گالیوں اور کبھی کبھی زدوکوب ہاتھ کے دھکوں اور مکوں سے بیوہ کی تواضع کرتے ہوئے اپنی سرکاری ڈیوٹی میں مشغول ہے۔

تھوڑے سے فاصلے پر زرق برق کار میں ایک سفید پوش مہاجن ہنس ہنس کر یہ منظر دیکھ رہا ہے اور بار بار جوش میں آکر منیب جی سے کہتا جاتا ہے، دیکھو تو کس بے حیائی سے دوسرے کا مال مارنے کے لئے سوانگ بنا رہی ہے کہ میرے بچے بھوکوں مر جائیں گے، للہ رحم کرو، ان یتیموں پر رحم کرو ان کا کوئی والی و وارث نہیں۔ جب جھونپڑی اور یہ ٹوٹا پھوٹا سامان بھی نہ رہے گا تو ان بیکسوں کا کیا حال ہوگا جس روز شوہر کو پچیس روپیہ قرض لیتے بھیجا تھا اس دن خیال نہیں آیا تھا کہ کسی کا دینا بھی پڑے گا۔ منیب جی سود اور سود در سود کے حساب سے پورے چار سو روپئے بیٹھتے ہیں میں نے اکٹھے سو روپے چھوڑ دیئے مگر یہ بے حیا تو دینا ہی نہیں چاہتی اب اس سے زیادہ اور کیا دیا۔ ہو سکتی ہے۔ نا صاحب میں اپنی محنت کی کمائی اگر اس طرح چھوڑ دیا کروں تو ایک دن خاک ہی چھانی پڑے ——— آخر جھونپڑی نیلام ہوگئی، برتن کپڑے قرق ہوگئے اور بیوہ اور بیوہ کے بچے روتے پیٹتے گھر سے بے دخل کر دیئے گئے

سود خوار کی زندگی کا یہ وہ معمولی سا تماشہ ہے جو حکایات و قصص کی کتابوں میں نہیں بلکہ دنیا کے اسٹیج پر روزانہ واقعات کی شکل میں کھیلا جاتا ہے۔ ایسی ہی گلکاریاں میدان سود میں جا بجا نظر آتی ہیں۔ اور جوں جوں مجبوری اور خستہ حالی بڑھتی جاتی ہے شرح سود میں بھی اضافہ پر اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

(۱) قرآن بقرہ (۲) اسلام کا اقتصادی نظام ص۲۹۵ (۳) قرآن بقرہ مدارک التنزیل ج ۱ ص۱۴۲

اور کبھی تو اس جانکاہ میعار پر پہونچ جاتا ہے جیسا کہ ۱۹۴۷ء کے ہنگامۂ قیامت میں امرتسر کے اسٹیشن پر ایک سکھ نے ایک مسلمان سے پانی کے صرف ایک گلاس کی ۔ قطری ۔ قیمت تین سو روپے وصول کی تھی کیونکہ اُس کا بچہ پیاس سے مر رہا تھا اور پناہ گزینوں کی ٹرین سے کوئی مسلمان نیچے اتر کر خود پانی نہیں لے سکتا تھا۔" (۱)

نتیجہ نکلتا ہے کہ دولت و ثروت سمٹ کر ایک مخصوص طبقہ کی اجارہ داری میں ہو جاتی ہے اور کروڑوں عوام معاشی ہلاکت کا شکار ہو کر رہ جاتے ہیں ۔ (۲)

جدید علماء معیشت اس اعتراف پر مجبور ہیں کہ بینک سسٹم ہو یا مہاجنی طور طریقہ ان کی شرح سود آہستہ آہستہ تمام نظام معاجی کو تباہ کرنے کا باعث بن رہا ہے ۔ اور تا وقتیکہ شرح سود صفر کی حد تک نہ پہنچ جائے عام کساد بازاری اور عوام کی معاشی تباہی کا کوئی حل نکالنا ناممکن ہے ۔ (۳)

" حرمۃ مال الانسان کحرمۃ دمہ " حدیث پاک کی روشنی میں کسی کا مال بغیر عوض کے لینا بلاشبہ سُحت اور ظلم ہے اس لئے ایسا معاملہ قطعاً حرام ہے ۔ (۴)

یہ سب سود کی تباہیوں اور اس کی ہولناکیوں کے باب میں مشتے از خروارے اور دانہ از انبارے کے قبیل سے ہے جس میں غور کرنے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ۔ بدن تھرانے لگتا ہے روح کانپ جاتی ہے دل و دماغ سکتے میں پڑ جاتے ہیں ۔

سود میں احتیاط

چودہ سو برس قبل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دوربیں نگاہ نبوت نے آج کے اس سودی لین دین کی گرم بازاری اور ہمہ گیری کا بخوبی ملاحظہ فرمایا اسی بنا پر ارشاد ہوا کہ ایک دور ایسا آئے گا کہ ہر شخص سودی دنیا میں مبتلا ہوگا کم از کم اس کے گرد و غبار ہی سے دوچار ہوگا ۔ (۵)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمارے درمیان اب تشریف فرما نہیں اور سود کا معاملہ مکمل واضح نہیں لہذا ربا اور ربا کی طرح کے مشتبہ معاملات کو ترک کر ڈالو ۔ (۶)

سودی کاروبار میں بہی کھاتہ لکھنے والے اس سلسلہ میں گواہی دینے والے پر لعنت برستی ہے ۔ (۷)

اس میں کسی طرح کی شرکت یا اس کا ممبر بننا حرام ہے ۔ (۸)

---

(۱) سود ص۲۳ (۲) اسلام کا اقتصادی نظام ص۲۰۷ (۳) ایضاً (۴) ص۱۹۹ (۵) نسائی ، مشکوٰۃ شریف ج ۲ ص ۲۴۶
(۶) سود ص۱۹۶ ، ابن ماجہ ، دارمی مشکوٰۃ ۲۴۴ (۷) مشکوٰۃ ا/۲۴۴ (۸) فتاویٰ رضویہ ج ۷

کسی جائز حق کی سفارش پر اگر کوئی بھی ہدیہ و تحفہ قبول کرے تو سود کے بڑے دروازے میں داخل ہوا۔(۱)
احادیث کریمہ میں قرض خواہ کو قرضدار کی دعوت قبول کرنے اور اس کی سواری پر چڑھنے سے بطور احتیاط منع فرمایا گیا ہے۔ (۲) کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا ربا ہے۔
اترکو الحیلۃ فی حل الربٰو۔ سودی معاملات میں کسی حیلہ بہانہ سے اس کی حلت کا دروازہ کھولنا ترک کرو۔(۳)
حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نجران کے عیسائیوں سے جو معاہدہ کیا اس میں صاف طور پر تحریر فرما دیا کہ اگر تم سودی کاروبار کروگے تو معاہدہ کالعدم قرار دے دیا جائے گا اور ہم کو تم سے جنگ کرنی پڑے گی، ایسا ہی برتاؤ بنو مغیرہ کے سود خواروں کے ساتھ کرنے کا حکم اپنے عامل کو دیا۔ (۴)
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں مدینہ منورہ سے ایک لشکر عراق کو روانہ ہوا۔ آپ کے دو صاحبزادوں کو واپسی پر حضرت ابوموسیٰ اشعری حاکم بصرہ نے بیت المال کا کچھ سرمایہ بطور قرض دیا اور تجارت کے ذریعہ نفع حاصل کرنے کو کہا اور واپسی پر اصل قرض حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں دینے کو کہا۔ انھوں نے اس مال سے کافی نفع حاصل کیا پھر مدینہ شریف پہونچ کر اصل رقم خلیفہ کی بارگاہ میں پیش کیا اور حاکم بصرہ کی پوری بات کہہ سنایا۔ خلیفہ برحق حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کیا صرف تم ہی دونوں کو دیا یا سب فوجیوں کو؟ عرض کیا گیا صرف ہم ہی دونوں کو دیا تھا۔ حضرت عمر رحمہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ کل نفع بھی بیت المال میں جمع کرو۔ عرض کیا حضرت اگر کم ہو جاتا تو ہمیں تاوان دینا پڑتا لہٰذا نفع ہم سے لے لینا مناسب نہیں۔ لیکن حضرت نہ مانے ——— پھر ایک شخص کے مشورہ پر اس کو مضاربت بنا کر نصف نفع دونوں صاحبزادگان کو عطا فرمایا اور نصف آخر بیت المال میں کر دیا۔(۵)
امام احمد رضا قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں۔ فتاویٰ عالمگیری میں حیلہ ہے کہ اگر ایک روپیہ ایک روپیہ کر بیچا اور ایک وزن میں زیادہ ہے اور کم وزن والے کے ساتھ کچھ پیسے ہیں تو جائز ہے مگر میں اسے مکروہ سمجھتا ہوں کیونکہ لوگ جب ایسا کرنے کے عادی ہو جائیں گے تو ناجائز طریقہ بھی اپنانے لگیں گے (۶)

حربی اور سود و قمار

اطلاقِ نص قرآنی کی بنا پر سود مطلقاً حرام ہے مسلم سے ہو کہ کافر سے۔ ہندو سے ہو کہ مرتد سے، دارالحرب میں ہو یا دارالاسلام میں۔ لین دار چاہے دین ہو کیونکہ حرمتِ سود مکانی حد بندیوں میں محصور نہیں اور نہ ہی کسی اختراعی سد سے مسدود ہر صورت

(۱) مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد ص۳۲۶ (۲) اسلام کا اقتصادی نظام ص۳۶۳ بحوالہ ابن ماجہ فی السنن (۳) اشعۃ اللمعات بحوالہ لمعات و مرقات (۴) اسلام کا اقتصادی نظام، مشکوٰۃ بحوالہ لمعات و مرقات (۴) ماخوذ ص
(۵) موطا امام مالک کتاب القراض۔ (۶) کفل الفقیہ الفاہم ص۴۰

حکم حرمت ہی ہے جب تک کوئی سچی حقیقی مجبوری نہ ہو۔ (۱)

اگر غیر مسلموں سے ربا مباح ہوتا تو قبل اسلام یا حرمت سود کے اعلان سے پہلے کا سودی لینا یا شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کیونکر باطل قرار دیتے۔ کمایدل علیہ خطبۃ الوداع وآیات القرآن الکریم وذروا مابقی من الربٰو۔ فانتھیٰ فلہ ماسلف۔

ہاں امام اعظم اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا مسلک یہ ہے کہ حربی (حقیقۃً ہو یا حکماً) اور مسلم کے مابین سود کا تحقق نہیں ہوتا نہ یہ کہ دونوں کے درمیان معاملہ سود مباح ہے اور نہ یہ کہ دار الحرب میں مباح اور دار الاسلام میں غیر مباح اتنی بات ضرور واضح رہے کہ طرفین کے نزدیک سود کا عدم تحقق چند شرائط سے مشروط ہے اولاً یہ کہ نفع صرف مسلم کو حاصل ہو لہٰذا اگر کسی طرح نفع حربی کو ملے تو حکم جواز نہ ہوگا ثانیاً یہ کہ حصول نفع کا یقین ہو یا ظن غالب ہو ورنہ روا نہ ہوگا کما ھو مصرح فی البحر الرائق ج۶ ص ۱۲۶ و فی فتح القدیر للامام بن الھمام قبیل کتاب العتوق۔

ثالثاً وہ حربی مستامن نہ ہو رابعاً مال کا معصوم نہ ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا اگر حربی دار الاسلام میں امان لے کر آیا اور اس کا مال دار الحرب میں ہے تو اس مال میں ربٰوا پایا جائے گا۔ (۲)

سیر کبیر، بحر الرائق، فتح القدیر وغیرہا کتب میں حربیوں کے مال کو بطریق قمار و ربا وغیرہ عقود فاسدہ کے ذریعہ لینا جائز کہا گیا بشرطیکہ غدر اور دھوکہ دہی سے خالی ہو۔ اس بیان میں قمار، ربا وغیرہ الفاظ ظاہر کے اعتبار سے کہہ دیئے گئے ہیں

فاضل محقق ابن قدامہ حنبلی کا اپنی مشہور آفاق کتاب ۔ المغنی ج۴ میں مذہب امام اعظم رحمہ اللہ کو دار الحرب کے ساتھ خاص کر دینا زبردست تسامح ہے پھر مزید براں حدیث مکحول کو مسلک احناف کا مبنیٰ قرار دے کر تلخ و تند انداز میں بے باک تنقید کرنا بھی حقیقت سے کچھ تعلق نہیں رکھتا کیونکہ مذہب امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ رہ جو انھوں نے لکھا اور نہ حدیث مکحول پر اس کی بنا بلکہ اس کا دار ومدار حربی کے مال کی اباحت پر ہے اور یہ اباحت متعدد صحیح حدیثوں اور واضح قرآنی آیتوں سے ثابت ہے جیسا کہ معتبرات فن پر نظر رکھنے والوں سے کوئی گوشہ اس کا مخفی نہیں بدائع، کاشانی ص ۱۳۲ وغیرہ میں صاف صاف مرقوم ہے۔ مال الحربی مباح لانہ لاعصمۃ لمال الحربی، و فی التحقیق یقتضی انہ لولم یرو مکحول اجازۃ النظر المذکور یہ مذہب امام نقل کے ساتھ ساتھ عقل کے بھی موافق و مرافق ہے کیونکہ کفار جب اہل اسلام

---

(۱) مقتبس از فتاویٰ رضویہ ج۷، مسائل سود (۲) فتح القدیر ج۶ ص ۱۷۸۔ مدسورت ص ۲۰۱ بحوالہ فتح القدیر ج۶ ص ۱۷۸

کے اموال پر خدانخواستہ قابو پالیں تو اس میں ان کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے (۱) تو پھر مسلم کو بھی اس طرح کا حق ملنا کیونکر بجا نہ ہوگا۔

حربیوں میں سے جو مسلمان ہو کر دارالحرب میں رہ گیا اور دارالاسلام میں ہجرت کر کے نہ آیا تو اس کے مال کو لینا بھی مال مباح کا لینا ہے نہ کہ سود کا۔ یہ حکم ہر حربی غیر مستامن کو عام ہے اگرچہ وہ دارالاسلام میں تھا ہو کہ اس کا مدار۔ عدم عصمت۔ ہے اور وہ سب کو شامل ہے۔ (۲)

کوئی مسلم یا ذمی امان لے کر دارالحرب میں داخل ہوا اور وہاں کسی حربی سے ربوی معاملہ یا دوسرے عقود فاسدہ کئے تو جائز ہے۔ (۳)

اگر باپ دارالاسلام میں ہو اور اس کی نابالغ اولاد دارالحرب میں ہو تو ان اولاد پر سے باپ کی ولایت ساقط ہو جائے گی۔ (۴)

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتح مکہ سے بیشتر سودی کاروبار کے لئے مکہ جاتے تھے، جو اس وقت دارالاسلام نہ تھا۔ (۵)

دارالاسلام کی رعایا میں سے دو مسلمان امان لے کر دارالحرب میں چلے گئے اور وہاں ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا۔ اگر قاتل دارالاسلام میں واپس آئے تو اس سے قصاص نہ لیا جائے گا۔ (۶)

حربی کافر سے حاصل شدہ رقم کا مصرف

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابی بن خلف سے روم و ایران کی باہمی آویزش کے زمانہ میں یہ شرط لگائی تھی کہ قرآن پاک ہی کی پیشین گوئی پوری ہوگی جب وہ پوری ہو گئی تو انھوں نے ابن خلف کے ورثاء سے اس شرط کا مال وصول کر کے خدمت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں حاضر کیا آپ نے فرمایا اسے صدقہ کر دو (۷) اس سے معلوم ہوا کہ ایسے مال کو اپنے استعمال میں لانا پسند نہ کیا گیا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس قسم کی شرط صریح قمار ہے جس کی حرمت قطعی نصوص سے ثابت ہے۔

حرام مال کے سلسلہ میں فقہاء کرام لکھتے ہیں کہ اس کا صدقہ کر دینا واجب ہے (۸) در مختار ۱/۹۹ عبارت میں ہے۔ مذہب مراعاۃ الخلاف بالاجماع۔ اختلاف ائمہ کی رعایت اجماعاً مستحب ہے لہٰذا

(۱) ہدایہ، شامی ج ۳ صفحہ ۲۰۰ (۲) مسائل سود صفحہ ۱۰۲ بحوالہ فتاوی رضویہ ج ۷ (۳) بدائع ۷/۱۳۲ بحرالرائق ۶/۱۳۶ احکام القرآن للجصاص ۱/۴۶۲ (۴) فتح القدیر ج ۴ (۵) سود صفحہ ۲۲۵ بحوالہ السیر کبیر (۶) ہدایہ کتاب السیر (۷) ترمذی تفسیر سورۃ الروم فتاوی رضویہ ج ۷ (۸) کلیۃ فقہ اسلامی ج ۳ صفحہ ۲۳۴

حربی و مسلم کے درمیان زائد رقم لینے کے جواز کا فتویٰ دیتے تو وقت اس کے صدقہ کر دینے کی افضلیت بھی قرار بیان کر دی جائے۔ (۱)

اپنے حق کے حصول یا اپنے سے رفع ظلم کے لئے رشوت دینے میں کوئی قباحت نہیں اسی طرح لینے والا اگر صاحب حق تک حق پہونچانے میں کوشش کر رہا ہے یا دفع ظلم کر رہا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (۲)

قول تقریبی

ربا کی دو قسم ہے اول حقیقی ربا جس کو ربوٰا القرض، ربوٰا النسیئہ، ربا جلی، ربا الاصل، ربا القرآن اور ربوٰے اکبر کہا جاتا ہے۔ یہی طریقہ جاہلیت میں رائج تھا اسی کو حرمت میں آیات قرآن کا متعدد حکیمانہ اسلوب میں نزول ہوا مشہور احادیث نبویہ سے بھی اس کی حرمت ثابت ہے۔ اس کی صورت یہ تھی کہ صاحب ضرورت کو نقد روپیہ قرض دیتے اور ایک مدت معین کر کے فی روپیہ کچھ مقدار سود کی لگاتے، یا جب معین مدت ختم ہو جاتی تو سود اور اصل قرض کو ملا کر اپنی اصل قرار دیتے پھر اس مجموعہ پر سود لگانا شروع کر دیتے اسی کا نام سود در سود ہے۔

یا زیور، ہتھیار وغیرہ رہن رکھتے اور ان کے عوض قرض دیتے اگر معین مدت میں قرضدار قرض ادا نہ کر سکتا تو روپیہ پر سود لگاتے اور جمع کردہ چیز کی قیمت کم سے کم قرضدار دیکر ان کو ہضم کر جائے۔ (۳) اسی کو آپ مہاجنی اور ساہوکاری سود کہتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کا مذہب یہی تھا کہ صرف سود یہی ہے اور دست بدست کم و بیش لینا دینا سود نہیں۔

علماء فرماتے ہیں کہ حدیث ابن عباس منسوخ ہے یا اس سے شدت تحریم مراد ہے (۴) مگر حقیقت یہ ہے کہ جب حضرت احادیث ربا الفضل پر مطلع ہوئے تو اپنے مسلک سے نہ صرف رجوع کیا بلکہ توبہ و استغفار بھی فرمایا۔ (۵) رواہ جابر اخرجہ الحاکم من طریق حیان العدوی۔

دوسری قسم نقدی لین دین۔ دست بدست کمی بیشی کا کاروبار جسے ربوٰے خفی اور ربوٰا الفضل کہا جاتا ہے اس نوع کو اس لئے حرام کیا گیا تا کہ حقیقی سود کا دروازہ بند ہو جائے جیسا کہ حضرت ابو سعید خدری کی روایت ہے کہ حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ایک درہم کو دو درہم کے بدلے نہ بیچو کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ تم ربا میں پڑ جاؤ گے۔ (۶)

(۱) مسائل سود ص ۱۱۰ (۲) اشعۃ اللمعات ۳/۲۲۶ (۳) احکام القرآن للجصاص جلد ۲ ص ۵۵۱
(۴) عمدۃ القاری ۹/۲۹۳ (۵) مسائل سود ص ۱۲۳ (۶) اعلام الموقعین جلد ۱ ص ۱۱۱، کنز العمال۔

اس قسم دوم کی حرمت کا ثبوت احادیث مشہورہ متواترہ سے فراہم ہوتا ہے۔ حضرت بلال ہیں بارگاہ نبوت میں عمدہ کھجورے کر حاضر ہوئے پوچھنے پر عرض کیا دو صاع ردی کھجور کو ایک صاع اچھی کھجور سے بیچا ہے آپ نے ارشاد فرمایا ! ہائے ! یہ تو عین سود ہے عین سود ہے ایسا مت کرو بلکہ پہلے درہم سے بیچ کر پھر اس درہم سے خرید لیا کرو (۱)

اسی طرح کی ایک حدیث کے تحت حاشیہ موطا امام محمد میں مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی تحریر فرماتے ہیں

علمه صورة لاتدخل فيه الربا مع حصول المقصود . (۲)

نیز حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ میں ہے کہ اس معنی دوم کا بھی استعمال شریعت میں بمعنی ربا اتنی کثرت سے ہوا کہ یہ معنی حقیقت شرعیہ بن گیا۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے " کل قرض جر به نفعًا فهو ربا " جس بھی قرض کے ساتھ حصول نفع کا تعلق ہو وہ ربا ہے۔ اس اصول پر تمام فقہاء اسلام متفق ہیں۔ (۳)

لائف انشورنس

جس طرح لاٹری جوئے کی جدید شکل ہے ٹھیک اسی طرح یہ بیمہ بھی ایک بدترین قسم ہے جس کی ابتدا ترقی یافتہ قماروں سے ہوتی ہے اور انتہا خوشنما سود پر ہے بلکہ یہیں تین طرح سے سودی معاملہ ہے اول جس سے یہ معاملہ ہوتا ہے اس سے سود لینا ہوتا ہے۔ دوم جس سے آپ یہ کاروبار کرتے ہیں وہ خود بھی دوسرے سے سود حاصل کرتا ہے اور اس میں دراصل مجرم آپ ہی ہیں۔ سوم سودی کام میں نہ صرف تعاون کا ہونا ہی نمایاں ہے بلکہ اس پر ابھارنا بھی ہے۔ مزید برآں اس میں ضیاع دولت کا پہلو بھی اور دھوکہ دہی بھی کارفرما ہے۔ یہ کسی بھی عقد شرعی کے تحت داخل نہیں۔

ہندوستان اگر دارالحرب ہے تب تو یہاں کے کفار کا حربی ہونا ظاہر ہے اور اگر دارالاسلام ہی ہے تب بھی یہاں کے کفار حربی ہی ہیں جیسا کہ حضرت عالمگیر رحمہ اللہ کے دور حکومت میں ان کے استاذ گرامی حضرت ملا احمد جیون رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مستطاب تفسیرات احمدیہ میں یہاں کے غیر مسلموں کے حربی ہونے کی صراحت پیش فرمائی ہے۔

اور حربیوں کے ساتھ عقود فاسدہ کی اجازت اس شرط سے مشروط ہے کہ غدر و دھوکہ سے خالی ہو اور ہر طرح اپنا ہی نفع ہو اور کسی پر مخفی نہیں کہ یہ ایسی کمپنیوں میں کسی طرح متوقع نہیں لہذا اجازت نہیں کما حققه المحقق على الاطلاق في فتح القدير۔ (۴)

(۱) مسلم شریف ج ۲ ص ۲۶ (۲) التعلیق الممجد ... (۳) بیہقی ج ۵ ص ... کتاب البیوع، کفل الفقیہ الفاہم ص ... (۴) فتاوی رضویہ ج ...

اور کیا رقم مسلم ان کمپنیوں میں محفوظ نہیں رہتی جس سے آپ زیادتی حاصل کرتے ہیں ! ۔
اور اس سسٹم میں کے ذمہ دار کفار کو کتنا کثیر نفع ملتا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے ۔ ذیل کی حدیث پاک سے بھی اس کے عدم جواز کا ثبوت ملتا ہے ۔

حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رُقبیٰ سے منع فرمایا ۔ (۱) رقبیٰ یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کو یوں کہے ۔ یہ مکان یا زمین اگر تو پہلے مرجائے تو میری ہے اور اگر میں پہلے مرجاؤں تو تیری ہے ۔

امام قرطبی رحمہ اللہ نے وجہ ممانعت یوں بیان فرمائی ہے ۔ لان کل واحد منہم یقصد الی عوض لا یدری ھل یحصل لہ و یتمنی کل واحد منہما موت صاحبہ ۔ (۲) کیا یہی صورت حال بعینہ بیمہ میں نہیں پائی جاتی پھر کس طرح اسے روا گردانا جائے ۔

واقعہ یہ ہے کہ شریعت میں جلب مصالح پر دفع مفاسد مقدم ہے اور انشورنس میں کتنے بڑے جرائم مفاسد پنپتے ہوئے نظر آرہے ہیں یہ کوئی بتانے کی چیز نہیں ہے ۔۔۔ اگر کسی طرح کھینچ تان کر راہِ جواز نکال بھی لی جائے تو بھی خلافِ احتیاط ماننے سے مجوزین کو بھی کوئی مفر نہیں ۔

اور بھلا بتاؤ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کی رائے عالی وحی الٰہی کے موافق ہوا کرتی تھی ان کا ارشاد گرامی ہمارے لئے مشعل راہ نہیں ؟ آپ فرماتے ہیں جہاں سود کا شائبہ ہو اسے بھی ترک کر دو ۔

نیز دشمنانِ اسلام قہقہہ لگائیں گے اور کہیں گے کہ آخر کار معاشی اور مالی معاملات میں اسلام کا ناقابل عمل ہونا ثابت ہو گیا اور یہ بات کھل گئی کہ سود کی حرمت عملی دنیا میں چلنے والی چیز نہیں ۔

جس طرح طلاق اور وراثت ونکاح ارامل وغیرہ مسائل میں آپ ان کے مذہبی قانون کی جدید ترمیمات پر گرفت کرتے ہیں ۔ اسی طرح وہ بھی اسلام کی کمزوری کا اشتہار دینے کے لئے سود کے مسئلہ میں آپ کی بدلی ہوئی روش کو ایک نمایاں مثال کے طور پر پیش کریں گے ۔ (۳)

اگر آپ کہیں کہ بڑی بڑی تجارتوں کی آسانی ، دولت و ثروت کے ذخیروں کی حفاظت اور ان سے مزید زرکشی کے لئے اس ترقی یافتہ زمانہ میں ان سب جدید معاشی اسکیموں پر عمل از حد ضروری اور نہایت کارآمد ومفید ہے ۔ بلکہ ہندوستان میں مسلمانوں کی اقتصادی تباہی کا سبب یہ ہے کہ ان طریقوں کو اپنے اوراق زندگی میں کشادہ دلی سے جگہ نہیں دیتے ۔

میں عرض کروں گا آپ کی یہ باتیں کافی فرحت وانبساط بخش ہیں لیکن اس خوشنما رنگ وروپ میں

---

(۱) ماخوذ از کفل الفقیہ الفاہم (۲) تفسیر قرطبی ۱/۲۹۹ (۳) سود صفحہ ۲۱ ۔

جو بارِ سیاہ پوشیدہ ہے وہ اس ظاہر انگیں ہیں جو زہر قاتل مستور ہے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دنیا دو حصوں میں بٹ جائے گی ایک طرف قارونی دولت کی کاشت کے لئے ابر نیساں ہے اور دوسری طرف غریبوں کی تعشوں پر سرمایہ کی تعمیر کے لئے بہت عمدہ مسالہ (۱)

اور یہاں مسلمانوں کا معاشی بحران راہ حق پر گامزن نہ رہنے کا ثمرہ ہے اور ذکر سود اقتدار سے بُعد کا نتیجہ۔ جیسا کہ عنقریب ظاہر کیا جائے گا۔ اگر ان اصولِ شریعت پر مسلمان عمل پیرا ہو جائے تو ہندی مسلمان کیا پوری دنیائے اسلام امن و ترقی، فلاح و رفاہیت، اخوت اور ہمدردی کے دھارے پر بہنے لگے گی۔

اور اس شورلش کے ذریعہ عداوت و دشمنی کا جو بیج غیر شعوری طور پر بویا جاتا ہے وہ ہر خاص و عام پر عیاں ہے۔ (۲)

نیز آج فسادات میں آئے دن اکثر مقتولین کی نعشیں دریا بُرد کر دینا یا کسی اور طرح لاپتہ کر دینا عام ہے اور بیمہ کی رقم بلا ثبوت ملنے کو نہیں اس پر مستزاد یہ کہ ڈاکٹری و پولیس رپورٹ بمشکل تمام فراہم ہونے کے بعد بھی رقم بیمہ بہت مشکل سے برآمد ہوتی ہے۔

فاضلِ بریلوی قدس سرہ کا مسلک

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب کہ یہ صرف گورنمنٹ کرتی ہے اور اس میں اپنے نقصان کی کوئی صورت نہیں ہے تو جائز ہے کوئی حرج نہیں مگر یہ شرط ہے کہ اس کے ذمہ کسی خلاف شرع اقتیاد کی پابندی عائد نہ ہوتی ہو۔ (۳)

جن شرائط و قیود کا ذکر مجدد اعظم رحمہ اللہ نے فرمایا بلاشبہ ان کا تحقق آج کے بیمہ پالیسی میں کسی طرح نہیں ہے۔

کیا نقصانات کے گوشے روز روشن کی طرح عیاں نہیں ہیں؟ کیا جب کسی حادثہ سے موت واقع ہوئی تو پوسٹ مارٹم ضروری نہیں جو شرعاً ممنوع ہے۔ لہٰذا کلام رضا کا سہارا لے کر آنکھ بند کر کے مدارِ جواز پر بھاگنے کی سعی نہ کی جائے۔ اور ان الاصل فی الاشیاء الاباحۃ، الضرورات تبیح المحظورات، ضمان خطر الطریق، عقود موالات۔ نظام عاقلہ وغیرہ دلائل کی رو سے بیمہ کے جواز کا قول نہیں کیا جا سکتا کما لا یخفی علی المتامل۔ (۴)

---

(۱) اسلام کا اقتصادی نظام ص ۲۹۱ (۲) احکام عقود التامین و مکانتہا من شریعۃ الدین لعبد اللہ بن زید ص ۵۵ (۳) احکام شریعت ح ۲ ص ۱۰۲ (۴) مجلہ فقہ اسلامی ۲/۵۲۸

بیمہ اموال

قانون فقہ "الضرورة تزال" کے تحت خطرے کی چیزوں میں بیمہ کرانے کی گنجائش ہے مثلاً کارخانوں و مکانات کا بیمہ مباح ہے کہ یہ ودیعت بالاجرۃ ہے۔(۱)

بیمہ اموال پر علمائے اسلام میں سب سے پہلے شیخ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ نے کلام کیا۔ آپ اپنی مشہورۂ آفاق کتاب "رد المحتار جلد ۴" میں تحریر فرماتے ہیں۔

اس عادت کا عام رواج ہوگیا ہے کہ تاجر اگر کسی حربی سے کشتی کرایہ پر لیتے ہیں تو اسے کشتی کی اجرت ادا کرتے ہیں اس کے ساتھ ایک مقررہ مقدار زر نقد ان کے علاوہ کے ایک اور شخص کو دیتے ہیں اس زر نقد کو سوکرہ کہتے ہیں۔ اس ادائیگی کی غرض یہ ہوتی ہے کہ اگر کشتی میں موجود مال غرق ہونے، آگ لگنے، یا ڈاکہ پڑنے کی وجہ سے برباد ہو جائے تو وہی شخص جس نے زر نقد لیا اس کی قیمت کا ضامن ہوتا ہے۔ اب اگر ناگہانی طور پر ان کا مال برباد ہوتا ہے تو وہی مستامن آدمی ان تاجروں کو بربادی کا پورا پورا تاوان ادا کرتا ہے۔

علامہ شامی فرماتے ہیں: میرے نزدیک مفتی بہ قول یہ ہے کہ تاجر کو ہلاک مال کا بدلہ لینا حلال نہیں اس لئے کہ یہ التزام مالا یلزم ہے۔ اور شامی میں جس صورت میں بیمہ مال کو حلال ٹھہرایا اس کا تحقق یہاں ہندوستان میں نہیں ہے جیسا کہ اس کی علت کے بیان سے ظاہر ہے۔

• لان العقد الفاسد جرى بين حربيين فى بلاد الحرب وقد وصل اليه مالهم برضاهم فلا مانع من اخذه۔ شامی ۴/۲۷۲۔

موٹر، ہوائی جہاز، کشتیوں، کارخانوں، منڈیوں کا بیمہ کرنا مباح ہے کیونکہ یہ مجہول اور غیر واجب کے تاوان کے مترادف ہے جس کے جواز کی بابت امام احمد، امام مالک اور امام الائمہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے صراحت فرمائی ہے اور یہ مسئلہ اسی نوع کا ہے اس لئے نظیر کو سامنے رکھ کر اس کے مطابق قیاس کیا جا سکتا ہے۔(۲)

موٹر انشورنس کمپنی غرتیبا کی رقم، جنایت کا جرمانہ، اور تلف شدہ کی قیمت ادا کرنے کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ اور اس قسم کی ادائیگی کے جواز کو مغنی، شرح کبیر اور اقناع کے مصنفین نے درست قرار دیا ہے اور ضمان لینے والے یا ضمان شدہ کی جہالت سے ضمان کے جواز پر کوئی اثر واقع نہ ہوگا۔(۳) اور اس میں تعاون بالرہی اس پر مستزاد ہے۔ نیز موٹر ڈرائیونگ کی لائن میں رہنے والے بیشتر افراد غریب طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں اب اگر ان کی غفلت یا بے توجہی کے سبب کسی کا جانی یا مالی نقصان ہوا تو ڈرائیوروں کی غربت

---

(۱) جدید فقہ اسلامی ص ۹۶/۴ (۲) احکام عقود التامین ص ۳۸، مفتی ضمان (۳) احکام العقود التامین ص ۳۸۔

وبلاکت کی وجہ سے متوفی کے قرابت دار دیت سے محروم نہ ہوں گے بلکہ بیمہ کمپنیاں اس رقم کی ادائیگی از خود کریں گی۔ (۱)

اشکال

انشورنس میں دھوکہ دہی اور فریب کاری کا مکمل مظاہرہ ہے کہ شئی معدوم کی بیع ہے مثل حمل کا حمل سے سودا۔ اس میں اس کا سودا ہے جس کی ادائیگی سے قاصر ہو مثل بیع غلام آبق۔ مجہول قطعی کی فروخت ہے مثل اپنے غلاموں میں سے ایک کا بیچنا۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دھوکہ کے سودے سے منع فرمایا ہے۔ (مسلم شریف)

ازالۂ اشکال

انشورنس کی سوسائٹیوں کا مزاج رضا و رغبت سے مل کر بنا ہوتا ہے اس میں فریب کی دھوکہ بازی سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ (۲) لہٰذا جنرل انشورنس کے جواز میں کوئی کلام نہیں۔

بھارتی حکومت کے ملازمین اپنی تنخواہوں کو وضع کر کے جو بیمہ کراتے ہیں اس میں کسی طرح سے مسلمان ملازم کو نقصان کا اندیشہ نہیں یہ بیمہ ستہ جائز و مباح ہے جیسا کہ فاضل بریلوی رحمہ اللہ نے اپنے فتوے میں اسکو کھول کر بیان کیا ہے۔ (۳)

اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابل غور ہے اس میں جو زائد رقم ملتی ہے وہ سود نہیں گو کہ گورنمنٹ اسے سود کہتی ہے کیونکہ سود اس وقت ہوتا جب کہ ہم نے خود وہ رقم جمع کی ہوتی اور اس پر مزید رقم ملتی۔ لیکن یہاں تو گورنمنٹ نے ہمارے اختیار کے بغیر از خود رقم کاٹ کر جمع کر لی ہے جو ابھی ہمارے قبضہ و ملک میں بھی نہیں آئی اور اس پر اضافہ کرتی ہے اس لئے اس رقم پر جو بھی اضافہ ہوگا وہ ہماری ملک میں اضافہ نہ ہوگا بلکہ ابتدائی تبرع و انعام ہوگا۔ (۴)

حمل و نقل کرنے والی کمپنیوں کا بیمہ بھی جائز ہے کیونکہ یہ اشتراط الضمان علی الامین والاجیر کے قبیل سے ہے کما ھو مصرح فی کتاب الودیعۃ من الشامی۔

راہِ نجات

لائف انشورنس کے موجودہ نظامی امور میں جو شرع سے مزاحم ہیں انھیں ترمیم کر دیا جائے اور رقم اس میں بطور مضاربت جمع کی جائے یہ ایسا پاکیزہ طریقہ ہے کہ اس کے قدم قدم پر فراخی و خوشحالی نظر آئے گی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل نبوت ہجری (شام) کی منڈی میں خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مال میں اصول مضاربت ہی پر تجارت کرتے تھے جو بیش از بیش نفع کی شکل میں انجام پائی۔

---

(۲) ۔ ص۹۸ (۳) ۔۔ ص۱۱ (۴) مسائل سود ص۱۳۳ (۵) مجلہ فقہ اسلامی ۳ / ۹۰ ۵

مضاربت کے سوا معاونت یا شرکت، مرابحہ وغیرہ بھی اچھے طرق ہیں (۱) یا نوٹ جمع کرنا بطور بیع ہو مثلاً سو روپے کا ایک ورق کاغذ خرید لے (جو خاص علامت ہو) پھر اسے بطور امانت جمع کر دے جب میعاد پوری ہونے پر یہ کاغذ ملے تو تراضی طرفین سے دو سو روپے میں بیچ دے۔ اور ایک ورق کاغذ اتنی کثیر رقم میں بیچ دینے میں کوئی حرج نہیں کتب فقہ میں صریح جزئیہ موجود ہے۔ لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولا یکرہ۔ (فتح القدیر)

یا اسے کرنسی کا دوسرا نوٹ اضافہ کے ساتھ دے کہ یہاں قدر و جنس دونوں مفقود لہٰذا ادھار بھی جائز ہے۔[۲]

یہ دو طریقے ہیں جس کے ذریعہ آدمی سود کی آلائش سے بچ جائے گا اور اس طرح کا شرعی حیلہ حدیث رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی ثابت ہے جیسا کہ گذرا۔

خلاصۃ الکلام

(۱) کھاتا داروں کی طرف سے جو امانتی رقوم جمع ہوتی ہیں وہ حکماً قرض ہی ہیں اگر ایسا نہ ہو تو پھر ان رقوم میں کسی طرح تصرف بینک کی طرف سے جائز نہ ہوگا اور اس میں سود و جوا کا تحقق بے ریب ہے۔ اسی طریقہ کی وضاحت حدیث شریف سے بھی ملتی ہے۔

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں موجود ہے کہ ان کے پاس لوگ مال امانت رکھنے لاتے وہ کہتے کہ نہیں بلکہ تم مجھے یہ قرض دے دو۔ پھر اس کو تجارت میں لگاتے تھے۔

(بخاری شریف کتاب الجہاد باب برکۃ الغازی فی مالہ)

اور کل قرض جر نفعاً فھو ربا۔ کے تحت اس میں سود کا ہونا نمایاں ہے۔

(۲) جواب نفی میں ہے دلائل گذشتہ اوراق میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

(۳) نہیں۔ اس کا بیان ہو چکا۔

(۴) انکم ٹیکس وغیرہ سے بچنے کی خاطر جیون بیمہ کی ہرگز اجازت نہیں۔ مال کو ضائع ہونے سے محفوظ رکھنے کے لیے اسے شراب و جوا میں صرف کرنے کی کوئی گنجائش نہیں کہ اس میں ضیاعِ مال کے ساتھ حرام کا ارتکاب بھی ہے۔

(۵) الضرورات تبیح المحظورات۔

(۶) دلائل واضحہ و براہین ساطعہ سے یہ ثابت ہوا کہ جیون بیمہ ناجائز و حرام ہے لہٰذا جو زائد رقم حاصل ہوگی وہ ناجائز ہی رہے گی مگر اسے چھوڑ دینا مناسب نہیں بلکہ لیکر دفعِ ظلم کی کسی راہ پر لگا دیا جائے یا صدقہ کر دیا جائے۔

ھذا ما سنح لی بتوفیق اللہ عزوجل ولعلہ یأتی بما ھو خیر لنا منہ۔

---

(۱) اسلام کا اقتصادی نظام ص ۲۲۳ تا ص ۲۲۵ (۲) ماخوذ از کفل الفقیہ الفاہم۔

مولانا عبدالحق صاحب منارضوی
استاذ جامعہ اشرفیہ

جنرل انشورنس

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

یہ بات سب لوگوں پر اظہر من الشمس ہے کہ بیمہ ان نو پید چیزوں میں سے ہے جس کا تذکرہ نہ تو قرآن وحدیث میں صراحتاً موجود ہے نہ ائمہ مجتہدین کے کتب میں اس کا کوئی سراغ ملتا ہے۔ بلکہ دورِ حاضر میں جب وسائل زندگی کا پھیلاؤ ہوا جس کے نتیجے میں دنیا کے دور دراز ملکوں میں آپس میں سیاسی تجارتی، صنعتی، تعلیمی تعلقات بڑھے اور آمد ورفت کی کثرت ہوئی، تو جہاں پر اس کی وجہ سے برکت وخوشحالی آئی وہیں پر انسان کے جان ومال کے تلف ہونے کے اندیشے اور خطرات بھی بڑھ گئے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا ہی تھا کہ انسانی جان ومال کے تلف وضیاع کی صورت میں جو مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں ان کے تدارک اور حتی الوسع اس کی تلافی کی کوشش کرتے اور بیمہ انہیں مشکلات کے حل اور تلافی کی ایک امکانی کوشش کا نام ہے۔

قرآن وحدیث اور ائمہ مجتہدین کے اقوال میں اگرچہ صراحتاً اس کا ذکر نہیں لیکن جب ہمارا دین اسلام قیامت تک باقی رہنے والا ہے تو قیامت تک جتنی نئی چیزیں عالم وجود میں آئیں گی سب کا حکم شرع انہیں تینوں کی روشنی میں علماء امت غور وخوض کر کے معلوم کر سکتے ہیں۔ اور ان شاء اللہ ہر دور میں ایسے علماء کرام موجود ہوتے رہیں گے جو ہر نئے پیش آمدہ مسئلہ کا شرعی حل قرآن واحادیث اور ائمہ مجتہدین کے اقوال کی روشنی میں ڈھونڈ نکالیں گے۔

انشورنس کی حقیقت اور اسکی قسمیں

کسی بھی شرعی حکم کو معلوم کرنے سے قبل اس کی حقیقت کا جاننا اشد ضروری ہے اس لئے ہم ذیل میں اختصار کے ساتھ بیمہ کی حقیقت اور اس کی قسموں کو پیش کر رہے ہیں۔ ہندوستان میں عموماً دو قسم کے

انشورنس رائج ہیں۔

(۱) لائف انشورنس (جان کا بیمہ) (۲) جنرل انشورنس (اموال کا بیمہ)

لائف انشورنس۔ جان کا بیمہ اس کی جو صورت رائج ہے وہ یہ ہے کہ بیمہ کمپنی کسی شخص کی صحت اور تندرستی کو ڈاکٹر سے جانچ کروانے کے بعد، عمر کا اندازہ کر کے (مثلاً یہ شخص تیس سال کا ہے اور تیس سال مزید زندہ رہے گا۔) یا اس طرح کا معاہدہ کرتی ہے کہ وہ اتنی رقم اتنی مدت تک (جو رقم اور مدت کمپنی اور بیمہ کرانے والے کے درمیان طے ہو جائے) ہر ماہ یا تین مہینے پر ہر سال دیتا رہے گا۔ جو رقم ایک ماہ یا چھ ماہ یا سال بھر کے بعد قسط وار دی جاتی ہے، اس کو پریمیم کہتے ہیں اب اگر اس درمیان میں یعنی جو مدت دونوں کے درمیان مقرر ہوئی ہے بیمہ کرانے والے شخص کا انتقال ہو جائے خواہ طبعی طور پر یا کسی حادثہ کا شکار ہو کر تو کمپنی اس کے وارث کو جس کو بیمہ کرانے والے نے نامزد کر دیا تھا پوری رقم مثلاً پچاس ہزار طے بھی دیدے گی۔ اگرچہ بیمہ کرانے کے بعد ابھی چند ہی قسط بیمہ کرانے والے نے جمع کیا تھا۔ اور اس کی موت واقع ہو گئی۔ اور اگر اس مدت تک جو مقرر ہے بیمہ کرانے والا زندہ رہا تو اسں کو اصل رقم مع اضافہ کے جو طے شدہ ہے مل جائے گی۔

جیون بیمہ کی ایک خطرناک شرط | بیمہ کرانے والے کے لئے تین سال کی تمام قسطیں جمع کرنا لازم ہے اگر کسی وجہ سے نہیں جمع کرے گا تو جمع شدہ تمام قسطیں کمپنی ضبط کر لے گی۔ البتہ اگر بیمہ کمپنی میں اپنی مجبوری دکھائی گئی تو کمپنی نہ جمع ہونے کی پہلی میعاد سے مزید پانچ سال کی مہلت بیمہ دار کو دیتی ہے کہ اس مدت میں بقیہ قسطیں مع سود جمع کر کے اپنی پالیسی جاری کروائے۔ ہاں اگر مدت مقررہ یا موسمہ میں تین سال کی قسطیں جمع ہو گئیں تو بیمہ کی مدت پر مکمل ہو جانے کے بعد اس کو پوری رقم مع بونس مل جائے گی۔

مال کا انشورنس:۔ اس میں عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ بیمہ کمپنی کسی دوکان یا جائداد یا موٹر گاڑی، یا کسی اور قسم کے قیمتی مال کے مالک سے اس طرح کا معاہدہ کرتی ہے کہ مالک مال ہر چھ ماہ یا سال بھر پر ایک معین رقم کمپنی کو دیتا رہے گا (عام طور پر حادثہ بیمہ پالیسیاں بارہ ماہ کی مدت سے زیادہ عرصہ کے لئے جاری نہیں ہوتیں)۔

اس مدت کے گذرنے کے بعد اس کی تجدید کرانی لازم ہوگی اگر مقررہ مدت میں (جو بیمہ کمپنی اور بیمہ ہولڈر کے درمیان طے پاتی ہے۔ مال یا جائداد جس کا بیمہ ہوا ہے تلف ہو جائے یا کوئی نقصان پہونچ جائے تو بیمہ کمپنی اسں تلف یا نقصان شدہ مال کا معاوضہ بیمہ ہولڈر کو دے گی اگر مقررہ مدت میں کوئی نقصان واقع

نہ ہو تو جو رقم (یعنی پریمیم) کمپنی میں جمع کی گئی ہے وہ کمپنی کی ہو جائے گی۔ بیمہ ہولڈر کو اسے واپس لینے کا حق نہ ہوگا۔ جو لوگ انشورنس کی مذکورہ بالا دونوں قسموں پر گہری نظر ڈالیں گے ان پر یہ حقیقت آشکارا ہو جائے گی کہ انشورنس خواہ جان کا ہو یا مال کا قمار و ربٰو اور جہالت پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اس کو قطعی حرام ہونا چاہئے۔

لائف انشورنس میں سود کا عنصر

لائف انشورنس میں بیمہ ہولڈر اپنی رقم تو جمع کرے گا مثلاً تیس ہزار اور اسے کمپنی ادا کرے گی۔ مدت مقررہ کے گذر جانے کے بعد ساٹھ ہزار اور یہ خالص سود ہے ——— سود کی تعریف صاحب ہدایہ نے ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے۔ هو الفضل المستحق لاحد المتعاقدين في المعاوضة الخالي عن عوض شرط فيه [1] وہ زیادت جو لین دین میں ہو یا مبادلے میں ہو اس کی شرط لگائی گئی ہو اور وہ عوض سے خالی ہو۔

ہر زیادت کو سود نہیں کہتے ہیں بلکہ اس زیادتی کو (ربٰو) کہا جاتا ہے جو عوض سے خالی ہو اور معاہدہ میں اس کی شرط لگائی گئی ہو لہٰذا عوض سے خالی ہونا اور شرط لگانا یہی وہ بنیادی عناصر ہیں جن سے سود کا ڈھانچہ تیار ہوتا ہے۔ جیون بیمہ بھی ایک ایسا معاہدہ ہے جس میں منافع یا بونس جو دیا جاتا ہے وہ عوض سے خالی بھی ہے اور معاہدہ میں مشروط بھی ہے اس لئے پورے طور پر سود کی تعریف اس پر صادق آرہی ہے امام ابو بکر جصاص نے اپنی مشہور آفاق کتاب احکام القرآن میں جو ربٰو کی تعریف فرمائی ہے اس سے سود کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے آپ فرماتے ہیں:

هو القرض المشروط فيه الاجل و زيادة مال على المستقرض [2] ربٰو وہ قرض ہے جس میں میعاد اور زیادتی مال کی قرضدار کے اوپر شرط لگائی جائے۔

جنرل انشورنس میں قمار کا عنصر

مال کے بیمہ میں قمار کا عنصر پایا جاتا ہے اس لئے کہ اگر معینہ مدت میں کوئی حادثہ رونما ہوا جس کی وجہ سے اس کا مال ضائع ہو گیا یا اسے نقصان پہونچ گیا تو بیمہ کمپنی اس کی تلافی مافات کرے گی ورنہ جو رقم پریمیم کی شکل میں بیمہ ہولڈر نے جمع کیا ہے بیمہ کمپنی کی ہو جائے گی۔ گویا کہ اس میں نفع موہوم پر اپنے مال کو لگا رہا ہے کہ اگر ایسا حادثہ ہو گیا جس کی وجہ سے میرا مال برباد ہو گیا تو بازی جیت جاؤں گا ورنہ میری شکست ہو گی اور بیمہ کمپنی کی فتح اور یہ بلا شبہ قمار ہے۔ جو حرام ہے اور قرآن نے اس سے اجتناب کا سختی کے ساتھ حکم دیا ہے اور جوا وغیرہ کو عمل شیطان

[1] ہدایہ اخیرین جلد ۳ ص ۷۸ [2] احکام القرآن ج ۱ ص ۴۶۹

سے تعبیر کیا ہے اور مسلمانوں کی فلاح و کامرانی کو اس سے دور رہنے پر معلق فرمایا ہے۔

تعریفِ قمار:- لغت میں جوا اس کھیل کو کہتے ہیں جس میں شرط لگائی گئی ہو کہ جیتنے والا ہارنے والے سے کچھ لے گا۔ اور اصطلاحِ شرع میں بھی جوا کی حقیقت یہی ہے جیسا کہ خاتم المحققین علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے جوا کی شرعی تعریف ان الفاظ میں ارشاد فرمائی۔

القمار من القمر الذی یزید وینقص سمی القمار قمارا لان کل واحد من المقامرین ممن یجوز ان یذہب مالہ الی صاحبہ ویجوز ان یستفید مال صاحبہ [1]

قمار کا لفظ قمر سے بنا ہے جو کہ گھٹتا بڑھتا ہے اور جوا کا نام اسی لئے قمار رکھا گیا ہے کہ جوا کھیلنے والوں میں سے ہر ایک آدمی کے مال ہر دم گھٹنے اور بڑھنے کا امکان رہتا ہے کہ اس کا مال اسکے مقابل کو مل جائے اور دوسرے کا اس کی طرف چلا آئے۔

لہٰذا بغیر کسی شک و شبہ کے بیمہ املاک میں جوا کا عنصر ہونے کی وجہ سے اسے قطعی ناجائز ہونا چاہئے۔

جیون بیمہ میں شرط فاسد کا تحقیق بیمہ کمپنی بیمہ ہولڈر سے یہ شرط لگاتی ہے کہ اگر تین سال کی تمام قسطیں نہ جمع ہوئیں تو تمہاری جمع شدہ قسطیں سوخت ہو جائیں گی اور تمہیں ایسی صورت میں کچھ بھی نہ ملے گا بلا شبہ یہ ایک ایسی شرط فاسد ہے جو یقیناً ناجائز اور خلاف شرع ہے ——— ماقبل میں جیون بیمہ یا املاک بیمہ میں ہم نے سود، جوا، شرط فاسد وغیرہ کے تحقق کا جو تذکرہ کیا ہے وہ اس صورت میں ہے کہ جب یہ معاملات مسلم یا ذمی یا مستامن وغیرہ سے کئے جائیں تو وجوہ مذکورہ کی وجہ سے ناجائز و حرام ہوں گے۔

اور اگر یہ معاملات حربی کفار سے کئے جائیں تو قطعی جائز ہوگا اس شرط کے ساتھ کہ اس میں نفع مسلم ہی کا ہو اور اگر مسلم کا نقصان ہو اور حربی کا فائدہ تو ناجائز و حرام ہوگا۔

مسئلہ دائرہ کی تنقیح کے لئے مندرجہ ذیل مقدمات کا ذہن نشین کر لینا ضروری ہے۔

مقدمۂ اولیٰ:- کفار کی تین قسمیں ہیں۔ ذمی، مستامن، حربی۔

ذمی۔ وہ کافر ہے جو دار الاسلام کا باشندہ ہو اور حاکم اسلام سے عقد ذمہ کر کے بطریق شرعی جزیہ دیتا ہو۔

مستامن۔ وہ غیر مسلم ہے جو دار الحرب کا باشندہ ہو اور میعاد مقررہ حاکم اسلام سے امان لے کر

[1] رد المحتار

مدت متعینہ تک کے لئے عارضی طور پر دارالاسلام میں ہو۔

حربی ۔ وہ غیر مسلم ہے جو نہ ذمی ہو نہ مستامن ۔ پھر حربی کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو دارالاسلام میں رہتا ہو مگر نہ اس نے حاکم اسلام سے عقد ذمہ کیا ہے اور نہ جزیہ دیتا ہے۔ خواہ اس بنا پر کہ وہاں حکومت اسلام ہی نہیں جیسے اس وقت ہندوستان کی حالت ہے۔ خواہ اس وجہ سے کہ حاکم نے تساہلی کی وہ ان سے بطریق شرعیہ جزیہ نہیں لیتا جیسا کہ سلطان محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کے عہد کے غیر مسلموں کے بارے میں ان کے استاذ عارف باللہ ملا احمد جیون قدس سرہ نے تفسیرات احمدیہ میں یہ لکھا ہے۔

ان ھم الاحربیون وما یعقلہا الا العالمون — اس زمانہ کے غیر مسلم حربی ہی ہیں اسے صرف علم والے ہی سمجھ سکتے ہیں۔

مقدمۂ اولیٰ کی تفصیلات حضرت شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی کے ایک مطبوعے سے ماخوذ ہے [1] دوسرے وہ حربی غیر مسلم جو دارالحرب میں رہتے ہوں۔

مقدمۂ ثانیہ :۔ سود کی جو تعریف میں نے ہدایہ کے حوالے سے نقل کیا ہے اس کے تحقق کے لئے ہمارے ائمۂ احناف نے متعدد شرطیں لگائی ہیں جیسے کہ عاقدین کے درمیان شرکت مفاوضہ ؛ ہو شرکت عنان نہ ہو اور اس کی ایک بنیادی شرط یہ بھی ہے کہ بدلین کا معصوم ہونا ضروری ہے کہ ان کے تلف کرنے پر ضمان لازم آتا ہے۔ جیسا کہ خاتم المحققین علامہ شامی فرماتے ہیں :

ومن شرائط الربو عصمۃ البدلین وکونہما مضمونین بالاتلاف فعصمۃ احدھما وعدم تقوم بہ الاخر لایمنع [2] — ربو کے شرائط میں سے بدلین کا معصوم ہونا ہے اور تلف کرنے پر موجب ضمان ہونا ہے۔ تو ان میں سے ایک معصوم ہونا اور دوسرے کا بے قیمت ہونا ممنوع نہیں کرتا۔

مقدمۂ ثالثہ :۔ ہندوستان دارالاسلام ہے اور اس کے غیر مسلم باشندے حربی کفار ہیں اس مسئلہ کی تحقیق کو مجدد اعظم اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے اپنے رسالہ مبارکہ ...... اعلام الاعلام بان ھندوستان دارالاسلام » میں اس بلندی تک پہونچا دیا ہے کہ اب اس میں مزید قیل وقال کی گنجائش نہیں ہے اور یہ چیز اہل علم پر پوشیدہ نہیں ہے کہ انتفاء ربو کی علت حربی اور مسلمان کے درمیان حربیوں کے مال کا مباح اور غیر معصوم ہونا ہے۔

اور یہاں پر تشریف فرما علماء اور مفتیان عظام کے بارے میں میں بخوبی جانتا ہوں کہ ان پر

---

[1] مطبوعہ ماہنامہ (اشرفیہ) شمارہ ستمبر ۱۹۸۸ء [2] ردالمحتار ج ۴ ص ۱۸۶ ۔

حقیقت بھی عیاں ہے کہ انتفاء ربوٰ کی علت اس معاملہ میں دارالحرب میں ہونا ضروری نہیں ہے اور یہ جو حدیث میں فرمایا گیا ۔ لا ربوٰ بین المسلم والحربی فی دارالحرب ۔ یعنی مسلمان اور حربی کے درمیان دارالحرب میں ربوٰ نہیں ہے اس میں ۔ فی دارالحرب کی قید اتفاقی ہے احترازی نہیں ہے کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ کوئی حربی حربی رہتے ہوئے دارالاسلام میں رہ سکے ۔ کیونکہ بغیر امان لئے رہنا ممکن ہی نہ تھا اور جو امان لے کر آیا ہے تو حربی نہیں رہے گا بلکہ مستامن ہو جائے گا ۔ خلاصہ یہ کہ حربی اور مسلمان کا اجتماع دارالحرب ہی میں ممکن تھا اس لئے حدیث میں فی دارالحرب کی قید کو بڑھایا اس پر دو قرینہ شاہد عدل ہیں ۔

اول :۔ یہی حدیث اختلافِ الفاظ کے ساتھ یوں مروی ہے ۔

لا ربوٰ بین اھل الحرب داظنہ قال داھل الاسلام

اگر انتفاء ربوٰ صورت مذکورہ میں دارالحرب کے ساتھ خاص ہوتا تو یہ قید اس حدیث میں بھی ضروری ہوتی ۔

دوم :۔ مسلم اور حربی کافر کے درمیان سود کا عدم تحقق ان کے اموال کا فی نفسہ مباح و غیر معصوم ہونا ہے جیسا کہ صاحب ہدایہ رقمطراز ہیں ۔

لان مالھم مباح فی دارھم فبای طریق اخذہ المسلم اخذ مالاً مباحاً اذا لم یکن فیہ غدر ۔ ؎

اس لئے کہ ان کا مال ان کے دار میں مباح ہے جو بغیر غدر و فریب کے مسلمان جس طرح بھی لے گا مال مباح لے گا ۔

منقولہ بالا عبارت میں امام برہان الدین مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ مسلم اور حربی کافر کے درمیان انتفاء ربوٰ کی علت دار کو نہیں ٹھہرا رہے ہیں بلکہ کفار کے اموال کا فی نفسہ مباح اور غیر معصوم ہونا بتا رہے ہیں ۔ خلاصہ اس کا یہ ہوا کہ سود حرام کی حرمت زمانی و مکانی حد بندی سے بلند ہے شریعت مطہرہ نے جسے سود فرمایا ہے اگر اس کے جملہ شرائط پائے جاتے ہیں تو وہ سود ہی رہے گا ۔ اور حرام خواہ وہ جگہ دارالاسلام ہو یا دارالحرب اور اگر اس کے تحقق کے جملہ شرائط یا ان میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو سود نہ ہوگا خواہ وہ معاملہ دارالاسلام میں ہو خواہ دارالحرب میں ۔

مقدمۂ رابعہ :۔ عقود فاسدہ حربی کفار کے ساتھ جائز ہے جیسا کہ امام ابوبکر جصاص اپنی مشہور زمانہ کتاب احکام القرآن میں اس حربی کے بارے میں جو دارالحرب میں اسلام لایا اور اس نے دارالاسلام

؎ درایہ فی تخریج احادیث الہدایہ قبیل کتاب الحقوق

کی طرف ہجرت نہیں کی اس کے متعلق بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

مالہ کمال الحربی من هذا الوجه و لذالک اجاز ابو حنیفة مبایعته علی سبیل ما یجوز مبایعة الحربی من بیع الدرهم بالدرهمین فی دار الحرب [1]

اس مسلمان کا جو دار الحرب میں ہو اس کا مال حربی کے مال کی طرح ہے (یعنی اس کے تلف کرنے والے پر تاوان کے واجب نہ ہونے میں) اور اسی وجہ سے امام اعظم نے اسکے ساتھ خرید و فروخت کی وہ صورت جائز رکھی ہے جو حربی کے ساتھ جائز رکھی ہے یعنی دار الحرب میں ایک درہم کو دو درہم کے عوض بیچنا۔

لیکن یہ عقود فاسدہ اسی صورت میں درست ہوں گے جبکہ فائدہ صرف مسلمان کو اس کے ذریعہ پہونچے ورنہ بصورت دیگر قطعی جائز نہ ہوں گے جیسا کہ محقق علی الاطلاق صاحب فتح القدیر اس حقیقت کو اس طرح واضح فرما رہے ہیں :۔

قد التزم اصحاب الدرس ان مرادهم من حل الربو والقمار ما اذا حصلت الزیادة للمسلم وکان الغلب له نظرا الی العلة [2]

اصحاب درس نے التزام کیا ہے کہ قمار کی مراد ربا اور قمار کے حلال ہونے سے اس صورت میں ہے کہ فائدہ مسلمان کو پہنچے اور غلبہ اسی کیلئے ہو علت کیطرف نظر کرتے ہوئے۔

اور اس میں بھی علمائے اہلسنت کے لئے بیت ولعل کی زیادہ گنجائش نہیں ہے کہ جب ہندوستان کے کفار حربی ہیں اور حکومت پر تسلط انھیں کفار کو ہے اگرچہ نام کی جمہوریت ہے لیکن شرع میں اعتبار عملدرآمد کا ہوتا ہے کہ نہ کہ غذی خانہ پری کا۔ اور بیمہ کمپنی کو سنہ ۱۹۱۴ ہی میں گورنمنٹ نے اپنی تحویل میں لے لیا ہے اس لئے بالخصوص بیمہ کی وہ صورت جس میں مسلمان کا نقصان نہ ہو جائز ہونا چاہئے۔ قول فیصل مجدد اعظم اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں بیمہ سے متعلق متعدد بار سوال کیا گیا ہے جیسا کہ فتاوی رضویہ کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے ۔ امام موصوف نے بیمہ کے جواز کا بھی فتویٰ دیا ہے ۔ اور عدم جواز کا بھی ۔ اور احقر کے نزدیک دونوں قسم کے فتوے اپنی جگہ پر صحیح ہیں ۔۔۔۔ اس لئے کہ جب سائل نے اس انداز میں سوال کیا ۔ کہ بیمہ کرنے والے کو سراسر اس میں نفع ہی پہونچنا ظاہر کیا اور نقصان کی کوئی صورت نہ لکھا تو اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ۔ اور جب سائل نے مسلمان بیمہ کرنیوالے کے نقصان کے اندیشہ کا اظہار کیا تو آپ نے عدم جواز کا حکم دیا ۔

اب ہم ذیل میں دونوں قسم کے فتوے نقل کر رہے ہیں ۔

---

[1] احکام القرآن ج ۲ ص ۲۱۰ [2] فتح القدیر ج ۵ ص ۲۰۱

مولانا مفتی محمد معراج القادری صاحب
رکن مجلس شرعی واستاذ جامعہ اشرفیہ مبارکپور

جیون بیمہ

پریمیم شرعاً نہ امانت ہے نہ کفالت وضمانت اور نہ ہی قرض، کیونکہ یہ سب اپنے مفاہیم اصلیہ اور شرائط لازمہ کے اعتبار سے اس پر صادق نہیں۔ ذیل میں ہر ایک کی تعریف فقہ کی مستند کتابوں سے درج کی جاتی ہے جن سے مسئلہ دائرہ کی توضیح بخوبی حاصل ہوگی۔

فتاویٰ عالمگیری میں ودیعت کی یہ تعریف کی گئی ہے۔ فالایداع ہو تسلیط الغیر علی حفظ ماله[1] یعنی ایداع کسی دوسرے شخص کو اپنے مال کی حفاظت پر مقرر کر دینے کا نام ہے۔ اور اس مال کو جسکی حفاظت کے لئے دوسرے کو مقرر کیا گیا اسے ودیعت کہتے ہیں جسے عام طور سے امانت سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ جسکے تلف ہونے پر شرعاً وجوب ضمان کا حکم نہیں۔ ودیعت رکھنے کا جواز نص قطعی سے ثابت ہے۔

ارشاد ہے۔ ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اهلها۔ دوسری جگہ ہے وانا به زعیم، میں اس کا کفیل وضامن ہوں۔ ودیعت میں مال رکھنے والے کو مودِع اور جسکی حفاظت میں رکھا گیا اسے مودَع کہتے ہیں۔ اسی میں ودیعت کا حکم یہ بیان کیا گیا ہے۔

اما حکمها فوجوب الحفظ علی المودع وصیرورة المال امانة فی یده ووجوب ادائه عند طلب مالکه کذا فی الشمنی۔ والودیعة لا تودع ولا تعار ولا تؤاجر ولا ترهن وان فعل شیئا منها ضمن کذا فی البحر الرائق[2] بہار شریعت میں ہے:

ودیعت کا حکم یہ ہے کہ وہ چیز مودَع کے پاس امانت ہوتی ہے اس کی حفاظت مودَع پر واجب ہوتی ہے اور مالک کے طلب کرنے پر دینا واجب ہوتا ہے۔ ودیعت ہلاک ہوجائے تو اس کا ضمان واجب نہیں۔ ودیعت کو نہ دوسرے کے پاس امانت رکھ سکتا ہے نہ عاریت یا اجارہ پر دے سکتا ہے نہ گروی رکھ سکتا ہے ان میں سے کوئی کام کرے گا تو تاوان دینا ہوگا[3]

---

[1] فتاویٰ عالمگیری ج ۴ ص ۳۳۰ [2] ایضاً [3] بہار شریعت حصہ چہاردہم ص

ودیعت کے احکام کا جائزہ لینے کے بعد یہ امر بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ بیمہ کمپنی میں بیمہ کرانے والے کی طرف سے جمع شدہ رقم ودیعت نہیں ہوتی۔ اولاً اسلئے کہ ودیعت میں مالک کے طلب کرنے پر اس کی چیزوں کا دینا واجب ہوتا ہے، جبکہ بیمہ کمپنی میں یہ شرط ہے کہ جمع شدہ رقم مع منافع کے اسی وقت واپس ہوگی کہ جب اس کی میعاد مکمل ہو جائے۔

ثانیاً اس لئے کہ کمپنی میں جمع کردہ تمام رقم کمپنی میں باقی اور محفوظ نہیں رہتی بلکہ کاروبار اور تجارت میں گردش کرتی رہتی ہے۔ جبکہ یہ امانت کے خلاف ہے۔

ثالثاً اگر یہ رقم کمپنی سے ہلاک ہو جائے تب بھی بیمہ کرانے والا یا اس کے ورثا بیمہ پالیسی کے معاہدے اور شرائط کے مطابق اختتام میعاد پر جمع شدہ رقم مع منافع وصول کر لیتے ہیں اور کمپنی کو حسب قرارداد لازماً رقم دینی پڑتی ہے۔

رابعاً۔ بیمہ کرانے والا اگر کمپنی کی شرط کے مطابق مسلسل تین سال تک تمام قسطیں جمع نہ کر سکا بلکہ کسی وجہ سے کچھ قسطیں جمع ہونے سے رہ گئیں اور توسیعی مدت بھی گذر گئی اور بیمہ دار باقی ماندہ قسطیں جمع کرنے سے قاصر رہا تو اس کا کھاتہ بند کر کے اس کی تمام جمع شدہ رقم ضبط کر لی جاتی ہے جو شکل ودیعت کے سراسر مخالف ہے۔

خامساً۔ کمپنی بیمہ دار کی رقم نہ امانت و ودیعت کے کر لیتی ہے اور نہ ہی بیمہ دار بطور امانت دیتا ہے جبکہ ودیعت کے لئے ایجاب و قبول صراحتہً یا دلالۃً ضروری ہوتے ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ ودیعت و بیمہ کمپنی کے احکام و شرائط کے تجزیہ سے یہ بالکل عیاں ہو جاتا ہے کہ پریمیم شرعاً ودیعت نہیں۔

چہارم: بیمہ کفالت بھی نہیں اصطلاح شرع میں کفالت کے یہ معنی ہیں کہ ایک شخص اپنے ذمہ کو دوسرے کے ذمہ کے ساتھ مطالبہ میں ضم کر دے یعنی مطالبہ ایک شخص کے ذمہ تھا دوسرے نے بھی مطالبہ اپنے ذمہ لے لیا خواہ وہ مطالبہ نفس کا ہو یا دین یا عین کا۔ (بہار شریعت)

درمختار میں ہے:۔ هی ضم ذمة الكفيل الى ذمة الاصيل فی المطالبة مطلقا بنفس او بدين او عين [1]

جس کو مطالبہ ہے اس کو طالب و مکفول لہ کہتے ہیں اور جس پر مطالبہ ہے وہ اصیل و مکفول عنہ ہے اور

---

[1] درمختار ص ۲۷۸ ج ۴

جس نے ذمہ داری کی وہ کفیل ہے اور جس چیز کی کفالت کی وہ مکفول بہ ہے (بہار شریعت بحوالہ در مختار)

کفالت کی تعریف مذکور اور اسکے ارکان پر غور کرنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جیون بیمہ کفالت کے قبیل سے بھی خارج ہے اسلئے کہ کفالت کے تحقق کے لئے کفالت کے ارکان کا وجود ضروری ہے۔ جو یہ ہیں:

مکفول لہٗ ۔ مکفول عنہٗ ۔ کفیلؔ ۔ مکفولؔ بہٖ

زندگی بیمہ کی وضاحت سے متعلق سوالنامہ میں کارپس کے حوالہ سے ہے۔

یہ ایک ایسا معاہدہ ہے جسکے تحت بیمہ کمپنی بیمہ کرانے والے کی موت پر یا ایک مقررہ مدت گذر جانے کے بعد ان میں سے جو بھی پہلے واقع ہو ایک مقررہ رقم کی ادائگی کی ذمہ داری لیتی ہے۔ (سوالنامہ ص۶)

اقتباس بالا میں لائق توجہ یہ امر ہے کہ کفالت کے جو چار بنیادی اصول ہیں وہ یہاں متحقق ہیں یا نہیں۔!

اقتباس سے ظاہر یہی ہے کہ کفالت کی بنیادی چیزیں مفقود ہیں اس لئے کہ مکفول لہٗ یہاں بیمہ دار ہوگا اور مکفول عنہٗ بیمہ کمپنی۔ اور مکفول بہٖ جس چیز کا بیمہ کرایا گیا اور کفیل اگر خود کمپنی کو قرار دیا جائے جیسا کہ حوالۂ مذکورہ سے ظاہر ہے تو مکفول عنہٗ اور کفیل دونوں ایک ہو جائیں گے تو کفالت کی شکل یہیں سے مفقود۔ اور اگر حکومت ہند کو کفیل ٹھہرایا جائے جیسا کہ تجارتیہ جیون بیمہ نگم کی کتاب کے حوالے سے سوالنامہ میں ذکر ہے۔

بیمہ داروں کے ذریعہ پالیسی کی مد میں کمپنی کو دیا گیا روپیہ بونس کے ساتھ مکمل محفوظ رہتا ہے کیونکہ اس کی حفاظت کی گارنٹی حکومت ہند دیتی ہے۔ (سوالنامہ ص۶)

اقتباس بالا کی روشنی میں کفیل اگر حکومت ہند کو قرار دیا جائے کہ بہت سی کمپنیاں پرائیویٹ بھی ہوتی ہیں مگر گورنمنٹ سے رجسٹرڈ اور ملک کے دستور اساسی منظور شدہ اگر کمپنی کی کسی خلاف قانون زیادتی اور بیمہ کرانیوالے کی حق تلفی کرنے پر اسے قانونی چارہ جوئی کا حق حاصل ہوتا ہے تو اس صورت میں اگرچہ مکفول عنہٗ اور کفیل دونوں جدا جدا ہوئے تاہم مکفول بہٖ کا تعین نہایت مشکل ہوتا ہے اس لئے کہ مکفول بہٖ قرار دینے کے لئے تین چیزیں ممکن ہیں۔ (۱) بیمہ کرانے والا (۲) بیمہ کرانے والے کی جمع شدہ رقم (۳) کسی حادثہ یا موت پر حسب قرارداد متعین رقم۔ اگر مکفول بہٖ بیمہ کرانے والے کو قرار دیا جائے تو مکفول لہٗ اور مکفول بہٖ دونوں ایک ہو جائیں گے جو مفہوم کفالت کے بالکل خلاف ہے۔ اور اگر بیمہ کرانے والے کی جمع شدہ رقم یا حادثہ پر مقررہ رقم ہو تو یہ بھی صحیح نہیں اسلئے کہ کسی شئے کے مکفول بہٖ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ دین صحیح ہو اور جمع شدہ یا حادثہ پر مقررہ رقم دین نہیں جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

پریمیم قرض بھی نہیں

بیمہ کمپنی میں بیمہ کرانے والا جو بالاقساط رقم جمع کرتا ہے وہ قرض بھی نہیں اولاً اسلئے کہ رقم جمع کرنے والے کی نیت قرض دینے کی نہیں ہوتی بلکہ اسکے حاشیۂ ذہن

میں یہ تصور نہیں ہوتا کہ اس نے قرض دیا ہے وہ یہی کہتا ہے کہ میں نے اپنے روپئے بینک میں جمع کئے ہیں یا میں جیون بیمہ کے لئے قسط اور رقم جمع کرتا آیا ۔ ثانیاً اگر اسے قرض مانا جائے تو قبل از میعاد مقرض کو حق مطالبہ حاصل ہونا چاہیے اور مستقرض کو اسکے مطالبہ پر رقم واپس کرنا لازم ہونا چاہیے کہ قرض میں دائن کو قبل میعاد حق مطالبہ حاصل رہتا ہے ۔ ہدایہ میں ہے ۔

وکل دین حال اذا اجله صاحبه صار موجلا الا ما ذکرنا الا القرض ۔ (ہدایہ آخر بیوع ص ۶۰)

ہندیہ میں ہے ۔ وفی التجرید لو اقرض موجلا او شرط التاجیل بعد القرض فالاجل باطل والمال حال ۔ (ہندیہ جلد ۳ ص ۲۰۳)

اس جزئیہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر میعاد مقرر کر کے قرض دے تو میعاد باطل ہے ۔ اور مسئلہ دائرہ میں پریمیم کی شکل اگر قرض کی ہو تو جب بیمہ کرانے والا مثلاً دس پندرہ سال متعینہ مدت کے لئے رقم دیتا ہے تو متعینہ مدت باطل ہو اور بیمہ کرانے والے کو قبل از میعاد مطالبہ کرنے پر اس کی جمع شدہ رقم کمپنی کو دینا لازم ہو حالانکہ مدت مقررہ سے پہلے ایک پیسہ بھی بیمہ کرانے والا نہیں پا سکتا اور نہ کمپنی پر بھی اپنی شرائط کے مطابق اس کے مطالبے کو پورا کرنا لازم نہیں ۔ ثالثاً ۔ قرض ماننے کی صورت میں یہ بھی خرابی لازم آئے گی کہ اگر قسط کی رقم کمپنی کے ایجنٹ سے ضائع ہو جائے یا وہ ضائع کر دے یا وہ خود اپنے مصرف میں لے آئے اور کمپنی میں لے جا کر جمع نہ کرے تو کمپنی کو قسط دینے والے کی ضائع شدہ رقم بھرنا چاہیے کیونکہ بیمہ کرانے والے نے یہ رقم بیمہ کمپنی کو قرض دی ہے نہ کہ اسکے ایجنٹ کو ۔ ایجنٹ تو واسطہ محض ہے بیمہ کرانے والا یہی سمجھتا اور کہتا ہے کہ میں نے بیمہ کمپنی میں رقمیں جمع کی ہیں کوئی کہتا ہے کہ میں نے اپنا اثاثہ یہاں جمع کر رکھا ہے کوئی کہتا ہے کہ میں جیون بیمہ نگم میں جمع کر رہا ہوں اور یہ ظاہر ہے کہ ایجنٹوں کو بیمہ کمپنی ہی بھیجتی ہے جو گھر گھر دوڑ دھوپ کر کے کمپنی کا ممبر بناتے رہتے ہیں ، اور اپنی میٹھی میٹھی خوشنما باتوں سے کمپنی کا ممبر بنا لیتے ہیں اور کمپنی کے لئے رقم وصول کر لیتے ہیں ۔ حالانکہ ایجنٹ سے رقم ضائع ہو جانے یا جمع نہ کرنے پر بیمہ کرانے والا بیمہ کمپنی سے کوڑی بھی نہیں پا سکتا اور یہ صورت قرض کے بالکل خلاف ہے فقہاء صاف فرماتے ہیں کہ اگر آقا نے اپنے کسی نوکر کو کسی سے قرض لانے کے لئے بھیجا اور نوکر نے آکر اس شخص سے کہا کہ میرے آقا کو پچاس روپئے دیدے یا میرے آقا تجھ سے پچاس روپئے قرض مانگتے ہیں تو یہ قرض آقا کے ذمہ ہے فتاویٰ ہندیہ میں ہے ۔

ولو بعث رجلا یستقرضه الف درهم فاقرضه فضاع فی یده ان قال الرسول اقرض فلانا المرسل فهی للمرسل وعلیه الضمان ۔ (ج ۳ ص ۲۰۶)

ایسا ہی حکم شامی میں بھی مذکور ہے ۔ پریمیم ضمان درک بھی نہیں ضمان درک یہ ہے کہ کوئی کہے کہ جو کچھ

تمہارا فلاں پر ہے تو میں اس کا ضامن ہوں یا یہ کہ اگر مبیع میں اگر دوسرے کا حق ثابت ہو تو ثمن کا میں ذمہ دار ہوں۔

(درمختار علی ہامش ردالمحتار جلد ۴ ص ۲۹۴)

.. یہ واضح ہو چکا کہ زندگی بیمہ کی جمع شدہ رقم دین صحیح کے قبیل سے نہیں کہ کفالت کے قبیل سے ہو جیسی ضمان درک ہے، یہ دینے کا ہے زاختیاری اور زندگی بیمہ کی جمع کردہ رقم دین سے نہیں۔

پریمیم سوکرہ بھی نہیں۔ علامہ شامی نے سوکرہ کے جواز کی جو صورت تحریر فرمائی ہے وہ پریمیم نہیں اسلئے کہ سوکرہ اسے کہتے ہیں کہ مال اسلئے دیا جائے کہ مال نقصان ہو جانے پر بھرنے کی ضمانت ہو اسلئے کہ سوکرہ میں منافع ہی منافع ہے اور بیمہ کے ساتھ نقصان کا بھی پہلو ہے لہٰذا یہ سوکرہ کے قبیل سے نہیں۔

پریمیم کی تشکیل قمار کی ہے

میرے خیال میں بیمہ کمپنی میں بیمہ کرانے والے کی جمع شدہ رقم قمار کی ہے کہ قمار کا مفہوم پریمیم پر صادق آتا ہے۔ المنجد میں قمار کا یہ معنی بتایا گیا ہے۔

القمار کل لعب یشترط فیه ان یاخذ الغالب من المغلوب شیئا سواء کان بورق او غیرہ [1]

قمار ایسا کھیل ہے جس میں یہ شرط رکھی گئی ہو کہ جیتنے والا ہارنے والے سے کچھ لیگا خواہ یہ جیت پتوں سے ہو یا کسی دوسری چیز سے۔

شامی میں ہے: القمار من القمر الذی یزید وینقص وسمی القمار قمارا لان کل واحد من المقامرین ممن یجوز ان یذهب ماله الی صاحبه ویجوز ان یستفید مال صاحبه [2] قمار کا لفظ قمر سے مشتق ہے جو کہ گھٹتا بڑھتا ہے اور قمار کا نام قمار اسلئے رکھا گیا ہے کہ جوا کھیلنے والوں میں سے ہر ایک کے مال میں ہر وقت گھٹنے بڑھنے کا امکان رہتا ہے کہ اس کا مال اس کے مقابل کو مل جائے اور اسکے مقابل کا مال اس کی طرف آ جائے۔ تفسیر روح المعانی میں ہے:

وفی حکم ذلك جمیع انواع القمار من النرد والشطرنج وغیرهما حتی ادخلوا فیه لعب الصبیان بالجوز والکعاب والقرعة من غیر القسمة وجمیع المخاطرة وعن ابن سیرین کل شیء فیه خطر فهو المیسر [3]

اس حکم میں قمار کی تمام قسمیں شامل ہیں نرد اور شطرنج اور ان کے علاوہ یہانتک کہ علماء نے اس میں اخروٹ اور مہروں سے بچوں کے کھیل اور تقسیم کے بغیر قرعہ اندازی اور ہر قسم کی ہار جیت والی بازیاں اور شرطیں شامل کی ہیں۔ ابن سیرین نے فرمایا کہ جس میں خطرہ ہو وہ جوا ہے۔

---

[1] المنجد ص ۔۔۔ [2] ردالمحتار [3] تفسیر روح المعانی ج ۲ ص ۱۱۴

قمار کی لغوی اور شرعی تحقیق سے یہ معلوم ہوا کہ قمار میں ہر وقت ہارنے جیتنے کا امکان رہتا ہے کہ منٹوں سیکنڈوں میں لکھ پتی بھی بن سکتا ہے اور اسی ایک لمحہ میں بربادی اور تباہی کے دہانے پر پہونچ سکتا ہے کہ اس میں جس طرح کثیر منافع آسانی دستیاب ہو سکتی ہے اسی طرح بھاری نقصان سے دوچار ہو سکتا ہے۔ اسی لئے قرآن مقدس نے اسے لفظ میسر سے تعبیر فرمایا ہے جو یسر سے مشتق ہے جس کا لغوی معنی سہل اور آسانی کے ہیں کہ یہ آسانی منافع کثیرہ بھی حاصل کر سکتا ہے اور بھاری نقصان بھی اٹھا سکتا ہے۔ حاصل یہ کہ قمار میں جب منافع کا حصول متعین نہیں بلکہ موہوم ہے تو یقیناً یہی معنی بیمہ پر اس کی شرط کے ساتھ صادق ہے۔

سوالنامہ میں ٹریٹمنٹ کے قول.. کے حوالے سے ہے۔

...بیمہ دار کے لئے تین سال کی تمام قسطیں حسب قرارداد بیمہ کمپنی میں جمع کرنی ضروری ہیں۔ اگر کسی وجہ سے کچھ قسطیں جمع ہونے سے رہ گئیں تو اب ان کے جمع ہونے کی پہلی میعاد سے مزید پانچ سال کی مہلت بیمہ دار کو دی جاتی ہے کہ وہ چاہے تو اس مدت میں کبھی بھی بقیہ قسطیں یک مشت مع سود جمع کرکے اپنی پالیسی جاری کرے لیکن اگر یہ مدت میعاد بھی گذر گئی اور بیمہ دار باقی ماندہ قسطیں جمع کرنے سے قاصر رہا تو اس کا کھاتہ بند کرکے اس کی تمام جمع شدہ رقم ضبط کرلی جاتی ہے یا بیمہ کمپنی کی اصطلاح میں وہ رقم لیپس یعنی سوخت ہو جاتی ہے جو بیمہ کمپنی کی ملک ہو جاتی ہے۔ (سوالنامہ ص ۳)

بیمہ زندگی کی مذکورہ بالا لازمی شرط سے صاف عیاں ہے کہ بیمہ کرانے والے کا تمام منافع اس لازمی شرط کے پورا کرنے پر موقوف ہے اور اس شرط کے پورے نہ ہونے پر منافع نقصان یا جیت دونوں کا امکان ہے اسلئے بہرحال یہ جوا ہے جس کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے ارشاد ہے۔

يا ايها الذين آمنوا انما الخمر والميسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه لعلكم تفلحون[1] اے ایمان والو! شراب جوا بت اور پانسے یہ سب ناپاک ہی ہیں شیطانی کام ہے تم ان سے بچتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

مال مباح کو حصول بذریعہ عقد فاسد حربی کافر سے جائز ہے

مذکورہ تمام حوالجات کی روشنی میں ہم نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ بیمہ کمپنی میں رقم جمع کرنا قمار کے قبیل سے ہے جو حرام بنص قطعی ہے لیکن کیا حربی کافر کا مال قمار یا

---

[1] المائدہ آیۃ ۹۔

دوسرے عقود فاسدہ کے ذریعہ حاصل کرنا جائز ہے ؟ — کتب فقہ میں صدہا جزئیات اور احکام موجود ہیں جو اس کے جواز پر شاہد ہیں ۔ وجہ یہ ہے کہ حربی کا مال مباح ہے اور مال مباح صاحب مال کی رضا مندی سے عقود فاسدہ کے ذریعہ لیا جا سکتا ہے ۔ ہدایہ میں ہے ۔

لأن ماله مباح في دارهم فبأي طريق أخذه المسلم أخذ مالاً مباحاً إذا لم يكن فيه غدر بخلاف المستأمن منهم لأن ماله صار محظوراً بعقد الأمان ۔ [1]

شامی میں ہے ۔

وبما بيعهم الدرهم بدرهمين نقدا او نسيئة او بيعهم بالخمر والخنزير والميتة فلا بأس لأن ماله ان يأخذ اموالهم برضاهم في قولهما ولا يجوز شيئا من ذلك في قول ابي يوسف ۔ [2]

مبسوط میں ہے :

وهذا لأن مال الحربي مباح ولكن المسلم بالاستيمان ضمن لهم ان لا يخونهم وان لا يأخذ منهم شيئا إلا بطيب انفسهم ۔ [3]

بدائع صنائع میں ہے ۔

ولهذا ان مال الحربي ليس بمعصوم بل هو مباح في نفسه ۔ [4]

مذکورہ بالا تمام عبارات کا حاصل یہ ہے کہ حربی کافر کا مال چونکہ مباح ہے غیر معصوم ہے اس لئے وہ غدر و فریب اور خیانت کے علاوہ خرید و فروخت اور قمار کے طریقے پر حاصل ہو یا دوسرے عقود فاسدہ کے ذریعے مسلمان کے لئے حلال و جائز ہے ۔ شامی میں ہے ۔ سیر کبیر اور اس کی شرح کے حوالے سے ہے ۔ اذا دخل المسلم دار الحرب بأمان فلا بأس بأن يأخذ منهم اموالهم بطيب انفسهم بأي وجه كان لأنه انما اخذ المباح على وجه عري عن الغدر فيكون طيبا له حتى لو باعهم درهما بدرهمين او باعهم ميتة بدراهم او اخذ مالا منهم بطريق القمار فذلك كله طيب له اه ملخصا ۔ [5]

دار الاسلام میں بھی مال حربی غیر معصوم

یہاں مال حربی کے غیر معصوم ہونے کے لئے دار کی تخصیص نہیں کہ دار الحرب میں عقود فاسدہ کے ذریعہ حصول مال جائز ہو اور دار الاسلام میں ناجائز ۔

یہ تو بالکل ظاہر ہے کہ حدیث میں جو ارشاد ہوا الا ربوا بين اهل الحرب واظنه قال واهل الاسلام

[1] ہدایہ ج ۲ ص ۷۰ [2] رد المحتار ج ۴ ص ۱۸۸ [3] مبسوط ج ۱۴ ص ۵۶ [4] بدائع صنائع ج ۵ ص ۱۹۲ [5] شامی کتاب الجہاد ج ۳

کہ حربی مسلم کے مابین سود نہیں اس کی وجہ انتفائے عصمت مال ہے کہ سود کے تحقق کے لئے مال کا معصوم ہونا شرط ہے اور حربی کافر کا مال غیر معصوم۔ وہ حربی کافر خواہ دارالحرب میں ہو یا دارالاسلام میں۔ اور کتب فقہ میں جہاں مسئلہ حربی سے متعلق دارالحرب کی قید ذکر فرمائی گئی ہے اس سے اخراج مستامن مقصود ہے۔ کہ مستامن کا مال بعد استیمان مباح نہیں۔ شامی میں ہے۔

قوله مثمه ای فی دارالحرب قید به لانه لو دخل دارنا بامان فباع منه مسلم درهما بدرهمين لايجوز اتفاقاً[1]

ہدایہ میں ہے۔

لاربو بين المسلم والحربی فی دارالحرب بخلاف المستامن منهم لان ماله صار محظوراً بعقد الامان[2]

فتح القدیر میں مبسوط کے حوالے سے ہے۔ اطلاق النصوص فی المال المحظور وانما يحرم على المسلم اذا كان بطريق الغدر فاذا لم ياخذ غدرا فبای طريق اخذه حل بعد كونه برضا بخلاف المستامن منهم عندنا لان ماله صار محظوراً بالامان فاذا اخذه بغير الطريق المشروع يكون غدراً۔

معلوم ہوا کہ تحقق ربا کے لئے مال کا محظور ہونا شرط ہے اور فی دارالحرب کی قید مستامن کو نکالنے کیلئے ہے کہ عقد امان کے سبب مستامن کا مال محظور ہو جاتا ہے اسی لئے دارالحرب میں بھی مستامن سے عقد ربا قطعاً حرام حالانکہ شرف دار منتفی اور وہ شخص جس نے دارالحرب میں اسلام قبول کیا اور ابھی وہیں ہے دارالاسلام کی طرف ہجرت نہیں کی تو اس سے بھی عقد میں زیادتی قدر ربا میں داخل نہیں۔

درمختار میں ہے۔

وحكم من اسلم فی دارالحرب ولم يهاجر كحربی فللمسلم الربا معه[3]

بدائع الصنائع میں ہے۔

اما شرائط جريان الربو (فمنها) ان يكون البدلان معصومين فان كان احدهما غير معصوم لايتحقق الربو عندنا[4]

ربا کے تحقق کی علت عصمت بدلین ہے اور مال حربی غیر معصوم۔ لہذا عقود فاسدہ کے ذریعہ حربی کافر

---

[1] ردالمحتار ج ٤ ص ١٨٨ [2] ہدایہ اخیرین ص [3] درمختار ج ٤ ص [4] بدائع الصنائع۔

کا مال حاصل کرنا جائز و مباح ہے خواہ دار الحرب میں ہو یا دار الاسلام میں ۔

ہندوستان دار الاسلام ہے

تو بالکل عیاں ہے کہ حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے عہد میں ہندوستان دار الاسلام تھا تقریباً ساڑھے چھ سو سال تک یہاں مسلمانوں کی حکومت رہی اور دار الاسلام ہونے کے لئے محض احکام اسلام کا تغلب اور ظہور کافی ہے۔ بدائع الصنائع میں ہے ۔

لاخلاف بین اصحابنا فی ان دار الکفر تصیر دار الاسلام بظهور احکام الاسلام فیہا ۔ ؎

اور الحمد للہ آج بھی ہندوستان دار الاسلام ہی ہے کہ دار الاسلام سے دار الحرب بننے کی جو شرطیں ہیں وہ یہاں مفقود ہیں ۔

در مختار میں ہے ؎

لاتصیر دار الاسلام دار حرب الا بامور ثلثة باجراء احکام اهل الشرك وباتصالها بدار الحرب وبان لایبقی فیها مسلم او ذمی آمنا بالامان الاول ۔

اس کے تحت شامی میں ہے وظاهره انه لو اجریت احکام المسلمین واحکام اهل الشرك لاتکون دار حرب۔ ؎

مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں ۔

الهند بحمد الله تعالی دار الاسلام لبقاء کثیر من شعائر الاسلام وما بقی علقة منها تبقی دار الاسلام ۔ دار الاسلام لان الاسلام یعلو ولا یعلی ۔ ؎

نیز فرماتے ہیں :

" ہندوستان دار الاسلام ہے ۔ دار الاسلام وہ ملک ہے کہ فی الحال اس میں اسلامی سلطنت ہو یا اب نہیں تو پہلے تھی اور غیر مسلم بادشاہ نے اس میں شعائر اسلام مثل جمعہ و عیدین و اذان و اقامت و جماعت باقی رکھے اور اگر شعائر کفر جاری کئے اور شعائر اسلام یکلخت اٹھا دیئے اور اس میں کوئی شخص امان اول پر باقی نہ رہا اور وہ جگہ چاروں طرف سے دار الاسلام سے گھری ہوئی نہیں تو دار الحرب ہو جائے گا جب تک یہ تینوں شرطیں جمع نہ ہوں کوئی دار الاسلام دار الحرب نہیں ہو سکتا " ؎

مذکورہ حوالہ جات کی روشنی میں صاف عیاں ہے کہ ہندوستان آج بھی دار الاسلام ہے ۔

؎ بدائع الصنائع ج ۷ ص ۱۳۰ ؎ رد المحتار ج ۳ ص ۲۵۳ ؎ فتاوی رضویہ ج ۶ ص ۱۱ ؎ ایضاً ص ۱۱

ہندوستان کے کفار حربی ہیں

ہندوستان میں ہنود کی شرعی اور فقہی حیثیت کیا ہے اسکے لیے ضروری ہے کہ کفار کے اقسام اور ان کے مفہوم متعین کیے جائیں۔ فقہی نقطہ نظر سے کفار کی تین قسمیں نکلتی ہیں۔ مستامن، ذمی، حربی

مستامن۔ اس غیر مسلم کو کہتے ہیں جو بادشاہ اسلام سے کچھ دنوں کے لئے پناہ لیکر دارالاسلام میں رہ رہا ہو۔

ذمی۔ اس غیر مسلم کو کہتے ہیں جو بادشاہ اسلام سے عقد ذمہ کر کے جزیہ ادا کر رہا ہو۔

اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

"یہاں کے ہنود وغیرہ جتنے کفار ہیں ان میں نہ کوئی ذمی ہے کہ سلطنت اسلام میں مطیع الاسلام و جزیہ گزار ہو کر رہے، نہ مستامن ہیں کہ بادشاہ اسلام سے کچھ دنوں کے لئے امان لیکر دارالاسلام میں آئے۔[1]

حربی۔ اس کافر کو کہتے ہیں جو نہ ذمی ہو نہ مستامن۔

ہندوستان کے کفار نہ ذمی ہیں نہ مستامن [illegible] یہ خالص متعصب کافر ہیں یہاں کے ہنود حضرت اورنگزیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے عہد میں نہ تو [illegible] رہے اگر بادشاہ اسلام سے امان لے کر مقیم ہوئے تھے اور نہ ہی بادشاہ اسلام سے عقد ذمہ کیا تھا اور جزیہ گزار تھے۔ اور جب یہ ذمی و مستامن دونوں نہ ہوئے تو یقیناً حربی ہوئے اسی لئے تفسیرات احمدیہ میں حضرت ملا احمد جیون فرماتے ہیں۔

"ان ہم الا حربیون وما یعقلہا الا العالمون۔"

ہندوستان اگرچہ دارالاسلام ہے تاہم یہاں کے ہنود حربی ہیں جن کا مال غیر محفوظ و غیر معصوم۔ اسلئے ان کے اموال ان کی رضا، خوشی سے جس بھی طریقے سے حاصل ہوں خواہ ربا و قمار کے طور پر یا دوسرے عقود فاسدہ کے ذریعہ حلال و طیب ہیں بشرطیکہ غدر و عہد شکنی ہرگز نہ ہو کہ یہ مطلقاً ہر کافر سے بھی حرام ہے۔

بذریعہ عقد فاسد مال حربی مباح بشرطیکہ مسلم کو نفع ملے

فقہاء کرام کی تصریحات سے یہ بالکل عیاں ہے کہ عقود فاسدہ کے ذریعہ مال مباح کا حصول اسی وقت جائز ہے جبکہ قطعی طور سے یقین ہو یا ظن غالب ہو کہ اس میں مسلم کا فائدہ ہے شامی میں فتح القدیر کے حوالے سے ہے فالظاہر ان الاباحۃ من کل الربا و القمار اذا حصلت الزیادۃ للمسلم نظراً الی العلۃ وان کان اطلاق الجواب خلافہ۔

علامہ شامی فرماتے ہیں:

---

[1] فتاوی رضویہ ہفتم ص۱۰۵

فانظر کیف جعل موضوع المسئلۃ الاخذ من اموالھم برضاھم فعلم ان المراد من الربا والقمار فی کلامھم ما کان علی حد الوجہ وان کان اللفظ عاما لان الحکم یدور مع علتہ غالبا [1]

اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہ ایک جواب میں ارشاد فرماتے ہیں ایسی جگہ عقود فاسدہ بغیر غدر کے جواجازت دی گئی ہے وہ اس صورت سے مقید ہے کہ ہر طرح سے اپنا نفع ہو [2]

اعلیٰحضرت کے متعدد فتاویٰ سے یہی ثابت ہے۔

حاصل کلام اس سبق کی جملہ گفتگو کا حاصل یہ نکلا کہ حربی کافر کا مال مال مباح ہے۔ خواہ وہ دارالاسلام میں ہو یا دارالحرب میں۔ اس لئے ان کے اموال بغیر غدر اور عہد شکنی کے ان کی رضا و خوشی سے جس بھی طریقے سے حاصل ہوں اگرچہ عقود فاسدہ ربا و قمار کے ذریعہ تو اس کا لینا جائز اور حلال و طیب ہے بشرطیکہ حصول نفع و زیادتی مال کا قطعی یقین ہو یا کم از کم ظن غالب ہو ورنہ جائز نہیں۔ والہذا حربیوں کی بیمہ کمپنی میں اسی شخص کو بیمہ کرانے کی اجازت دی جا سکتی ہے جسے کم از کم مدت موسعہ تک بالاقساط رقم جمع کر دینے کا ظن غالب ہو اور یہی اعلیٰحضرت کے بھی فتاویٰ سے صاف ظاہر ہے۔

[1] رد المحتار ج ۴ ص ۱۸۸ [2] فتاویٰ رضویہ ج ۷ ص ۱۱۳

مفتی بدر عالم المصباحی
استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور

انشورنس

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

——— بیمۂ زندگی کی جو تفصیلات سوالنامے سے ظاہر ہوتی ہیں ان کی روشنی میں بیمہ نہ تو امانت ہے نہ کفالت وضمانت ——— بلکہ ایسا قرض جو جلب منفعت کا افادہ کرتا ہے ——— ذیل میں ایک تناظر پیش خدمت ہے جس سے بیمۂ اموال اور بیمۂ زندگی کی صحیح صورت سامنے آئے گی۔

بیمۂ اموال اور بیمۂ زندگی کے بارے میں چند احتمالات ہیں ——— یہ یا تو امانت ہیں جو گورنمنٹ یا کمپنی کو بغرض حفاظت دیدیئے گئے ہیں ——— یا کفالت وضمانت ہیں ——— یا عقد مضاربت ہیں ——— یا دین ہیں ——— اب ان میں سے ہر ایک کی اصطلاحی تعریف مع شرائط سامنے رکھ کر غور کیا جائے کہ یہ کس صورت میں داخل ہیں

امانت: — یہ ودیعت سے عام ہے ——— اس سامان کو کہتے ہیں جو کسی طرح کسی کے قبضے میں آجائے ——— مالک کا اس میں قصد ہو یا نہ ہو[1] ———

ودیعت: — اس سامان کو کہیں گے جو قصداً کسی کی حفاظت میں دیا جائے[2] ——— درمختار میں ہے ——— "تسلیط الغیر علیٰ حفظ مالہ صریحاً او دلالۃً"[3] ———

کفالت: — "وھی ضم الذمۃ الی الذمۃ فی المطالبۃ"[4] ——— یعنی ایک شخص اپنے ذمہ کو دوسرے کے ذمہ کے ساتھ مطالبہ میں ضم کردے ——— یعنی مطالبہ ایک شخص کے ذمہ تھا دوسرے نے بھی مطالبہ اپنے ذمہ لے لیا خواہ وہ مطالبہ نفس کا ہو یا عین کا ———

مضاربت: — "ھی عقد یقع علی الشرکۃ بمال من احد الجانبین"[5] ——— یعنی یہ ایسا عقد ہے کہ ایک جانب سے مال ہو اور ایک جانب سے کام اور نفع میں جانبین کی شرکت ہو ———

بیمہ اور امانت — جیون بیمہ اگرچہ صورتاً امانت معلوم ہو رہا ہے لیکن امانت اور ودیعت کے مسائل پر غور کرنے کے بعد جیون بیمہ کسی طرح امانت نہیں ——— اس لئے کہ امانت اور ودیعت

[1] ہدایہ [2] ہدایہ [3] ہدایہ [4] درمختار [5] ہدایہ

میں صرف راس المال کی واپسی ہوتی ہے ــــ اور یہاں جیون بیمہ میں ایک متعینہ مدت پر بقدر حصص راس المال کچھ متعین زائد رقم ملتی ہے ــــ دوسرا فرق یہ ہے کہ امانت جب چاہیں واپس لے سکیں اور جیون بیمہ کمپنی میں جو رقم جمع ہے مدت بیمہ پوری ہونے سے پہلے نہیں لے سکتے ــــ تیسرا فرق یہ ہے کہ مال امانت ضائع یا ہلاک ہو جانے کی صورت میں امانت دار اس کا ضامن نہیں ہوتا ــــ اور کمپنی یہاں مکمل ضامن ہوتی ہے ــــ

بیمہ اور کفالت

کفالت کا شرعی معنی ابھی گزرا کہ دین یا مطالبہ میں اپنے ذمہ کو دوسرے کے ذمہ سے ملانے کا نام کفالت ہے ــــ اسی کو شرع میں ضمانت بھی کہتے ہیں ــــ ظاہر ہے کہ ضم الذمہ الی الذمہ یہاں مفقود ہے ــــ اور اگر اسے کفالت مان ہی لیا جائے تو محض لغوی کفالت ہوگی کفالت شرعیہ متصور نہیں اس لئے کہ کفالت شرعیہ میں کفیل پر مکفول بہ کے علاوہ کوئی زائد شئی لازم نہیں ــــ اور یہاں جیون بیمہ میں مال مکفول پر زائد رقم بھی کمپنی کے ذمہ واجب الادا ہوتی ہے ۔ ایسی صورت میں جیون بیمہ یا بیمہ اموال پر کفالت شرعیہ کیسے صادق ہوگی ــــ لہٰذا بیمہ کو کفالت کہنا بھی صحیح نہ ہوا ــــ

بیمہ اور عقد مضاربت

بیمہ کو عقد مضاربت سمجھا جاتا ہے کہ بیمہ میں بھی ایک جانب سے مال ہوتا ہے اور نفع میں رب المال اور کمپنی دونوں شریک ہوتے ہیں ــــ اسی کو عقد مضاربت کہا جاتا ہے ۔ لیکن مضاربت کی ایک لازمی شرط یہ ہے کہ تجارت میں اگر خسارہ ہو تو اس کا ذمہ دار تنہا رب المال ہی ہوگا ــــ مضارب پر خسارہ کا بالکل اثر نہ پڑے گا ــــ ہاں نفع میں رب المال اور مضارب دونوں کسی طے شدہ حصے پر شریک رہتے ہیں ــــ ہدایہ میں ہے ــــ

وَاِذَا رَبِحَ فَلَهُ مَا شَرَطَ لَهُ لِتَمَلُّكِهِ جُزْءًا مِنَ الْمَالِ بِعَمَلِهِ فَاِذَا فَسَدَتْ ظَهَرَتِ الْاِجَارَةُ حَتّٰى اِسْتَوْجَبَ الْعَامِلُ اَجْرَ مِثْلِهِ

جب نفع ہوگا تو مضارب نفع میں شریک ہوگا اس لئے کہ اپنے کام کی وجہ سے مال کے ایک حصہ کا وہ بھی مالک ہے اور جب مضاربت فاسد ہوگی تو اسے اس کے کام کی مزدوری ملے گی ۔

درمختار میں ہے ــ وان فسدت فلا ربح للمضارب حینئذ بل له اجر مثل عمله[۲] اگر عقد مضاربت فاسد ہو جائے تو بھی مضارب کو اس کے عمل کی اجرت ملے گی ۔

ردالمحتار میں ہے ــــ اما اذا لم یربح فاجر المثل بالغا ما بلغ ۔ یعنی خسارے کی صورت میں بھی اسے کام کی اجرت ملے گی ــــ حاصل یہ کہ مضارب نفع میں شریک و سہیم ہوگا لیکن خسارے کا سارا بار سرمایہ دار ہی پر پڑے گا ۔

---

[۱] ہدایہ صفحہ ۲۵۸ ج ۳ [۲] درمختار صفحہ ۵۰۰ ج ۵

ناظرین کرام پر واضح ہے کہ بیمہ کمپنی کا معاملہ ایسا نہیں ۔ یہاں تو خسارہ ہو جائے یا کل راس المال ضائع ہو جائے ۔ رب المال (سرمایہ دار) سے کوئی سروکار نہیں ۔ اس کی اصل پونجی بہر صورت محفوظ رہے گی بلکہ کچھ زائد رقم کی حصولیابی بھی متیقن ہوتی ہے ۔ کمپنی اس کا عہد و پیمان لیتی ہے ۔ لہذا بیمہ کو مضاربت نہیں کہا جا سکتا ہے ۔

ان دونوں میں ایک دوسرا فرق اور ہے کہ مضاربت میں راس المال مضارب کے پاس امانت ہوتا ہے ۔ ہدایہ میں ہے :

ثم المدفوع الی المضارب امانة فی یدہ لانہ قبضہ بامر مالکہ لاعلی وجہ البدل والوثیقة[1]	مضارب کو جو مال دیا جاتا ہے اسکے پاس وہ امانت ہوتا ہے اسلئے اس نے مالک کے حکم سے قبضہ کیا ہے بدل اور وثیقہ کے طور پر نہیں ۔

در مختار میں ہے ۔ والفاسدة لاضمان فیہا ایضا کصحیحة لانہ امین[2] ۔ مضاربت فاسدہ ہو کہ صحیح کسی میں ضمان نہیں اسلئے کہ مضارب امین ہوتا ہے (اور امانت میں ضمان نہیں) ۔

بیمہ تباہ لاک مال ہو یا استہلاک مال ۔ بہر صورت کمپنی پر راس المال کے ساتھ ساتھ مزید کچھ رقمیں واجب الادا ہوتی ہیں ۔

مندرجہ بالا تناظر کے بعد یہ بالکل واضح ہو گیا کہ بیمہ نہ تو امانت ہے اور نہ ودیعت اور نہ کفالت ہے نہ عقد مضاربت ۔ لہذا بیمۂ اموال اور بیمۂ زندگی کی شرعی صورت دین کی معلوم ہوتی ہے ۔ اسلئے کہ جسطرح دین میں مثل مال واجب الادا ہوتا ہے اسی طرح بیمۂ اموال اور بیمۂ زندگی میں بھی مثل مال کی واپسی بذمہ کمپنی واجب اور لازم ہوتی ہے ——— البتہ یہاں ایسا دین ہوگا جس پر مدیون کی جانب سے بقدر حصص راس المال کچھ مزید رقم دینے کا معاہدہ ہوتا ہے ۔

واضح رہے کہ اس کی صورت اب یہ ہو گی کہ مال قرض دے کر اس پر نفع حاصل کیا جائے ۔ اسلام نے ایسا قرض جو جلب منفعت کا ذریعہ بنے ۔ ناجائز اور حرام قرار دیا ہے ۔ حدیث میں ہے ۔ کل قرض جر منفعة فہو ربا[3] ——— ہر وہ قرض جو جلب منفعت کا ذریعہ بنے سود ہے ۔ اور سود کی حرمت نص قطعی سے ثابت ۔ ارشاد ہے ۔ احل اللہ البیع وحرم الربٰو ۔ اللہ نے بیع کو حلال فرمایا اور سود کو حرام فرمایا ۔

ربا ۔ شریعت میں اس زیادتی کو کہتے ہیں جو عوض سے خالی ہو اور معاہدہ میں اس کا استحقاق

---

[1] ہدایہ ج ۳ ص ۲۶۱ [2] در مختار ص ۲۳۹ [3] جامع صغیر

قرار پایا ہو۔

اب موجودہ بیمہ اموال اور بیمہ زندگی کا جواز اور عدم جواز تحقق ربا پر موقوف ہوگا۔ ذیل میں ہم تحقق ربا کیلئے کچھ بنیادی باتیں پیش کر رہے ہیں جس کو سامنے رکھ کر بیمہ کے جواز و عدم جواز کا فیصلہ ناظرین خود کر لیں گے۔

تحقق ربا کے لئے ضروری ہے۔ ۱۔ نفع قرض یعنی قرض پر زائد رقم دینے والا مسلمان نہ ہو۔ ۲۔ مال قرض پر نفع دینے والا شخص ذمی یا مستامن نہ ہو۔ ۳۔ مال معصوم ہو۔ یعنی معصوم البدلین۔

ذمی ۔ اس کافر کو کہتے ہیں جو سلطان اسلام سے دستوری معاہدہ کے بعد سلطنت اسلام کا مستقل باشندہ بن گیا ہو۔

مستامن ۔ اس کافر کو کہیں گے جس نے سلطان اسلام سے سلطنت اسلام میں متعینہ مدت تک قیام کے لئے دستوری معاہدہ کر لیا ہو۔

اب غور کریں کہ انڈیا میں بیمہ کمپنی کے لوگ ذمی ہیں یا مستامن ہیں یا مسلمان ہیں اگر کمپنی مسلمانوں کی ہے یا ذمی مستامن غیر مسلموں کی۔ تب تو بیمہ کے عدم جواز میں کوئی شبہ نہیں۔ اسلئے کہ عند الشرع انکے اموال معصوم و محرز ہیں۔ مباح نہیں۔

لیکن اگر یہ کمپنیاں مسلمانوں، ذمی یا مستامن کافروں کی نہیں ہیں بلکہ حربی کافروں کی ہیں۔ تو اس کا جواز ممکن ہے۔ اس لئے کہ اب جو معاہدہ ہوگا۔ وہ اس بات پر ہوگا کہ حربی غیر مسلم مال قرض پر کچھ نفع دے۔ اسلام نے نفع کو سود نہیں کہا بلکہ یہ ایک انعام اور مال مباح ہے جو مالک کی رضا سے حاصل ہوا۔ حدیث میں ہے۔

لا ربوا بین المسلم والحربی فی دار الحرب ۔ دار الحرب میں مسلمان اور حربی کے مابین سود نہیں۔

حدیث مذکور میں دار الحرب کی قید احترازی نہیں۔ بلکہ واقعی ہے۔ حربی کافر خواہ دار الحرب میں رہ کر معاہدہ کریں۔ یا دار الاسلام میں رہ کر معاہدہ کریں۔ ان کا مال زائد، مال مباح ہوگا۔ سود نہیں۔ حربی اور مسلمان کے مابین معاملہ سود ہو ہی نہیں سکتا۔

حربی کافر۔ وہ غیر مسلم ہے جو سلطان اسلام سے دستوری معاہدہ کئے بغیر دار الاسلام میں رہتا ہو یا دار الحرب میں رہتا ہو۔

دار الاسلام ۔ وہ ملک ہے کہ فی الحال اس میں اسلامی سلطنت ہو یا اب نہیں تو پہلے تھی اور غیر مسلم بادشاہ نے اس میں شعائر اسلام مثلاً جمعہ عیدین اذان اقامت و جماعت باقی رکھے۔

دار الحرب۔ وہ ملک ہے جہاں غیر مسلم بادشاہ نے شعائر اسلام مٹا دیئے کوئی شخص امان پر نہیں۔ اور یہ ملک چاروں طرف سے دار الاسلام سے گھرا نہ ہو۔

ان تفصیلات کے بعد ناظرین پر فیصلہ مشکل نہ ہوگا کہ انڈیا کے کفار بلکہ پوری دنیا میں اکثر ایسے ہی کفار ہیں جو نہ ذمی ہیں نہ مستامن بلکہ حربی ہیں ۔ اور ابھی گزرا کہ مسلمان اور حربی کے مابین کوئی معاملہ سود نہیں ۔ لہذا حربی کفار سے مسلمانوں کو ان کی رضا و خوشی سے مال قرض پر جو نفع ملے وہ بالکل مال مباح ہے مسلمان اپنے ہر مصرف میں اسے استعمال کرسکتے ہیں ۔ ہدایہ میں ہے :

لان مالهم مباح فی دارهم فبای طریق اخذه المسلم اخذ مالا مباحا اذا لم یکن فیه غدر بخلاف المستامن لان مالهم صار محظورا بعقد الامان۔

اسلئے کہ حربیوں کا مال مباح ہے مسلمان جس طرح بھی حاصل کریں گے مال مباح حاصل کریں گے بشرطیکہ اس میں بدعہدی نہ ہو بخلاف مستامن کے کہ ان کا مال محفوظ ہے اس لئے کہ انہوں نے عہد امان لیا ہے ۔

درمختار میں ہے :

فیحل برضاه مطلقا بلا غدر

بدعہدی نہ ہو تو اس کی رضا سے مطلقا حلال ہے

بحرالرائق میں بھی اسی کے مثل ہے ۔ فرماتے ہیں :

لان مالهم مباح وبعقد الامان لم یصر معصوما الا انه التزم ان لا یتعرض له بغدر ولا لما فی ایدیهم بدون رضاهم فاذا اخذ برضاهم اخذ مالا مباحا بلا غدر فیملکه بحکم الاباحة السابقة الا انه لا یخفی انه انما یقتضی حل مباشرة العقد اذا کان الزیادة ینالها المسلم ۔

اسلئے کہ ان کا مال مباح ہے اور عقد امان سے معصوم نہ ہوگا مگر وہ لازم کرے کہ ان کے ساتھ اور انکی املاک کے ساتھ اکراہ و جبر و فریب کا معاملہ نہ کیا جائے ۔ تو جب ان کی رضا سے ان کا مال بلا کسی فریب کے حاصل کیا جائے تو مسلمان اباحت سابقہ کی بنیاد پر اس کا مالک ہوگا ۔ مگر یہ مخفی نہ رہے کہ معاملہ عقد اسی وقت جائز ہوگا جب زیادتی مسلمان کو حاصل ہو ۔

صاحب فتح القدیر مبسوط کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں ۔ اطلاق النصوص فی المال المحظور وانما یحرم علی المسلم اذا کان بطریق الغدر فاذا لم یأخذ غدرا فبای طریق اخذ یحل بعد کونه رضا ۔

حد یہ ہے کہ عقود فاسدہ کے ذریعہ بھی حربی کفار کا مال مباح ہے ۔ طحطاوی میں ہے ولو بعقد فاسد ۔ ردالمحتار میں بھی اسی کے مثل مستفاد ہوتا ہے کہ حربی کفار کا مال عقود فاسدہ کے ذریعہ بھی حاصل کرنا جائز ہے ۔ فرماتے ہیں :

اقول وعلی هذا فلا یحل اخذ ماله بعقد فاسد بخلاف المسلم المستامن فی دار الحرب فان له اخذ مالهم برضاهم ولو بربا او قمار لان مالهم

میں کہتا ہوں کہ اس صورت میں عقد فاسد کے ذریعہ ان کا مال حاصل کرنا جائز نہ ہوگا بخلاف دارالحرب کے مستامن مسلمان کے کہ اس کے لئے حربیوں کا مال انکی رضا سے حاصل کرنا جائز ہوگا

مباح لنا الا ان الغدر حرام وما اخذ برضاهم ليس غدرا من المستامن بخلاف المستامن منهم في دارنا لان دارنا محل اجراء الاحكام الشرعية فلا يحل لمسلم في دارنا ان يعقد مع المستامن الا ما يحل من العقود مع المسلمين ولا يجوز ان يؤخذ منه شيء لا يلزمه شرعا عاید

اگرچہ عقد ربا اور قمار ہی کے طور پر ہو اسلئے کہ ان کا مال ہمارے لئے حلال ہے مگر یہ کہ فریب حرام ہے۔ اور ان کا مال جو انکی رضا سے حاصل ہو اسمیں مستامن مسلمان کی جانب سے فریب نہیں بخلاف کافر مستامن کے جو ہمارے ملک میں ہوں اسلئے کہ ہمارا ملک احکام شرعیہ جاری کرنے کی جگہ ہے تو اسلامی ملک میں کسی مسلمان کیلئے مستامن کافر کے ساتھ عقد جائز نہ ہوگا مگر وہی عقد جسکی عام مسلمانوں کے ساتھ اجازت ہے۔ اور ان سے شرعاً جو چیز لازم ہوگی وہی لینا جائز ہوگا۔

ظاہر ہے بیمہ زندگی جن کمپنیوں کے تحت ہوتا ہے ان پر قابض غیر مسلم حربی ہی ہیں اور زائد رقم دینے کا جو معاہدہ ہوتا ہے وہ ان کی جانب سے برضا و خوشی بلا کسی جبر و اکراہ ہوتا ہے اور مسلمانوں کی جانب سے حصول نفع کے لئے کسی طرح کا دھوکا فریب یا بدعہدی نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس نفع کے حصول میں عدم جواز کی کوئی صورت سمجھ میں نہیں آتی۔

بحر الرائق میں اس زیادتی کے جواز پر بہت صریح جزئیہ موجود ہے فرماتے ہیں۔ حکم من اسلم في دار الحرب ولم يهاجر كالحربي عند ابي حنيفة لان ماله غير معصوم عنده فيجوز للمسلم الربا معه

امام احمد رضا فاضل بریلوی کا موقف

اس سلسلے میں انقد زمانہ امام احمد رضا فاضل بریلوی کے مختلف فتاوی سے بھی جواز ہی کا پہلو نمایاں ہے۔ ذیل میں امام موصوف کے چند فتاوی کے اقتباسات پیش خدمت ہیں۔

۱۳۲۹ھ میں اودے پور راجستھان سے ایک سوال ہوتا ہے جس کا اقتباس مندرجہ ذیل ہے:

سوال ۔ کافر کو اگر مال دو مہینہ کے وعدہ پر قرض فروخت کرے اور اس کے ہاتھ سے روپے بھی کھاتے میں لکھوالے کہ دو مہینہ میں ادا نہ کروں تو بوقت ادائے روپیہ فی صد ہ ر یا ہر ماہوار اس مال کے نفع کا زائد ادا کروں گا یہ جائز ہے یا ناجائز۔

جواب ۔ یہاں (انڈیا) کے ہندو وغیرہ جتنے کفار ہیں ان میں نہ تو کوئی ذمی ہے کہ سلطنت اسلام میں

[illegible] ۱۲۹/۳ [illegible] ۱۲۶/۶

مطیع الاسلام یا جزیہ گزار ہو کر رہے۔ نہ مستامن ہیں کہ بادشاہ اسلام سے کچھ دنوں کے لئے دارالاسلام میں آئے اور جو کافر نہ ذمی ہو نہ مستامن سوا غدر و بد عہدی کے کہ مطلقاً ہر کافر سے بھی حرام ہے باقی اس کی رضا سے اس کا مال جس طرح ملے جس عقد کے نام سے مسلمان کیلئے حلال ہے[1]

اسی طرح ایک دوسرے سوال کے جواب میں ارقام فرمایا :

کہ یہاں کے کفار سے ہر ایسی شرط جائز ہے۔ لانہم غیر اہل ولا ذمۃ۔ مگر وہ زیادت جو ملے اسے سود سمجھ کر نہ لے بلکہ مال مباح۔

اسی طرح ایک سوال بنگال سے ہوا کہ گورنمنٹ اپنے ملازموں کی تنخواہ سے کچھ رقم کاٹتی رہتی ہے اور جب ملازمت ختم ہوتی ہے تو اصل رقم کچھ سود کے ساتھ ادا کرتی ہے۔ یہ زائد رقم لینا جائز ہے یا نہیں —— اس کے جواب میں رقمطراز ہیں :

اللہ عزوجل نے سود کو حرام فرمایا اور اس میں کوئی تخصیص مسلم اور کافر کی نہیں کی۔ مطلق ارشاد ہوا۔ وحرم الربٰو۔ تو اسے سود قرار دے کر لینا جائز نہیں اور اگر کسی کمپنی میں کوئی مسلمان بھی حصہ دار ہو تو مطلقاً اس زیادہ روپیہ کا لینا حرام ہے۔ اور اگر کوئی مسلمان حصہ دار نہیں تو سود کی نیت کرنا ناجائز ہے بلکہ یوں سمجھے کہ ایک مال مباح بلا غدر مالکوں کی خوشی سے ملتا ہے یوں اس کے لینے میں کوئی حرج نہیں اور اسے چاہے اپنے صرف میں لائے چاہے کار خیر میں لگائے[2]

ناظرین غور فرمائیں کہ فقیہ اعظم امام احمد رضا قدس سرہ نے اس دور کے کفار سے متعلق یہ فتاوے صادر فرمایا ہے۔ جب انڈیا میں اسلام دشمنی اتنی زور پر نہیں تھی جیسی آج۔ کہ گورنمنٹ عملی طور پہ بالکل حربیوں کی ہے۔ نام کچھ بھی ہو —— لہٰذا بیمہ کمپنی سے جو زائد رقم ان کے حساب سے نکلتی ہے اسے ضرور لینا چاہیے بس یہ کہ مال مباح سمجھ کر لے۔ اور اگر نہیں لیتا ہے تو اس رقم سے اسلام دشمن مقصد میں ضرور تقویت ملے گی۔

اس مال مباح کو سود سمجھ کر لینا حرام اس لئے ہو جاتا ہے کہ جائز کام کو بھی ناجائز سمجھ کر کرنا حرام ہے۔ مثلاً اپنی منکوحہ کو اجنبیہ سمجھا اور پھر اجنبیہ سمجھتے ہوئے اس کی طرف بری نگاہ کیا۔ تو یہ بھی ناجائز ہے۔ کہ اپنی دانست میں قصداً ناجائز کا ارتکاب کر رہا ہے۔

سوالنامے کے مدا پر جبری بیمہ سے متعلق ایک خطرناک شبہ کا تذکرہ ہے جس سے بیمہ قمار کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور قمار حرام و ناجائز ہے —— ارشاد ہے ،

---

[1] فتاویٰ رضویہ ہفتم ص[illegible] [2] فتاویٰ رضویہ ہفتم ص[illegible]

انما الخمر والميسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشيطان ۔
شراب اور جوا اور بت اور پانسے ناپاک ہی ہیں شیطانی کام ۔

دوسرا شبہ یہ ہے کہ بیمہ ہولڈر کو تین سال تک جملہ قسطیں جمع کرنا ضروری ہے اگر کسی وجہ سے بعض قسطیں جمع کرنے سے قاصر رہا تو اس کی جمع شدہ ساری رقمیں ضائع ہو جائیں گی۔ اس صورت میں بیمہ کی شکل قمار سے ملتی جلتی ہے جو سراسر ناجائز ہے ۔

اس تقریر پر عرض ہے کہ دور حاضر میں فروغ اسلام کے لئے معاشی میدان میں مسلمانوں کا ترقی کرنا از حد ضروری ہے کہ دین کے بہت سارے مشن مسلمانوں کے مالی تعاون پر موقوف ہیں ۔ اور ظاہر ہے جہاں بہت ساری تجارتیں اقتصادیات کے لئے مددومعاون ہیں وہیں جیون بیمہ یا بیمۂ اموال بھی حصول دولت کے بہت آسان ذرائع ہیں تو اگر اس کے جواز کے لئے اگر کوئی ایسی صورت نکالی جائے جو شرعی حدود کے اندر ہو تو میری فہم ناقص میں یہ کوشش مذموم نہیں ۔ مثلاً اس بیمہ ہولڈر کے لئے فتویٰ جواز دیا جائے جو اس کا ظن غالب رکھتا ہو کم از کم تین سال تک میں مقررہ ساری قسطیں جمع کرتے جاؤں گا ۔ اور ظن غالب عند الشرع بہت سارے معاملات میں معتبر ہے ۔ باب طہارت، باب صلوٰۃ میں بعض مواقع پر ظن غالب ہی پر حکم صواب دار ہے ۔ تیمم تحری قبلہ بہت مشہور نظیر مانا ہیں ۔ یوں ہی بیع سلم ۔ کہ تین سال تک کے لئے جائز ہے بشرطیکہ اس پوری مدت میں مسلم فیہ دستیاب ہونے کا ظن غالب ہو ۔

یوں ہی علامہ ابن عابدین شامی کی ایک عبارت سے ان صورتوں میں جواز ہی مستفاد ہوتا ہے بشرطیکہ نفع مسلمان کا ہو ۔ مسلمان کو کسی طرح خسارہ نہ ہو ۔ رقمطراز ہیں :

قد الزم الاصحاب فى الدرس ان مرادهم من حل الربا والقمار ما اذا حصلت الزيادة للمسلم نظرا الى العلة ۔ وكان القلب له نظرا الى العلة ۔
اصحاب درس نے لازم قرار دیا کہ ان کی مراد حل ربا اور حل قمار سے یہ ہے کہ یہ اس وقت ہے جب زیادتی مسلم کو ملے اور علت کی طرف نظر کرتے ہوئے قلب بھی اسی کو ہے ۔

سیر کبیر میں محرر مذہب حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ناقل ہیں کہ غیر مسلم دحربی سے اگر مسلمان جوئے کے ذریعہ مال حاصل کرے تو یہ مسلمان کے لئے حلال طیب ہے ۔ فرماتے ہیں ۔

او اخذ مالا منهم بطريق القمار فذالك كله طيب ۔
یا بطریق قمار ان کا مال حاصل کرے یہ سب حلال ہے ۔

بدائع میں ہے ۔ مال الحربى لا عصمة لمال الحربى ۔ شامی میں ہے ۔ واذا دخل المسلم دار الحرب بامان فلا بأس بان يأخذ منهم اموالهم بطيب انفسهم باى وجه كان لانه انما اخذ

المباح علی وجہ عری عن الغدر فیکون ذلک طیباله ۔ (ہدایہ[1])

واضح رہے کہ بیمۂ زندگی کی ظاہری صورت سود اور قمار سے مرکب شکل معلوم ہوتی ہے ۔ اور مذکورہ بالا جزئیات فقہیہ سے ان دونوں طریقے سے حربی کفار کے اموال کی تحصیل جائز ہے ان کا استعمال طیب اور حلال ہے ۔ بدائع میں ہے ، حربیوں سے ہر طرح کے عقود فاسدہ جس سے مسلمان کو نفع حاصل ہو جائز ہے ۔ فرماتے ہیں :

وعلی ھذا اذا دخل مسلم او ذمی دار الحرب بامان فعاقد حربیا عقد الربا او غیرہ من العقود الفاسدۃ فی الاسلام جاز ۔

بیمۂ ملازمت

بیمۂ ملازمت خواہ جبری ہو یا اختیاری ۔ یعنی گورنمنٹ تنخواہ سے ایک متعینہ رقم ماہانہ وضع کرتی رہے اور ملازمت ختم ہونے پر یا انتقال ہونے پر سروس مین کو یا ورثہ کو اصول بیمہ کے تحت ایک خطیر رقم ادا کرے ۔ اس کے جواز پر بھی مذکورہ بالا دلائل کافی ہوں گے ۔ بعینہ اسی بیمۂ ملازمت سے متعلق امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں بھی ایک سوال ہوا ۔ امام موصوف کے جواب سے بھی جواز کی صراحت ہے ۔ جواب کا اقتباس ہدیۂ ناظرین ہے :

اگر کوئی مسلمان حصہ دار نہیں تو سود کی نیت کرنا ناجائز ہے بلکہ یوں سمجھے کہ ایک مال مباح بلاغدر مالکوں کی خوشی سے ملتا ہے اسکے لینے میں فی نفسہ کوئی حرج نہیں اسے چاہے اپنے صرف میں لائے چاہے کار خیر میں لگائے[1]۔

---

[1] فتاوی رضویہ ، هفتم ص۔۔

بیمہ املاک کی جو تفصیلات معلوم ہوئیں وہ یہ ہیں ۔ کہ کمپنی بیمہ ہولڈر کے کسی سامان کو مستقبل میں پیش آنے والے نقصانات کی تلافی کا ذمہ لیتی ہے اور بیمہ ہولڈر اس کے لئے قسط وار کچھ رقمیں جمع کرتا رہتا ہے ۔ اگر مستقبل میں بیمہ ہولڈر کی املاک کو کوئی نقصان پہنچا یا وہ سامان کسی حادثہ کا شکار ہو کر ہلاک ہوگیا تو کمپنی پر پورے نقصان کی تلافی لازم ہوگی ۔ اور اگر مستقبل میں املاک کو کوئی نقصان نہیں پہنچا وہ کسی حادثہ کا شکار نہ ہوئے تو جو رقم جمع تھی وہ کسی صورت میں واپس نہ ہوگی ۔ گویا نقصان موہوم کی تلافی کے لئے رقم جمع کی جاتی ہے اگر نقصان ہوا تو رقم کام آئی ورنہ غیر مسلم حربیوں کے کھاتے میں گئی ۔

بیمہ املاک کی قسمیں

بیمہ املاک کی مختلف قسمیں ہیں ۔ لیکن بنیادی قسمیں دو ہیں ۔

(۱) بیمہ املاک اختیاری (۲) بیمہ املاک جبری لازمی

بیمہ املاک اختیاری ـــــ یہ ہے کہ انڈیا گورنمنٹ ہندباشیوں کو یہ اختیار دیتی ہے کہ مستقبل میں موہوم خطرات و نقصانات کی تلافی کے لئے اپنی املاک کا بیمہ کرائیں ۔ مثلاً مکان ، دوکان ، کار ، ٹرک کیلئے آگ بیمہ یا چوری بیمہ ، حادثہ بیمہ کرائیں ۔

بیمہ املاک جبری ـــــ یہ ہے کہ انڈیا گورنمنٹ ہندباشیوں کو اس بات پر مجبور کرتی ہے کہ اپنی گاڑیوں کا یا اپنی تجارتوں کا بیمہ کرائیں ۔ ورنہ گاڑیاں روڈ پر اور سامان تجارت بازار میں نہیں آسکتے ۔

واضح رہے کہ بیمہ املاک اختیاری ہو یا جبری ۔ جمع شدہ رقم واپس نہیں ہوگی ، بیمہ املاک جبری میں تو کبھی نہیں ۔ بیمہ املاک اختیاری میں واپسی کی ایک صورت ہے کہ املاک کو کوئی نقصان پہنچ جائے یا حادثے کا شکار ہو کر تباہ ہو جائے ۔

ظاہر ہے کہ یہ بیمہ غرر خطر قمار جیسی صورتوں سے ملوث ہے ۔ شرعی نقطۂ نظر سے قطعی جائز نہیں ۔ قمار سے متعلق قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا ۔

قل انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان۔ | آپ کہہ دو شراب جوا بت اور پانسے ناپاک ہیں شیطانی کام۔

قمار کو آیت کریمہ میں شیطانی کام قرار دیا گیا۔ اس کی حرمت نص قطعی سے ثابت لہذا ایسا بیمہ جو قمار سے ملوث ہو۔ اسے باطل اور حرام ہونا لازم۔ احکام القرآن میں ہے:

لاخلاف بین اهل العلم فی تحریم القمار وان المخاطرة من القمار قال ابن عباس ان المخاطرة قمار وان اهل الجاهلية كانوا يخاطرون على المال والزوجة وقد كان ذلك مباحا الى ان ورد تحريمه [1]

اہل علم کے مابین قمار کی حرمت کے سلسلے میں کوئی اختلاف نہیں اور اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ مخاطرہ قمار ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی فرمایا کہ مخاطرہ قمار ہے۔ اہل جاہلیت مال اور بیوی پر مخاطرہ کرتے۔ یہ پہلے مباح تھا یہاں تک کہ حکم تحریم وارد ہوا۔

مذکورہ بالا عبارت سے قمار کے معنی کی قدرے وضاحت ہوئی کہ قمار تملیک المال علی المخاطرہ کا نام ہے جیسا کہ خود ایک مقام پر علامہ جصاص رقمطراز ہیں:

(القمار) تمليك المال على المخاطرة هو اصل فی بطلان عقود التمليكات الواقعة على الاخطار كالهبات والصدقات وعقود البياعات ونحوها اذا علقت على الاخطار بأن يقول قد بعتك اذا قدم زيد [2]

اہل علم پر روشن ہے کہ بیمہ املاک کی صورت بالکل قمار جیسی ہے۔ اسلئے کہ ہر بیمہ ہولڈر کو امید نفع کے ساتھ ساتھ ضیاع راس المال کا پورا پورا خطرہ رہتا ہے کوئی یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ اسے بیمہ املاک میں نفع ضرور حاصل ہوگا یا اس کا راس المال واپس ہو جائے گا۔ لہذا یہ ایسا عقد ہوا جس میں غرر وخطر بہر صورت موجود ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ یہاں راہ جواز نکالنے کیلئے یہ کہنا کہ چونکہ یہ معاہدہ مسلمان اور حربی کے درمیان ہو رہا ہے لہذا جائز ہے۔ درست نہیں۔ اس لئے کہ جائز اس وقت ہوتا جب مسلمان کو حصول نفع متیقن ہوتا یا کم از کم ظن غالب ہوتا۔ یہاں تو راس المال ہی کا ملنا متیقن نہیں۔ حصول نفع کا تیقن دور کی بات ہے۔ فتح القدیر میں جواز قمار مشروط ہے مطلق نہیں۔ یعنی نفع مسلمان کو

---

[1] احکام القرآن للجصاص ص۳۸۸۔ [2] احکام القرآن للجصاص ص۲۶۵

حاصل ہو جب ہی قمار مسلمان اور حربی کے مابین جائز ہوگا۔ فرماتے ہیں:

قد الزم الاصحاب فی الدرس ان مرادھم من حل الربو والقمار ما اذا حصلت الزیادۃ للمسلم[1]

اصحاب نے درس میں لازم قرار دیا کہ فقہاء کی مراد حل ربوٰا اور حل قمار سے یہ ہے کہ اس وقت جب کہ زیادتی مسلمان کو حاصل ہو۔

دوسری جگہ اس طرح ہے کہ حربیوں کا مال بطریق قمار بھی مسلمان کے ہاتھ آجائے تو اس کا استعمال مسلمان کیلئے جائز ہے — او اخذ مالا منھم بطریق القمار فذالک کلہ طیب۔

اس عبارت سے بھی ابتداء قمار کا جواز ثابت نہیں بلکہ اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ اگر مسلمان نے حربی کا مال بطریق قمار حاصل کر لیا تو وہ مال اس کے لئے حلال ہے۔

مخفی نہ رہے کہ ایک ہے جواز عقد۔ اور ایک ہے عقد فاسد کے ذریعہ حاصل شدہ مال کی حلت۔ دونوں میں فرق ہے۔ فقہاء نے حربیوں سے حاصل شدہ مال کو جائز قرار دیا ہے نہ کہ ہر وہ عقد بھی جائز قرار دیا جس میں غرر خطر قمار شامل ہوں۔ اصل راس المال کی واپسی اور حصول نفع دونوں مشکوک ہوں۔ اس لئے ابتداء ہی ایسا عقد کرنا جس میں کبھی کل راس المال یا بعض راس المال کے ضیاع کا اندیشہ ہو کبھی حصول نفع کی امید۔ ناجائز و حرام۔ ردالمحتار میں ہے۔

لان القمار من القمر الذی یزداد تارۃ وینقص اخری وسمی القمار قمارا لان کل واحد من المقامرین ممن یجوزان یذھب مالہ الی صاحبہ ویجوزان یستفید مال صاحبہ وھو حرام بالنص[2]

اس لئے کہ قمار اس قمر سے ماخوذ ہے جو کبھی گھٹتا کبھی بڑھتا ہے قمار کو قمار اسلئے کہا گیا کہ جوا کھیلنے والوں میں سے ہر ایک کا مال اس کے ساتھی کے پاس جا سکتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اپنے ساتھی کا مال یہ لے لے یہ نص سے حرام ہے۔

شامی کی مذکورہ بالا عبارت کی روشنی میں بیمۂ املاک بلاشبہ قمار ہے۔ اس لئے کہ بیمۂ املاک میں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بیمہ ہولڈر کی ساری جمع کردہ رقم کمپنی کے کھاتے میں چلی جاتی ہے کمپنی اس کی مالک ہو جاتی ہے اور کبھی بیمہ ہولڈر کی جمع کردہ رقم کمپنی کی کچھ بچی رقم کے ساتھ بیمہ ہولڈر کو واپس مل جاتی ہے۔

بیمہ املاک میں احتمال ربا

جس وقت بیمہ ہولڈر کی املاک نقصان زدہ یا تباہ ہوں گی کمپنی جمع کردہ راس المال پر بڑھا کر کچھ زائد رقم بھی واپس کرتی ہے۔

---

۱ فتح القدیر ۲ ردالمحتار ص۳۰۳

یہ شکل ربوٰ پر مشتمل ہوگی ۔ لیکن چونکہ یہاں معاہدہ حربی اور مسلمان کے مابین ہے تو وہ زائد رقم ربوٰ نہ ہوگی بلکہ ایک مال مباح ہوگا جو مالک کی رضا سے بلا کسی جبر و اکراہ کے حاصل ہے ۔ اور یہ جائز ہے ۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے ۔ لا ربٰو بین اهل الاسلام واهل الحرب ۔ فتح القدیر میں ہے ۔ فاذا لم یاخذ غدرا فبای طریق اخذہ حل بعد کونہ رضا ۔

حاصل یہ کہ بیمۂ املاک میں کسی طرح احتمال ربا نہیں ۔ ربا کا تحقق ہی نہیں ہوگا ۔ اس لئے کہ تحقق ربا کی شرطیں مفقود ہیں ۔ لیکن قمار بہر صورت متحقق ہے ۔ جو ناجائز و حرام ہے ۔

ایک حیلۂ جواز کا رد

مذکورہ بالا بحث سے پتہ چلا کہ کسی بیمہ ہولڈر کو اس کا یقین یا ظن غالب نہیں کہ وہ حصول نفع کے ساتھ اپنی اصلی جمع کردہ رقم واپس لے ہی لے گا ۔ لیکن صورت جواز پیدا کرنے کے لئے کوئی بیمہ ہولڈر یہ طے کرلے کہ میں اپنی املاک کو کسی نہ کسی طرح ضرور حادثے کا شکار کردوں گا ۔ تو کیا یہ عند الشرع جائز ہوگا ——— میری فہم ناقص میں یہ صورت بھی ناجائز رہی ہے اس لئے کہ اس صورت میں بالقصد تضییع مال مسلم ہے ——— نیز بطریق غدر تحصیل مال حربی ہے ——— جس کے ناجائز ہونے میں کسی کو کلام نہیں ۔ فتح القدیر میں ہے ۔ انما یحرم علی المسلم اذا کان بطریق الغدر ۔

بیمہ املاک کا مسئلہ ودیعت پر قیاس

باب ودیعت میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ مال ودیعت پر رکھا جائے اور مودع کے لئے حفاظت مال کی اجرت متعین کردی جائے تو اس صورت میں اگر مال امانت ضائع یا ہلاک ہو جائے تو مودع پر ضمان واجب ہے ——— یہ صورت عند الشرع جائز ہے ۔ شامی میں ہے :

ان المودع اذا اخذ اجرۃ علی الودیعۃ یضمنها اذا هلکت [1]	مودع نے جب مال ودیعت پر اجرت لی تو ہلاک کی صورت میں وہ ضامن ہوگا ۔

بیمہ املاک کی صورت بھی کچھ ایسی ہی ہے اس لئے اس جزئیہ پر قیاس کرتے ہوئے راہ جواز ممکن نظر آتی ہے لیکن غور و خوض کرنے کے بعد میرے خیال سے اس پر قیاس درست نہیں ۔ اس لئے کہ ودیعت میں مال ودیعت مودع کے حوالے کردیا جاتا ہے ۔ اس کے قبضے میں رہتا ہے اور یہاں املاک بیمہ ، بیمہ ہولڈر ہی کے قبضے و حفاظت میں ہوتے ہیں ۔ لہٰذا صورت مختلف ہے ۔ قیاس کیسے درست

[1] ردالمحتار ص۳۳۱ ۔

ہو سکتا ہے۔

میری فہم ناقص میں شرعی نقطۂ نگاہ سے بیمۂ املاک اختیاری کے جواز کی کوئی صورت نظر نہیں آتی اسلئے کہ بہر صورت غرر خطر قمار سے ملوث نظر آتا ہے۔

بیمۂ املاک اختیاری کے جواز کی امکانی صورت

بیمۂ املاک اختیاری کے جواز کی ایک صورت میری نظر میں ممکن نظر آتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ جن املاک کا بیمہ ہم کرا رہے ہیں وہ گویا انڈیا گورنمنٹ کی تحویل میں ہیں تصرف استعمال ہمیں حاصل ہے۔ گورنمنٹ نے ان املاک کی حفاظت کا ذمہ لیا۔ اور وہ حفاظت پر متعین اجرت بھی لے رکھی ہے یا سال بسال لیتے رہنے کا معاہدہ ہوا ـــــ تو یہ اجرت علی الودیعۃ کی صورت اختیار کر سکتا ہے۔ اور راہ جواز نکل سکتی ہے۔

بیمۂ املاک جبری لازمی

بیمۂ املاک جبری کی صورت اختیاری سے کچھ مختلف ہے۔ یہاں قانونی مجبوری ہے۔ انڈیا یونین قانون کی رو سے روڈ پر ہر چلنے والی گاڑی کا انشورنس ضروری ہے اس میں سال بسال معمولی رقم گورنمنٹ کو دینا پڑتی ہے۔ یہ ہر گاڑی مالک پر لازم ہے ورنہ اس کی گاڑی روڈ پر نہیں چل سکتی۔ یہ بیمہ محض روڈ پر چلنے کی اجازت فراہم کرے گا۔ جمع شدہ قسطیں کبھی واپس نہ ہوں گی اور نہ ہی ہلاکت کی صورت میں تلافی نقصان۔ گورنمنٹ اس میں کسی طرح ضامن نہیں۔ گویا روڈ ٹیکس وصول کرنے کا ایک اور طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔

بیمۂ املاک جبری میں نہ ربا کا احتمال ہے نہ ہی قمار کا۔ بس زیادہ سے زیادہ اعانت مشرکین ہے یا روڈ پر چلنے کا ٹیکس۔ اعانت مشرکین حرام ہے لیکن بوجہ مجبوری ایسی مجبوری کہ اس کے بغیر بہت سارے اقتصادی و دینی مسائل پیچیدہ ہو جائیں معاف ہے۔ لہٰذا بیمۂ املاک جبری کے جواز کی راہ واضح ہے۔ اس لئے کہ اسمیں نہ تو کوئی غرر و خطر ہے اور نہ ہی قمار جیسی صورت ـــــ۔

مذکورہ بالا وضاحت ایک بیمہ ایجنٹ کی بتائی ہوئی تفصیل کے مطابق ہے۔ لیکن بعض بیمہ ایجنٹوں سے رابطہ قائم کیا تو انھوں نے یہ بتایا کہ اس جبری بیمہ میں بھی گورنمنٹ ہلاک یا نقصان کی صورت میں کچھ تلافی کرتی ہے۔ بعض نے یہ بتایا کہ جس شخص کے ذریعہ آپ کی املاک کو نقصان پہونچا ہے یا املاک تباہ ہوئیں ہیں۔ گورنمنٹ اس سے تلافیٔ نقصان و ہلاک کرواتی ہے۔ لیکن اس پر سب کا اتفاق ملا کہ بیمہ کے نام پر جو رقمیں جمع ہوں گی وہ کسی صورت میں واپس نہیں ہوں گی۔ یہ بالکل فیصلہ ہے کہ جمع شدہ قسطیں واپس نہ ہوں گی۔

تواب اسے قمار تو ہرگز نہ کہا جائے گا۔ کہ غرر و خطر سے بالکل باہر ہے۔

البتہ بعض ایجنٹوں کی بتائی ہوئی تفصیل کے مطابق کہ نقصان یا تباہ ہونے کی صورت میں گورنمنٹ خود یا حادثہ کرنے والے سے تلافی مافات کراتی ہے۔ تو اس رقم کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہوگا۔ ظاہر ہے گورنمنٹ خود ایک تعاون کر رہی ہے یا حادثہ کرنے والے سے تعاون کروا رہی ہے۔ تو اس کے جواز میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔

بیمہ جبری در بارۂ ملازمت

گورنمنٹی سروسوں میں بھی جبری بیمہ ہوتا ہے۔ یہ جبری بیمۂ زندگی ہوتا ہے۔ جس کو پراویڈنٹ فنڈ کہا جاتا ہے۔ تنخواہ کا معمولی حصہ ماہ بہ ماہ گورنمنٹ کاٹتی رہتی ہے سروس ختم ہونے کے بعد یا دوران سروس موت ہونے کے بعد ملازم کو یا ملازم کے ورثہ کو اصول بیمہ کے تحت تمام جمع شدہ رقموں کے ساتھ کچھ زائد بھی واپس کرتی ہے۔ یہ بھی گورنمنٹ کا اپنے ملازمین کے ساتھ ایک تعاون ہے۔ زائد رقم سود بھی نہ ہوگی اس لئے گورنمنٹ حربی ہے حربی زائد مال برضا و خوشی دے تو وہ مال مباح ہے۔ اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔

بعینہٖ اسی مسئلے سے متعلق ماضی قریب کے عبقری فقیہ امام احمد رضا فاضل بریلوی کا فتویٰ جواز موجود ہے لیکن بشرطیکہ ہے کہ ملازم اسے سود کی نیت سے نہ لے بلکہ مال مباح سمجھ کر لے پھر جہاں چاہے اسے خرچ کرے اپنے مصرف میں لائے یا کسی کار خیر میں لگائے۔"

مولانا آل مصطفیٰ صاحب مصباحی
استاذ جامعہ امجدیہ گھوسی۔ مئو

بیمۂ زندگی اور بیمۂ اموال کی شرعی حیثیت

معاشی ترقی اور خوشحالی کے لئے ، اسباب و وسائل ، کی فراہمی فرد ، جماعت اور ملک ایک فطری تقاضا ہے ۔ اور یہ وسائل غیر متبدل نہیں ۔ بلکہ سماج و ماحول اور حالات ، زمانہ کے اعتبار سے ان میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں ۔ مگر آج کے ترقی یافتہ دور میں تبدیلی اسباب کے جو نت نئے زاویے سامنے آرہے ہیں ۔ وہ شرعی نقطۂ نظر سے بڑے بھیانک بھی ہیں اور افسوسناک بھی ۔ وجہ یہ ہے کہ موجودہ دور میں مالی ترقیاتی اسکیموں پر مغربی طرز معیشت پوری طرح حاوی ہے ۔ جس کا نتیجہ ہے کہ مالی ترقی کے نئے ذرائع اور جدید وسائل سود اور جوے کی نجاستوں سے پوری طرح آلودہ ہو چکے ہیں بلکہ حق تو یہ ہے کہ آج کا مروجہ نظام معیشت سود خواری اور قمار بازی جیسے غیر شرعی امور سے عبارت ہے ۔

اسلام چونکہ ایک مذہب مہذب ہے ، اس لئے دیگر معاملات کی طرح کاروبار معیشت میں بھی وہ ایسا صاف اور پاکیزہ نظریہ پیش کرتا ہے ، جس میں ظاہری خوشحالی اور ترقی کے ساتھ باطنی ترقی اور روحانی پاکیزگی کا تصور بھی نمایاں طور پر ملتا ہے ۔ یہ نظریہ عقلی ، طرقی ، سماجی ، اور معاشرتی ہر اعتبار سے اتنا صاف اور بے غبار ہے ۔ جس کے بالمقابل دنیا بھر کے تمام جدید و قدیم معاشی نظریات پھیکے نظر آتے ہیں ۔ نہ اس میں ربا کا کوئی تصور ہے ۔ نہ قمار کی کوئی جگہ ، نہ اس میں غدر اور بد عہدی کا کوئی گذر ہے ۔ اور نہ ہی غرر و ضرار جیسے غیر موزوں طریقۂ معاملت کی کوئی گنجائش ۔ کیونکہ شریعت طاہرہ نے مالی استحکام پر زور دینے کے باوجود ان چیزوں سے بچنے کی شدید تاکید کی ہے ۔ اور واضح الفاظ میں ربوی معاملات کی نجاست و غلاظت کو آشکارا کر دیا ہے ۔ چنانچہ قرآن کریم میں متعدد جگہوں پر فرمایا گیا ۔

احل اللہ البیع وحرم الربٰو ٥ — اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام کیا ۔

لاتَظلِمُونَ ولاتُظلَمُونَ ٥ — نہ تم کسی کو نقصان پہونچاؤ نہ تمہیں نقصان ہو ۔

یمحق اللہ الربٰوا ویربی الصدقات ٥	اللہ سود کو ہلاک کرتا اور خیرات کو بڑھاتا ہے۔
یاایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربٰوا ٥	اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سود۔
یاایہا الذین آمنوا لا تاکلوا الربٰوا اضعافا مضاعفۃ ٥	اے ایمان والو! سود دونا دون نہ کھاؤ۔

حدیث پاک میں بھی ربا، قمار، اور غرر و خطر کی سختی سے ممانعت وارد ہے۔

لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آکل الربٰوا وموکلہ وکاتبہ وشاہدیہ وقال ہم سواء۔ (مسلم جلد ۲ ص ۲۷)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی سود لینے والے اور کھلانے والے اور اس پر گواہیاں کرنے والوں پر اور فرمایا وہ سب برابر ہیں۔

بیمہ کمپنی کا نظام کار بھی انھیں ترقی یافتہ سودی کاروبار کا ایک بڑا حصہ ہے۔ اس کاروبار کے شرائط وضوابط میں ربا۔ قمار، غرر، خطر جیسے عناصر پائے جانے کے باوجود اس کی ظاہری افادیت واہمیت روز افزوں بڑھتی ہی جارہی ہے۔ اور اسے قبولیت عامہ کا مقام حاصل ہوتا جارہا ہے۔ دوسری طرف ہم اپنی بے سروسامانی کی بنا پر نہ تو اس کا کوئی ایسا متبادل نظام معیشت قائم کرسکتے ہیں جو ان نجاستوں سے پاک ہو اور نہ ہی سودی اسباب و وسائل کے اخذ و اختیار کی بڑھتی ہوئی رفتار کو روکنے میں کامیاب ہوسکتے ہیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ آج ہندوستانی مسلمانوں کا ان جدید معاشی نظام سے گریز کرنا۔ اور نئے اقتصادی سدھار کے فارمولوں پر عمل پیرا نہ ہونا۔ ان کی معاشی تنگ حالی کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتے ہیں۔

عصر موجود میں مسلمانوں کے اقتصادی نظام کا ڈھانچہ یونہی بگڑا ہوا ہے۔ اور اس کے سدھار کی طرف کوئی مناسب پیش قدمی بھی نہیں ہورہی ہے، اور غلبہ و تسلط ایسی قوم یا افراد کا ہے جن کے پاس مال و دولت کی بہتات تو ہے لیکن شرعی مزاج و فکر نہیں۔ اس لئے کہ ہم نے ہندوستانی مسلمانوں کے معاشی حالات و ضروریات کو سامنے رکھ کر شرعی اصول سے کوئی سمجھوتہ کئے بغیر کاروبار انشورنس کے رائج طریقوں کے مثبت پہلو پر غور و فکر کرکے نظام بیمہ کا شرعی حکم تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔

بیمۂ زندگی

(الجواب ۱)

(الف) بیمۂ زندگی کے بنیادی اصول، نظام کار اور شرائط کا جو تعارف سوالنامہ میں کرایا گیا ہے

اس کی روشنی میں یہ اپنی اصل اور حقیقت کے لحاظ سے قرض ہے۔ اس کی صورت امانت یا کفالت و ضمانت کی نہیں۔ اور نہ ہی اس کے علاوہ ہبہ وغیرہ کی ہے۔ اور اس عقد (قرض) میں منفعت کی شرط ٹھہرا لینے کی وجہ سے اصل رقم پر ملنے والی زائد رقم ربا وسود ہے۔ یونہی مقررہ قسطیں تین سال یا مدت موسعہ (پانچ سال) تک ادا نہ کرسکنے کی صورت میں جمع شدہ رقم کا سوخت ہو جانا۔ نیز قسطوں کی ادائیگی کے لئے مقررہ مدت سے قبل بیمہ دار کے انتقال کر جانے کی صورت میں اس کے نامزد کردہ شخص یا پسماندگان کو پوری۔ بیمہ شدہ رقم، کامل ہو جانا قمار وجوا کے زمرے میں آتا ہے۔

ذیل میں لائف انشورنس کے ضروری گوشوں پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالی جارہی ہے۔

بیمۂ زندگی امانت نہیں

بیمۂ زندگی میں ہونے والے معاملات امانت ودیعت کے دائرہ مفہوم میں نہیں آتے۔ اور نہ ہی اس کے اندر امانت کے شرائط پائے جاتے ہیں۔

فقیہ اعظم ہند صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے مندرجہ ذیل۔ نقلی اقتباسات۔ میرے اس دعوے کے ثبوت پر شاہد عدل ہیں۔ آپ ودیعت وامانت کا شرعی مفہوم بتاتے ہوئے رقم فرماتے ہیں:

دوسرے شخص کو اپنے مال کی حفاظت پر مقرر کر دینے کو ایداع کہتے ہیں۔ اور اس مال کو ودیعت کہتے ہیں۔ جس کو عام طور پر امانت کہا جاتا ہے۔ امانت اسے کہتے ہیں کہ جس میں تلف پر ضمان نہیں ہوتا ہے۔ جس کی چیز ہے اسے مودِع کہتے ہیں۔ اور جس کی حفاظت میں دی گئی اسے مُودَع کہتے ہیں۔ (بہار شریعت ج ۱۴ ص ۳۰)

پھر اس کا حکم اور اس کے شرائط بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

ودیعت کا حکم یہ ہے کہ وہ چیز مُودَع کے پاس امانت ہوتی ہے۔ اس کی حفاظت مُودَع پر واجب ہوتی ہے۔ اور مالک کے طلب کرنے پر دینا واجب ہوتا ہے۔۔۔۔۔

۔ ودیعت کو نہ دوسرے کے پاس امانت رکھ سکتا ہے، نہ عاریت یا اجارہ پر دے سکتا ہے۔ نہ اس کو رہن رکھ سکتا ہے، ان میں سے کوئی کام کرے گا تاوان دینا ہوگا۔ اس پر ضمان کی شرط کر دینا کہ اگر یہ چیز ہلاک ہو گئی تو تاوان لوں گا یہ باطل ہے۔ (بہار شریعت حوالہ مذکور)

۔ بیمۂ زندگی کے طریق کار میں مذکورہ بالا احکام وشرائط میں سے کوئی بھی نہیں پایا جاتا نہ تو جمع شدہ رقم، بعینہٖ باقی رہتی ہے۔ اور نہ ہی مالک جب چاہے اسے لے سکتا ہے۔ نیز اگر یہ رقم کمپنی سے ضائع ہو گئی جب بھی شرائط کے مطابق وثیقہ دار کمپنی سے لازمی طور پر وصول لیتا ہے۔ اور کمپنی بھی اپنے معاہدہ کے تحت

پوری رقم اضافہ کے ساتھ دے دیتی ہے۔ یونہی بیمہ دار جب چاہے اپنا مال کمپنی سے نہیں لے سکتا، بلکہ اس کے لئے میعاد مقرر ہوتی ہے۔ مثلاً پانچ سال میں کمپنی اتنے روپے ادا کرے گی۔ نیز تین سال یا پانچ سال تک قسطیں جمع نہ کرنے کی صورت میں جمع شدہ رقم کمپنی ضبط کر لیتی ہے۔ ان تفصیلات کی روشنی میں انشورنس کے معاملات کو امانت سے کوئی علاقہ نہ ہوا۔

بیمۂ زندگی کفالت وضمانت نہیں

لائف انشورنس کا طریق کار کفالت وضمانت بھی نہیں ہو سکتا۔ وجہ یہ ہے کہ اس پر نہ تو کفالت کی تعریف صادق آتی ہے۔ اور نہ ہی "کفالت شرعی" کے بنیادی امور اس کے اندر پائے جاتے ہیں۔

علامہ محمد بن علی دمشقی در مختار میں فرماتے ہیں:

"الکفالۃ هي ضم ذمۃ الکفیل الی ذمۃ الاصیل فی المطالبۃ مطلقا بنفس او بدین او عین۔" (ج ٤ ص ٢٧)

کفیل کا اصیل کے ذمہ کو اپنے ذمہ کے ساتھ ضم کر دینا شرعاً کفالت کہلاتا ہے۔ خواہ مطالبہ نفس کا ہو۔ یا عین کا۔ یا دین کا۔

کفالت میں چار بنیادی چیزیں ہوتی ہیں۔ جنہیں ارکان کفالت بھی کہا جاتا ہے۔

(١) طالب یعنی مکفول لہ (٢) اصیل و مکفول عنہ (٣) کفیل (٤) مکفول بہ۔ در مختار میں ہے۔

"والمدعی وهو الدائن مکفول لہ، والمدعی علیہ وهو المدیون مکفول عنہ ویسمی الاصیل ایضا والنفس او المال المکفول لہ مکفول بہ ومن لزمتہ المطالبۃ کفیل" (٤/٢٠٠)

مذکورہ نقل وحوالہ سے صاف ظاہر ہے کہ کفالت میں چار چیزیں بنیادی واساسی ہیں۔ جنہیں سے ایک "دوسرے کے ذمہ کو اپنے ذمہ میں لے لینا" بھی ہے۔ اور یہی کفالت شرعی کا اصل عنصر ہے۔ لیکن لائف انشورنس اس بنیادی واساسی جزء سے خالی ہے۔ لہذا لائف انشورنس بیمۂ زندگی کفالت کے دائرہ میں نہیں آسکتا۔ جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

بیمۂ زندگی کو کفالت وضمانت ماننے کے لئے چار چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔

(١) جس کا مطالبہ ہو (طالب ومکفول لہ) (٢) جس پر مطالبہ ہو (اصیل ومکفول عنہ) (٣) جس نے ذمہ داری لی (کفیل) (٤) جس پر کفالت کی (مکفول بہ) ۔۔ بیمۂ زندگی کو کفالت وضمانت ماننے کی تقدیر پر بیمہ دار، مکفول لہ ہوگا۔ اور بیمہ شدہ رقم مکفول بہ۔ مکفول عنہ، اور کفیل کی دو مختلف صورتیں یہاں متحقق نہیں۔ بلکہ انشورنس کمپنی از خود مکفول عنہ بھی ہو رہی ہے اور کفیل بھی۔ جب کہ

دونوں کا مختلف ہونا ضروری ہے ۔ کمپنی ، مکفول عنہ تو اس لحاظ سے ہے کہ بیمہ دار اپنی رقم کمپنی ہی کو دیتا ہے ۔ تو بیمہ دار کا مطالبہ کمپنی پر ہوا ۔ اس لحاظ سے وہ اصیل اور مکفول عنہ ٹھہری ۔ اور بیمہ اصول و شرائط کے مطابق خود کمپنی ہی بیمہ شدہ رقم کی ضامن بھی ہوتی ہے ۔ لہٰذا وہ کفیل بھی ہوئی ۔

اس لئے مستدل لنقطۂ نظر سے ۔ بیمۂ زندگی ، کو کفالت و ضمانت نہیں کہا جا سکتا ۔ کفالت کا مفہوم اور اس کی حقیقت ہی یہ ہے کہ ایک کے ذمہ کے ساتھ دوسرے کا ذمہ ملا یا جائے ۔ اور بیمہ زندگی میں خود کمپنی کا معاملہ ہے ۔ اور وہ خود کفیل بھی بن رہی ہے ۔

میرے اس نقطۂ نظر کی مؤید باب کفالت کے تعلق سے فقیہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ والرضوان کا ایک فتویٰ ہے ۔ جس کا ایک اقتباس ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے ۔ آپ رقمطراز ہیں :

..... پھر یہ کلام بھی اس صورت میں تھا کہ زید پہ مطالبہ ہو ۔ یا ہو گا ۔ اور عمرو نے اپنی جائداد مکفول کی ۔ یہاں تو اس پر بھی طرہ یہ ہے کہ خود زید ہی کا معاملہ اور وہ آپ ہی اپنی جائداد مکفول کر رہا ہے ۔ یہاں کون سا دوسرا ذمہ اس کے ذمہ کے ساتھ ملا یا گیا ۔ ایسی مخترع باتیں شرع مطہر کے نزدیک اصلاً قابل اثبات نہیں ہو سکتیں ۔ اس مسئلہ کو خوب سمجھ لینا چاہئے کہ آجکل یہ نئی وضع کی کفالت بہت شائع ہو گئی ہے ۔ حالانکہ وہ محض ایجاد بندہ ہے ۔

(فتاویٰ رضویہ جلد ۷ ص ۳۷۶)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ جب تک ایک کے ذمہ کو دوسرے کے ذمہ کے ساتھ نہ ملا یا جائے یعنی دیگر جب تک مکفول عنہ ۔ اور کفیل کے مصادیق الگ الگ نہ ہوں کفالت کا تحقق نہیں ہو سکتا ۔

لہٰذا ۔ بیمۂ زندگی شرعاً کفالت و ضمانت نہیں ہو سکتا ۔

بیمۂ زندگی قرض ہے

بیمہ دار انشورنس کمپنی کو تجارتی اغراض کے لئے متعین منافع پر روپئے قرض دیتا ہے اور انشورنس کمپنی بیشتر بیمہ داروں سے یہ رقوم لیکر اپنا کاروبار چلاتی ہے ۔ پھر ایک متعینہ مدت کے بعد حسب قانون مشروط اضافہ کے ساتھ وہ روپئے واپس کر دیتی ہے ۔ فقہی اعتبار سے یہ صورت قرض کی ہے ۔ تنویر الابصار میں ہے ۔

• القرض هو عقد مخصوص يرد على دفع مال مثلي لآخر ليرد مثله ۔ (ج ۲ ص ۱۷۰)

قرض ایک مخصوص عقد کا نام ہے جس میں ایک شخص اپنا مثلی مال دوسرے کو دیتا ہے اور وہ پھر اسی کے مثل واپس کر دیتا ہے ۔

البتہ عصر موجود میں قرض لینے اور دینے کا یہ انداز انوکھا ہے ۔ ورنہ قرض کی مروجہ سودی شکل بعد جاتی

میں بڑے پیمانہ پر وسیع پر تھی۔ ایک شخص دوسرے کو اپنی رقم بطور قرض دے کر مدت مقررہ کر لیتا۔ پھر قرض دہندہ اس مدت کا ایک معاوضہ طے کر کے اس طے شدہ اضافہ کو قرض کی شرط قرار دیتا تھا۔ چنانچہ جب وہ مدت گذر جاتی۔ قرض دہندہ اصل رقم کے ساتھ ساتھ طے شدہ معاوضہ بھی وصول لیتا ——

علامہ اسماعیل حقی حنفی تفسیر روح البیان میں تحریر فرماتے ہیں۔

إن اهل الجاهلية كان احدهم اذا حل ماله على غريمه نطالبه به يقول الغريم لصاحب الاجل زدني شيئاً في الاجل حتى ازيدك في المال فيفعلان ذلك ويقولان سواء علينا الزيادة في اول البيع بالربح او عند المحل لاجل التاخير

(جلد ۱ ص ۴۳۶)

ایام جاہلیت میں ایک شخص قرض دار کو اپنا مال دیتا پھر اس سے اپنے دیئے ہوئے مال کا مطالبہ کرتا تو مقروض قرض خواہ سے مدت میں اضافہ کا طالب ہوتا۔ اور کہتا۔ مطالبہ کی مدت بڑھا دو۔ تو میں مال قرض اضافہ کے ساتھ دوں گا۔ پھر عقد میں یہ شرط باہم طے پا جاتی۔ اور دونوں کہتے کہ بوقت بیع نفع ملنے والی زیادتی ہو۔ یا ادائیگی قرض کے وقت تاخیر کے باعث ملنے والی زیادتی دونوں ایک اور برابر ہیں ——

اسلام نے قرض کی اس خطرناک، غیر شرعی اور سودی معاملہ کی سختی سے ممانعت فرمائی۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

احل الله البيع وحرم الربٰوا ۞

اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا۔

حدیث پاک میں بھی عہد جاہلیت میں مروج ربا اور اس کی ممانعت کا ذکر ملتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كل ربا في الجاهلية فهو موضوع تحت قدمي

جاہلیت کا تمام سودی کاروبار میرے قدم کے نیچے روند گیا

ربا کی حقیقت

ربا لغت میں مطلقاً اضافہ (INTEREST) کو کہتے ہیں، لیکن اصطلاح شریعت میں ایک خاص اضافہ کا نام ربا ہے۔

علامہ جلال الدین خوارزمی حنفی کفایہ شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں:

الربا في الشرع عبارة عن فضل مالٍ لايقابله عوض في معاوضة مالٍ بمالٍ۔

(جلد ۶ ص ۱۴۷)

شریعت میں ربا مال کی اس زیادتی کا نام ہے جس کے بالمقابل معاوضہ مالی میں کوئی مال نہ ہو

فقہاء کی تصریح کے مطابق اس زیادتی کی دو صورتیں ہیں (۱) ربا الفضل (۲) ربا النسیہ۔ اور دونوں ہی حرام ہیں۔ قرض کی مروجہ شکل میں دونوں صورتیں پائی جاتی ہیں۔ ربا الفضل کا پایا جانا تو ظاہر ہے۔ اور ربا النسیہ اس لیے ہے کہ غیر کیلی اور غیر موزونی چیزوں میں قرض پر زیادہ لینا بھی ربا النسیہ کہلاتا ہے۔ بدائع الصنائع میں ہے۔

واما ربا النساء فهو فضل الحلول على الاجل وفضل العين على الدين في المكيلين او الموزونين عند اختلاف الجنس او في غير المكيلين او الموزونين عند اتحاد الجنس عندنا۔ (جلد ۵ ص ۱۸۳)

(احناف کے نزدیک ربا النسیہ کی چند صورتیں ہیں) (۱) مقررہ میعاد پر وقت کا بڑھ جانا (۲) اختلاف جنس کی صورت میں کیلی یا موزونی میں دین پر عین کا اضافہ (۳) جنس ایک ہونے کی صورت میں غیر کیلی وغیر موزون چیزوں میں عین کا اضافہ ربا النسیہ کہلاتا ہے۔

فقہاء احناف نے قرض میں منفعت کی شرط ٹھہرا لینے کو باتفاق رائے ربا اور سود قرار دیا ہے۔ رد المحتار میں علامہ شامی فرماتے ہیں:

كل قرض جر نفعا حرام اي اذا كان مشروطا۔ (جلد ۴ ص ۱۶۶)

قرض پر جو نفع بطور شرط حاصل کیا جائے وہ سود ہے۔

امام احمد رضا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

"وہ زیادت کہ عوض سے خالی ہو اور معاہدہ میں اس کا استحقاق قرار پایا ہو۔ سود ہے۔ مثلاً سو روپے قرض دیئے اور یہ ٹھہرا لیا کہ پیسہ اوپر سو لے گا۔ تو یہ پیسہ عوض شرعی سے خالی ہے لہٰذا سود و حرام" (فتاویٰ رضویہ جلد ۷ ص)

بیمہ زندگی میں قرض پر مشروط منفعت لی جاتی ہے

بیمہ زندگی کے اصول و شرائط سے واقف ہر شخص جانتا ہے کہ دائن (بیمہ دار) اور مدیون (بیمہ کار) میں یہ معاہدہ کوئی ڈھکا چھپا نہیں ہوتا۔ بلکہ کھلم کھلا ہوا کرتا ہے۔

سوالنامہ میں کامرس کے حوالے سے ہے۔

"زندگی کا بیمہ جوکھم یا خطرے سے تحفظ کا اور روپے پیسے کے جمع کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ ایک مقررہ قسط یا پریمیم کی ادائیگی کے بعد بیمہ کرانے والا شخص دو فائدوں کا حقدار ہو جاتا ہے۔ پہلا فائدہ تو یہ ہے کہ اس کی موت واقع ہو جانے پر ایک مقررہ رقم اس کے وارث کو مل جائے گی لہٰذا زندگی بیمہ کا

یہ تحفظ کا عنصر ہوا۔ دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ جو رقم بیمہ پریمیم کی شکل میں وہ جمع کرتا ہے اس پر سود در سود کے حساب سے سود ہی نہیں ملتا بلکہ وہ انتہائی مستحکم سیکورٹی کی شکل میں جمع رہتی ہے۔ اور مقررہ مدت کے بعد مع منافع واپس مل جاتی ہے۔

مذکورہ بالا اقتباس سے یہ امر بخوبی عیاں ہے کہ بیمہ کرانے والا شخص (کامرس ص ۲۵) بیمہ کمپنی کو دیئے گئے قرض پر مشروط منفعت حاصل کرتا ہے۔ اور کمپنی بھی برضا و رغبت معاہدہ کے مطابق دیتی ہے۔ لہٰذا بیمہ زندگی کی بنیاد ربا اور سود پر ہوئی۔

بیمہ زندگی قمار بھی ہے

قمار کی حقیقت:۔ فقہاء کرام نے قمار کی تعریف یوں فرمائی ہے: القمار من القمر الذی یزید وینقص وسمی القمار قمارا لان کل واحد من المقامرین ممن یجوز ان یذهب ماله الی صاحبه ویجوز ان یستفید مال صاحبه (رد المحتار) قمار لفظ قمر سے بنا ہے جو گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ قمار کو قمار اس لئے کہا جاتا ہے کہ جوا کھیلنے والوں میں سے ہر شخص کے مال کا اس کے مقابل کو مل جانے یا مقابل کے مال سے مستفید ہونے کا امکان لگا رہتا ہے۔ اب آیئے ذیل میں لائف انشورنس کے بعض اہم اصول و شرائط پر ایک نگاہ ڈالی جائے تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ قمار اور جوا سے اس کی تخمیر کیسے ہوئی! ________ سوالنامہ میں انشورنس کے دیگر شرائط کے ساتھ ساتھ ایک خطرناک مگر واقعی اور لازمی شرطیہ بیان کی گئی ہے۔

بیمہ دار کے لئے تین سال کی تمام قسطیں حسب قرارداد بیمہ کمپنی جمع کرنی ضروری ہیں اگر کسی وجہ سے کچھ قسطیں جمع ہونے سے رہ گئیں تو اسے ... جمع ہونے کی پہلی میعاد سے مزید پانچ سال کی مہلت بیمہ دار کو دی جاتی ہے کہ وہ چاہے تو اس وقت میں کبھی بھی بقیہ قسطیں یکمشت مع سود جمع کرکے اپنی پالیسی جاری کرے۔ لیکن اگر یہ توسیعی میعاد بھی گذر گئی اور بیمہ دار باقی ماندہ قسطیں جمع کرنے سے قاصر رہا تو اس کا کھاتہ بند کرکے اس کی تمام جمع شدہ رقم ضبط کرلی جاتی ہے۔ یعنی وہ رقم موخت ہو جاتی ہے۔ جو خود بیمہ کمپنی کی ملک ہو جاتی ہے ہاں اگر تین سال کی تمام قسطیں مدت مقررہ یا موسعہ میں جمع کردی گئیں تو بیمہ کی مدت پوری ہو جانے پر اسے وہ تمام رقم مع بونس واپس مل جائے گی۔ (ص ۱۳)

کامرس میں۔ زندگی بیمہ کے دو اہم فائدے بیان کئے گئے ہیں:

۔ پہلا فائدہ تو یہ کہ اس کی موت واقع ہو جانے پر ایک مقررہ رقم اس کے وارث کو مل جائے گی .....

دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ جو رقم پریمیم کی شکل میں وہ جمع کراتا ہے اس پر سود در سود ہی نہیں ملتا بلکہ وہ انتہائی

مستحکم سیکورٹی کی شکل میں جمع رہتی ہے۔ اور مقررہ مدت کے بعد مع منافع واپس مل جاتی ہے۔ (ص ۱۰)
مذکورۃ الصدر اقتباسات سے ظاہر ہے کہ جس طرح ایک جوا باز بازی جیتنے کی صورت میں مالی نفع۔ اور ہارنے کی صورت میں مالی نقصان اٹھاتا ہے۔ اسی طرح ایک بیمہ دار کو بیمہ شدہ رقم میں نقصان کا اندیشہ بھی ہوتا ہے اور نفع کی امید بھی۔ ایک طرف وہ اپنی جمع شدہ رقم ہار جانے کا خطرہ مول لیتا ہے تو دوسری طرف اسے جمع شدہ رقم کی واپسی کی نہ صرف امید ہی ہے بلکہ اس پر ملنے والے منافع کی بھی امید لگی رہتی ہے۔

یونہی ساری قسطیں جمع کرنے سے قبل ہی بیمہ دار کی طبعی یا حادثاتی موت واقع ہو جانے پر پوری بیمہ شدہ رقم یا دوگنی رقم کا مل جانا ایک مترتبہ مالی منفعت کا حصول ہے۔ ظاہر ہے کہ اس رقم کی حیثیت قمار کی طرح بلا عوض خالص نفع کی ہے۔ جو موت واقع ہو جانے کی صورت میں اتفاقی طور پر حاصل ہوئی ہے۔ یونہی خود کمپنی کو شیقہ داروں کے روپیوں سے نفع بھی ہو سکتا ہے۔ اور نقصان بھی۔ اور یہ نفع یا نقصان کمپنی کے لیے بھی محض اتفاقی ہے۔ اور یہی اصل جوا اور روح قمار ہے۔

بیمہ زندگی کی رائج شکلیں کیا ہندوستان میں بھی سود اور قمار ہیں؟

یہ امر مسلم ہے کہ ہندوستانی انشورنس کمپنیاں حکومت ہند کے زیر انتظام ہیں اور موجودہ حالات میں اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ یہاں کی حکومت پر صرف غیر مسلموں کا غلبہ و تسلط ہے۔ بلکہ عملی طور پر تمام حکومت انہیں غیر مسلموں کے ہاتھوں میں ہے۔

لہٰذا کاروبار انشورنس میں شرعی نقطۂ نظر کی وضاحت کیلئے مندرجہ ذیل امور طے کرنا از بس ضروری ہے۔
(۱) شرعی اعتبار سے ہندوستانی غیر مسلمین کی حقیقت! (۲) شرعی اعتبار سے ہندوستان کی قرار واقعی کیا ہے؟ (۳) سود کا محل اور اس کے تحقق کے شرائط!

ذیل میں اختصار کے ساتھ مذکورہ بالا امور پر روشنی ڈالی جا رہی ہے۔

ہندوستانی غیر مسلموں کی حقیقت

فقہی اعتبار سے غیر مسلمین کی تین قسمیں ہیں۔
(۱) ذمی (۲) مستامن (۳) حربی

ذمی۔ وہ غیر مسلم ہے جو دارالاسلام کا باشندہ ہو اور بادشاہ اسلام سے عقد ذمہ کرکے جزیہ دیتا ہو۔
مستامن۔ وہ غیر مسلم ہے جو دارالحرب کا باشندہ ہو۔ مگر ایک مدت مقررہ کے لئے بادشاہ اسلام سے امان لے کر عارضی طور پر دارالاسلام آیا ہو۔

حربی۔ جو نہ ذمی ہو نہ مستامن۔

ہندوستان کے کفار نہ ذمی ہیں نہ مستامن بلکہ حربی ہیں۔

ملاجیون علیہ الرحمۃ کا اپنے زمانہ کے ہندوستانی غیر مسلموں کے بارے میں حربی ہونے کا فیصلہ اس بات کی کھلی شہادت دیتا ہے۔ جب کہ ان کے زمانہ میں حضرت سلطان اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی حکومت تھی۔ لیکن چونکہ وہ کافروں سے نہ تو جزیہ لیتے تھے۔ اور نہ ہی اس وقت کے غیر مسلمین کی دار الحرب سے آکر عارضی طور پر امان لے کر یہاں رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے استاد حضرت ملاجیون نے تفسیرات احمدیہ میں فرمایا۔

وان ہم الا حربیون وما یعقلہا الا العاقلون۔ ([illegible])

ہمارے زمانے کے کفار حربی ہیں اور اسے علم والے ہی سمجھ سکتے ہیں۔

اور آج جب کہ ہندوستان میں اسلامی سلطنت ہی نہیں ہے۔ تو یہاں کے کفار ذمی یا مستامن کیونکر ہو سکتے ہیں۔ لا محالہ یہ حربی ہی ہیں۔

ہندوستان دار الاسلام ہے

دار الاسلام اور دار الحرب کی تفصیلات سے پہلے ہم یہاں ہندوستان کے دار الاسلام ہونے سے متعلق فقیہ جلیل امام احمد رضا علیہ الرحمہ کا فیصلہ ہدیۂ ناظرین کر رہے ہیں۔ آپ تحریر فرماتے ہیں۔

الہند بحمدہ تعالیٰ دار الاسلام لبقاء کثیر من شعائر الاسلام بہا یتعلق منہا ... دار الاسلام لا تصیر دار حرب ... الاسلام یعلو ولا یعلیٰ۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۳، ص ۱۱۵)

بحمدہ تعالیٰ ہندوستان دار الاسلام ہے کیونکہ بہت سے شعائر اسلام (یہاں) باقی ہیں۔ اور جب کچھ بھی شعائر باقی ہوں تو دار الاسلام، دار الاسلام ہی رہے گا۔ اسلئے کہ اسلام خود بلند ہوتا ہے بلند کیا نہیں جاتا۔

دار الاسلام اور دار الحرب کی تفصیل بیان فرماتے ہوئے رقم فرماتے ہیں۔

"ہندوستان دار الاسلام ہے، دار الاسلام وہ ملک ہے کہ فی الحال اس میں اسلامی سلطنت ہو یا اب نہیں تو پہلے تھی اور غیر مسلم بادشاہ نے اس میں شعائر اسلام مثل جمعہ و عیدین و اذان و اقامت و جماعت باقی رکھے۔ اور اگر شعائر کفر جاری کئے اور شعائر اسلام یک لخت اٹھا دیئے اور اس میں کوئی شخص امان اول پر باقی نہ رہا اور وہ جگہ چاروں طرف سے دار الاسلام سے گھری ہوئی نہیں تو دار الحرب ہو جائے گا۔ جب تک یہ تینوں شرطیں جمع نہ ہوں کوئی دار الاسلام دار الحرب نہیں ہو سکتا۔" (فتاویٰ رضویہ ج ۶، ص ۱۱۴)

مذکورہ دو بنیادی باتوں کے بعد سود کے تحقق کی شرائط اور اس کی دیگر تفصیلات ذیل میں بیان

کی جا رہی ہیں۔ تاکہ مسئلہ زیر بحث میں حکم شرعی معلوم کیا جا سکے۔

سود کے تحقق کی ایک بنیادی شرط

سود کے تحقق کی ایک بنیادی شرط بدلین کا معصوم ہونا ہے۔ اگر بدلین میں سے ایک بھی غیر معصوم ہو تو امام اعظم اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک سود کا تحقق نہ ہوگا۔ ہاں امام ابو یوسف کے نزدیک ہو جائے گا۔ چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب۔ بدائع الصنائع۔ میں ملک العلماء علاء الدین ابی بکر بن مسعود کاسانی (متوفی ۵۸۷ھ)، فرماتے ہیں:

اما شرائط جریان الربا (فمنها) ان یکون البدلان معصومین. فان کان احدهما غیر معصوم لایتحقق الربا عندنا. وعند ابی یوسف هذا لیس بشرط ویتحقق الربا وعلی هذا الاصل یخرج ما اذا دخل مسلم دار الحرب تاجرا فباع حربیا درهما بدرهمین اوغیر ذلک من سائر البیوع الفاسدة فی حکم الاسلام انه یجوز عند ابی حنیفة ومحمد. وعند ابی یوسف لایجوز. (جلد ۵ ص ۱۹۲)

تحقق ربا کی ایک شرط بدلین کا معصوم ہونا ہے لہذا اگر ان میں سے کوئی ایک غیر معصوم ہو تو ہمارے نزدیک ربا کا تحقق نہ ہوگا امام ابو یوسف کے نزدیک یہ شرط نہیں۔ لہذا ربا کا تحقق ہو جائیگا اسی ضابطہ کی رو سے یہ مسئلہ اخذ کیا جاتا ہے کہ کوئی مسلمان دار الحرب تجارت کی غرض سے گیا۔ اور اس نے کسی حربی سے ایک درہم کے بدلے دو درہم فروخت کیا یا اس قسم کی دیگر ایسی بیع کی جو بنظر شرع میں فاسد ہیں تو امام اعظم اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک جائز ہوگی۔ اور امام ابو یوسف کے نزدیک ناجائز۔

علامہ طحطاوی حاشیہ درمختار میں شرنبلالیہ کے حوالے سے فرماتے ہیں:

ومن شرائط الربا عصمة البدلین وکونهما مضمونین بالاتلاف فعصمة احدهما وعدم تقومه به الآخر لایمنع۔ (جلد ۳ ص ۱۱۰)

ربا کے شرائط میں سے بدلین کا معصوم ہونا اور تلف کرنے پر ضمان کا واجب ہونا ہے۔ تو ان میں سے ایک کا معصوم ہونا اور دوسرے کا غیر متقوم ہونا منع نہ کرے گا۔

علامہ حصکفی درمختار میں فرماتے ہیں:

لاربا بین الحربی ومسلم مستامن ولو بعقد فاسد او قمار ثمہ لان ماله ثمه مباح فیحل۔ (درمختار جلد ۴ ص ۲۰۹)

کافر حربی اور مسلمان مستامن کے درمیان سود نہیں ہوتا۔ اگرچہ عقد فاسد یا قمار کے ذریعہ وہاں حاصل کیا جائے۔ اسلئے کہ حربی کا مال دار الحرب میں مباح ہے لہذا اسکا حاصل کرنا حلال ہوگا۔

سود کے تحقق وعدم تحقق کا مدار مال کی عصمت وعدم عصمت پر ہے۔ دار پر نہیں وہ چاہے دارالحرب ہو یا دارالاسلام۔ یہی وجہ ہے کہ وہ شخص جس نے دارالحرب میں اسلام قبول کیا۔ اور ابھی اس نے دارالاسلام ہجرت نہ کی تو اس مسلمان سے بھی عقد ربا حلال ہے۔ در مختار میں ہے:

وحكم من اسلم فی دار الحرب ولم يهاجر كحربی فللمسلم الربا معه خلافا لهما لان ماله غير معصوم فلو هاجر الينا ثم عاد اليهم فلا ربا اتفاقا۔

امام احمد رضا فرماتے ہیں:

ان الربا انما يكون فی مال معصوم اهل دار الحرب غير معصوم حتى من اسلم منهم ثمه ولم يهاجر الينا فاخذ ذالك اخذ مال مباح لا اخذ ربا ... وهذا لكم يعم كل حربی غير مستامن فی دار الاسلام لان ذمتنا لاحترام والعصمة تعم ذمیتهم جميعا۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۷ ص ۱۱۵)

مذکورہ بالا حوالوں سے ثابت ہو چکا کہ ہندوستان اگرچہ دارالاسلام ہے۔ مگر یہاں کے غیر مسلم حربی ہیں۔ اور حربی کا مال غیر معصوم وغیر محفوظ ہے۔ اور سود کا تحقق مال معصوم ہی میں ہوتا ہے۔ تو جہاں عصمت نہیں وہاں ربا بھی نہیں خواہ دار کچھ بھی ہو۔ انتفاء ربا کی علت دار نہیں اور حدیث پاک لاربا بين المسلم والحربی فی دار الحرب۔ میں دارالحرب کی قید واقعی ہے احترازی نہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ عہد رسالت میں کوئی بھی غیر مسلم حربی، حربی ہوتے ہوئے دارالاسلام آ نہیں سکتا تھا۔ دارالاسلام میں رہنے کے لئے ذمی یا مستامن ہونا ضروری تھا۔ اس مضمون کی دوسری حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جس میں دارالحرب کی قید کا ذکر نہیں۔ حضرت مکحول کی روایت میں ہے۔

لاربا بين اهل الحرب واظنه قال واهل الاسلام۔ (فتح القدیر [illegible])

لہذا حربی کافروں کو مال غدر اور بدعہدی کے علاوہ تمام صورتوں میں لینا جائز ہوگا۔ علامہ برہان الدین مرغینانی ہدایہ میں فرماتے ہیں:

لان مالهم مباح فی دارهم فبای طريق اخذه المسلم اخذ مالا مباحا اذا لم يكن فيه غدر (ہدایہ جلد ۳ ص ۷۰)

لیکن چونکہ یہاں کے کفار سے ہمارا معاہدہ ہے کہ ہم ان کے جان و مال سے کوئی تعرض نہ کریں گے ان کی اجازت کے بغیر ان کا مال نہیں لیں گے۔ لہذا اس معاہدہ کے تحت ان کی رضا کے بغیر لینا جائز نہ ہوگا۔ اور اگر بخوشی وہ اپنا مال ہمیں دیں۔ تو ان کی رضامندی سے کسی بھی عقد فاسد کے ذریعہ ان کے

اموال کی تحصیل جائز و حلال ہوگی اور ان سے لین دین میں جو ہمیں زیادتی ملے گی، وہ ربا اور سود کے زمرے میں ہرگز نہیں آئے گی۔ اور ہمارے لئے ان کا مال مباح خالص ہوگا۔

فقیہ اعظم صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"ہندوستان اگرچہ دارالاسلام ہے۔ مگر یہاں کے کفار یقیناً نہ ذمی ہیں نہ مستامن۔ لہٰذا ان کفار کے اموال عقود فاسدہ کے ذریعہ حاصل کئے جا سکتے ہیں جبکہ بدعہدی نہ ہو" (بہار شریعت حصہ ۱۱ جلد ۱۱ ص ۱۲۹)

اب تک کی گفتگو کا مدار اس بات پر تھا کہ لین دین میں زیادتی مسلمان کو ملے۔ تو یہ زیادتی سود نہ ہوگی۔ اور لینا جائز ہوگا۔ لیکن اگر زیادتی کسی غیر مسلم کو ملے تو اس صورت میں ربا کا تحقق ہوگا یا نہیں؟ اس سلسلے میں فقہائے احناف کی آراء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ محقق علی الاطلاق علامہ ابن ہمام کا رجحان یہ ہے کہ زیادتی غیر مسلم حربی کو ملنے کی صورت میں عقد ناجائز اور ربا ہوگا۔ وہ فرماتے ہیں:

لایخفی انه انما یقتضی حل مباشرة العقد اذا کانت الزیادة ینالها المسلم والربا اعم من ذالك اذ یشمل ما اذا کان الدرهمان من جهة المسلم او من جهة الکافر وجواب المسئلة بالحل عام فی الوجهین وکذا القمار قد یفضی الی ان یکون مال الخطر للکافر بان یکون الغلب له فالظاهر ان الاباحة تفید نیل المسلم الزیادة وقد التزم الاصحاب فی الدرس ان مرادهم من حل الربا والقمار ما اذا حصلت الزیادة للمسلم نظرا الی العلة وان کان اطلاق الجواب خلافه۔

(فتح القدیر جلد ۶ ص ۱۷۸)

یہ بات مخفی نہیں کہ کافر حربی کا مال دار الحرب میں مسلمان کیلئے مباح ہونے کو انتفائے ربا کی علت قرار دینا اس بات کا مقتضی ہے کہ یہ عقد اس وقت جائز ہوگا جب زیادتی مسلمان لے جبکہ ربا اس سے عام ہے اسلئے کہ یہ اس صورت کو بھی شامل ہے جبکہ دو درہم مسلمان کی طرف سے ہوں یا کافر کی طرف سے مسئلہ کی حلت دونوں ہی صورتوں کو عام ہے۔ یونہی قمار میں کبھی مال کافر کے ہاتھ لگ جاتا ہے۔ جبکہ قمار بازی میں غلبہ اسی کا ہو۔ تو ظاہر یہی ہے کہ اباحت مفید ہوتی جبکہ مسلمان زیادہ لے اور ہمارے اساتذہ نے یہ التزام کیا ہے کہ ربا اور قمار کے حلال ہونے سے ان کی مراد وہ خاص صورت ہے جبکہ زیادتی مسلمان کو ملے۔ جیسا کہ علت کا تقاضا ہے اگرچہ جواب کا اطلاق بظاہر اس کے برخلاف ہے۔

علامہ شامی کا بھی یہی رجحان ہے۔ وہ رد المحتار میں فتح القدیر کی مذکورہ بالا عبارت نقل کرکے اسکی تائید میں سیر کبیر اور شرح سیر کبیر کی عبارت پیش کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ فرماتے ہیں:

فانظر کیف جعل موضوع المسئلة

غور تو کرو کہ کافروں سے ان کے اموال ان کی رضامندی

الاخذ من اموالهم برضاهم فعلم ان المراد من الربا والقمار فی کلامهم ما کان علی هذا الوجه وان کان اللفظ عاما لان الحکم یدور مع علته غالبا :

(ردالمحتار ج ٤ ص ١٠٣)

سے پہلے کا مسئلہ کس طرح بیان کیا گیا۔ اسی سے یہ معلوم ہوگیا کہ ربا اور قمار سے ان کی مراد یہی ہے جو اس خاص طریقے پر ہو۔ گو کہ لفظ عام ہے کیونکہ حکم عموماً اپنی علت ہی پر دائر ہوتا ہے۔

علامہ طحطاوی کے تجزیہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے نزدیک صورت مذکورہ میں بھی ربا اور سود کا تحقق نہ ہوگا۔ وہ فرماتے ہیں :

(لان ماله ثمه مباح) هذا لا يظهر الا اذا كان المسلم هو الذى يتناول الزيادة والربا اعم من ذالك اذ يشمل ما اذا كان الدرهمان من جهة المسلم او من جهة الكافر وجواب المسئلة بالحل عام فى الوجهين منح عن الفتح۔ وقد تقدم ان شرط الرباعصمة البدلين جميعا۔ (طحطاوی علی الدر ج ۳ ص۱۱۷)

یہ ظاہر ہے جبکہ زیادتی مسلمان لے۔ اور ربا اس سے عام ہے کیونکہ یہ اس صورت کو بھی شامل ہے جبکہ دو درہم مسلمان کی طرف سے ہو۔ یا کافر کی طرف سے اور مسئلہ کا جواب علت سے دینا دونوں ہی صورتوں کو عام۔ اور گذر چکا کہ ربا کی شرط بدلین میں سے ہر ایک کا معصوم ہونا ہے۔

علامہ طحطاوی کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر لین دین میں زیادتی مسلمان نے دی۔ تو یہ زیادہ دینا مسلمان کے لئے ناجائز و حرام ہے۔ مگر اس صورت میں بھی ربا کا تحقق نہ ہوگا۔ کیونکہ ربا کے تحقق کے لئے بدلین کا معصوم ہونا شرط ہے۔ اور جب یہاں لین دین کا فر حربی سے ہے تو ایک جانب عصمت مفقود۔ لہٰذا سود منتفی۔ امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے اپنے متعدد فتاوی میں ہندوستانی غیر مسلموں سے تمام عقود فاسدہ بشمول ربا و قمار جائز و درست قرار دیا ہے۔ اس شرط کے ساتھ کہ لینے والا مال مباح سمجھ کر لے۔ رہی یہ بات کہ اگر زیادتی مسلمان کو دینا پڑے تو آیا اس صورت میں ربا ہوگا یا نہیں ؟ ان کے فتاوی سے حرمت تو ثابت ہے۔ لیکن صورت مذکورہ کا ربا ہونا مصرح نہیں۔

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے بھی کافر حربی سے عقد فاسد کے ذریعہ تحصیل مال کو جائز اور غیر ممنوع بتایا ہے۔ مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ عقد مسلم کے لئے مفید ہو۔ (بہار شریعت ج ۱۱ ص ۱۵۳)
اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر وہ عقد مسلمان کو مفید نہ ہو تو عقد ممنوع اور ناجائز ہوگا۔ لیکن ایسی صورت میں ربا کا تحقق ہوگا یا نہیں ؟ فقیہ موصوف کا کوئی واضح نظریہ معلوم نہ ہو سکا۔

بہرحال اس بات پر توسب کا اتفاق ہے کہ زیادتی کا قرار ملنے کی صورت میں عقد ناجائز و حرام ہوگا ۔ اختلاف اگر ہے تو صرف ربا کے تحقق وعدم تحقق میں ۔ اب مذکورۃ الصدر نقول وحوالے کی روشنی میں طے یہ کرنا ہے کہ بیمہ زندگی (LIFE INSURANCE) کا حکم شرعی کیا ہوگا ؟ کیا مسلمانوں کو زندگی بیمہ کی شرعاً اجازت ہوگی ؟ ۔

بیمہ زندگی کا حکم

مذکورہ بالا تفصیلات سے چند امور منقح ہوئے (۱) ہندوستانی انشورنس کمپنی حکومت ہند کے زیرانتظام ہے (۲) یہاں کی حکومت میں غلبہ وتسلط غیرمسلم حربیوں کا ہے ۔ بلکہ عملی طور پر حکومت انہیں حربیوں کی ہے ۔ (۳) انشورنش کا طریقہ کار اپنی ظاہری شکل وشباہت کے لحاظ سے ربا اور قمار ہی کے زمرے میں آتا ہے ۔ (۴) دارالحرب ہو یا دارالاسلام حربیوں کا مال مسلمانوں کے حق میں مباح ہے ۔ بشرطیکہ دھوکا اور فریب نہ ہو حربی معاہد کے مال میں ان کی رضامندی بھی ضروری ہے ۔ خواہ مال کا حصول ربا اور قمار کی شکل میں ہو یا دیگر عقود فاسدہ کے ذریعہ کہ یہ حقیقت میں ربا اور قمار ہی نہیں ۔

لہٰذا مسلمانوں کے لئے شرعاً بیمۂ زندگی کی اجازت ہوگی ۔ کیونکہ اس میں ملنے والی زیادتی درحقیقت سود اور قمار نہیں ۔ بلکہ مال مباح ہے ۔ جو بلا غدر و بدعہدی غیرمسلم حربیوں سے ان کی رضا سے حاصل ہورہا ہے ۔ لیکن چونکہ بیمۂ زندگی کی تخریب ربا کی ظاہری شکل وشباہت کے ساتھ ساتھ قمار بھی ہوتی ہے ۔ اور ظاہر ہے کہ قمار میں متعین طور پر یہ نہیں کیا جاسکتا کہ نفع کس کے حق میں ہوگا اور نقصان کس کے حق میں اور خود اپنا جمع کیا ہوا (راس المال) کس کے ہاتھ لگے گا ؟ اس لئے شرعاً عقد بیمہ کی اجازت ہر شخص کو نہیں دی جاسکتی ۔ بلکہ اس کے جواز یا عدم جواز کے فیصلہ کے لئے اس پہلو کو سامنے رکھنا ہوگا کہ بیمہ دار کا ذریعہ آمدنی کیا ہے ؟ کاروبار معیشت اور خانگی معاملات میں اس کے اخراجات کتنے ہیں ؟ اور رقم کی بچت کتنی ؟ اگر بیمہ دار کی شرح آمدنی اس کے اخراجات سے زیادہ ہے ۔ مثلاً وہ تنخواہ دار ملازم ہے کہ ہر ماہ ضروری اخراجات کے علاوہ معتد بہ رقم پس انداز کرلیتا ہے ۔ یا تاجر وغیرہ ہے کہ اپنی آمدنی سے خطیر رقم بچالیا کرتا ہے ۔ جس کی بنا پر بیمہ شدہ رقم کی ذکر کردہ مقررہ میعاد تک قسط وار ادائیگی کا اسے ظن غالب ہو ۔ تو ایسے شخص کو شرعاً یہ اجازت ہوگی کہ وہ زندگی بیمہ کرائے ۔ کیونکہ اس صورت میں بیمہ دار کو نفع کا حصول مظنون بظن غالب ہوگا ۔ اور شریعت طاہرہ میں بیشتر مسائل ہیں جو ظن غالب کے محور پر گردش کرتے ہیں ۔ ذیل میں اس کی ایک نظیر پیش کی جاتی ہے ۔

ظن غالب پر مدار حکم کی نظیر

فقہ اسلامی میں ۔ ظن غالب ۔ کی حیثیت ما فی جالی ہے ۔ اور اسمیں

بہت سے ایسے مسائل پائے جاتے ہیں جن کی بنیاد غلبۂ ظن پر رکھی گئی۔ مثال کے طور پر "بیع سلم" کو لیجئے کہ یہ فقہ حنفی کا ایک مستقل باب ہے جس کے جواز کے شرائط بھی خاصے طویل ہیں۔ جن میں سے ایک شرط کا بھی فقدان عقد سلم کے فساد کا باعث ہے۔ بیع سلم کے جواز کی ایک اہم شرط مسلم فیہ کا وقت عقد سے لے کر ادائے دین تک دستیاب ہونا ہے۔ اس تفصیل کے ساتھ کہ مسلم فیہ نہ عقد کے وقت معدوم ہو نہ ادا کے وقت اور نہ ہی درمیان میں، ان تینوں زمانوں میں مسلم فیہ کا دستیاب ہونا ضروری ہے۔ اگر ان میں سے کسی ایک زمانہ میں بھی ناپید ہوا تو بیع سلم ناجائز ہوگی۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ھدایہ میں ہے۔

لا يجوز السلم حتى يكون المسلم فيه موجودًا من حين العقد الى حين المحل حتى لو كان منقطعًا عند العقد موجودًا عند المحل او على العكس او منقطعا فيما بين ذالك لا يجوز. وقال الشافعي يجوز اذا كان موجودًا وقت المحل لوجود القدرة على التسليم حال وجوبه ولنا قوله عليه السلام لا تسلفوا في الثمار حتى يبدو صلاحها ولان القدرة على التسليم بالتحصيل فلا بد من استمرار الوجود في مدة الاجل ليتمكن من التحصيل.

(جلد ۳ ص ۹۳)

بیع سلم کے جائز ہونے کی ایک شرط یہ ہے کہ مسلم فیہ وقت عقد سے ختم میعاد تک مسلسل دستیاب رہے۔ اگر عقد کے وقت موجود نہ رہا، ادا کے وقت رہا، یا عقد کے وقت معدوم اور ادا کے وقت موجود رہا، یا درمیانی مدت میں موجود نہ رہا تو بیع ناجائز ہوگی۔ امام شافعی کے نزدیک اگر صرف ختم میعاد کے وقت موجود رہا جب بھی بیع سلم درست ہو جائے گی۔ کیونکہ بوقت وجوب ادائیگی پر قدرت حاصل ہے۔ ہماری دلیل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے۔ پھلوں میں بیع سلم نہ کرو۔ جب تک اس کے دانے خوب نہ نکل جائیں۔ اور اس لئے بھی کہ ادائیگی پر قدرت حاصل کرنے ہی سے ہوتی ہے۔ لہٰذا مسلم فیہ کا پوری میعاد میں موجود رہنا ضروری ہے۔ تاکہ اس کی تحصیل ممکن ہو۔

ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا شرط کا حتمی تحقق زیادہ سے زیادہ سال بھر تک ہو سکتا ہے۔ اس سے زائد عرصہ میں یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ایفائے عقد کے وقت یا درمیانی مدت میں مسلم فیہ دستیاب نہ ہو۔ مگر اس کے باوجود شریعت طاہرہ نے تین سال تک "بیع سلم" کو جائز قرار دیا ہے۔ بشرطیکہ اس مدت میں مسلم فیہ کا دستیاب ہونا مظنون بظن غالب ہو۔ حدیث پاک میں بھی تین سال تک مدت معین کر کے "بیع سلم" کرنے کو درست قرار دیا گیا ہے ـــــ بخاری شریف میں ہے۔

عن ابن عباس قال قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة وهم يسلفون بالثمر

السنتین السنتین والثلث فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من اسلف فی شئ فنی کیل معلوم ووزن معلوم الی اجل معلوم ۔ (جلد ا ص ۲۹۹)

مدینہ والے دو سال تین سال تک کے لئے پھلوں کا بیع سلم کرتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بیع سلم کرے تو کیل معلوم وزن معلوم اور مدت معلوم تک کیلئے کرے ۔

قرآن
حدیث
تفسیر
اور دیگر
علمی و ادبی
کتابوں کا
مرکز
برکاتی پبلشرز پہلی منزل، نیک محمد بلڈنگ چھاگلہ اسٹریٹ کھارادر کراچی نمبر ۷۴۰۰۰

مولانا محمد نسیم مصباحی
نائب مفتی جامعہ اشرفیہ

جان و مال کا بیمہ اور اُن کی شرعی حیثیت

سوالنامہ میں بیمۂ زندگی اور بیمۂ اموال کی جو تشریح کی گئی ہے اور مختلف انداز سے اس کے منافع اور ساتھ ہی شرعی نقطۂ نظر سے اس کے مفاد و مفاسد پر بھرپور روشنی ڈالی گئی ہے اس سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ

(۱) بیمۂ اموال اور بیمۂ زندگی کی شرعی حیثیت قرض کی ہے یعنی بیمہ دار انشورنس کمپنی کو قرض دیتا ہے اور کمپنی ایک وقت مقررہ پر اپنے آئین کے مطابق اسی قرض کا مثل واپس کرتی ہے ساتھ ہی کچھ نفع بھی دیتی ہے یہی اس معاملے کی حقیقت ہے اور یہ حقیقت ہمیں رہنمائی کرتی ہے کہ انشورنس کمپنی اور بیمہ دار کا معاملہ خالص قرض کا ہے جیسا کہ قرض کی درج ذیل تعریف سے عیاں ہوتا ہے۔ هو عقد مخصوص أي بلفظ القرض ونحوه يرد على دفع مال مثلي لآخر ليرد مثله۔ (تنویر الابصار و در مختار ص ۱۶۱ جلد خامس، دار الفکر)

چونکہ یہاں قرض پر نفع مشروط ہے اس لئے یہ ربا ہے۔ قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم كل قرض جر منفعة فهو ربا ـــــــ اور انشورنس کے قوانین کے مطابق تین سال تک بیمہ شدہ رقم کے ڈوب جانے کا برابر خطرہ لگا رہتا ہے اس لئے یہ قمار ہے۔ قمار کی تعریف حضرت ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری نے یوں تحریر فرمائی ہے۔ والقمار في عرف زماننا كل لعب يشترط فيه غالبا ان ياخذ الغالب من الملاعبين شيئا من المغلوب (مرقاۃ ص ۲۲۲ جلد ۴)

(۲) یہاں کی وہ کمپنیاں جو حکومت کی ہیں یا خالص غیر مسلموں کی ان عقود فاسدہ پر بنائے تحقیق جائز ہے۔ ہدایہ میں ہے۔ لان مالهم مباح فبأي طريق اخذه المسلم اخذ مالا مباحا اذا لم يكن فيه غدر۔ (ص ۷۰ جلد ۳) اس لئے ان کی طرف سے ان کی رضا سے قرض کی رقم پر جو نفع ملتا ہے وہ اگرچہ بظاہر سود کی شکل سے مشابہت رکھتا ہے لیکن واقع میں وہ سود نہیں ہے اسلئے جائز ہے جیسا کہ فتاویٰ رضویہ کی اس عبارت سے واضح ہوتا ہے۔

جو مال غیر مسلم سے کہ نہ ذمی ہو نہ مستامن بغیر اپنی طرف سے کسی غدر اور بدعہدی کے ملے اگرچہ عقود فاسدہ کے نام سے اسے اسی نیت سے نہ نیت ربا وغیرہ محرمات سے لینا جائز ہے اگرچہ وہ دینے والا کچھ کہے یا سمجھے کہ اس کے لئے اس کی نیت معتبر ہے نہ دوسرے کی لکل امرئ ما نوی (فتاوی رضویہ جلد ہفتم ص۳۰۰) ــــ نیز حدیث سے بھی یہی ثابت ہے قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا ربٰو بین اهل الحرب واظنه قال واهل الاسلام ؛

اور اس معاملے کے تمام ہونے کی صورت میں کسی ایسی شرط کے ساتھ جس کے ہوتے ہوئے نفع کا حصول مظنون بظن غالب ہو ان بیموں کی اجازت دی جاسکتی ہے اور یہاں نفع کا حصول مظنون بظن غالب ہو سکتا ہے جیسا کہ سوالنامے سے منسلک ان جزئیات سے مستفاد ہوتا ہے ۔

ھدایہ میں ہے :۔ ولا یجوز السلم حتی یکون المسلم فیه موجودا من حین العقد الی حین المحل (الی محل الدین) حتی لو کان منقطعا عند العقد موجودا عند المحل او علی العکس، او منقطعا فیما بین ذالک لا یجوز ــــ لنا قوله علیه السلام لا تسلفوا فی الثمار حتی یبدو صلاحها، ولان القدرة علی التسلیم بالتحصیل فلابد من استمرار الوجود فی مدة الاجل لیتمکن من التحصیل (ھدایہ جلد ۳ ص۹۳، باب السلم)

ولا یصح السلم فی طعام قریة بعینها او ثمرة نخلة بعینها لانه قد یعتریه آفة فلا یقدر علی التسلیم. والیه اشار علیه السلام حیث قال ، ارأیت لو اذهب الله تعالی الثمر، بما یستحل احدکم مال اخیه ، ولو کانت النسبة الی القریة لبیان الصفة لا بأس به علی ما قالوا کالخشمرانی ببخارا و البساخی بفرغانة ــ (ھدایہ جلد ۳ ص۹۴ باب السلم) واضح ہو کہ ظن غالب سے مراد وہ ظن ہے جس کا تعارف اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے یوں کیا ہے ۔

بیشک باعث غلبۂ ظن اور ظن غالب شرعاً معتبر اور فقہ میں مبنائے احکام ، مگر اس کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ جانب راجح پر قلب کو اس درجہ اعتماد و وثوق ہو کہ دوسری طرف کو بالکل نظر سے ساقط کردے اور محض ناقابل التفات سمجھے گویا اس کا عدم و وجود یکساں ہو ایسا ظن غالب فقہ میں ملحق بیقین کہ ہر جگہ کا یقین دے گا اور اپنے خلاف یقین سابق کا پورا مزاحم واقع ہوگا اور غالباً اصطلاح علماء میں غالب ظن و اکبر رائے اسی پر اطلاق کرتے ہیں ۔ فی غمز العیون والبصائر شرح الاشباہ والنظائر الشك لغة مطلق التردد فی اصطلاح الاصول استواء طرفی الشیٔ وھو الوقوف بین الشیئین بحیث لا یمیل القلب الی احدهما فان ترجح احدهما ولم یطرح الآخر فهو ظن فان طرحه فهو غالب الظن وهو بمنزلة الیقین وان لم یترجح فهو وهم ولبعض متاخری الاصولیین عبارة اخری اوجز مما ذکرناه مع زیادة علی ذلك وهی ان الیقین

جزم القلب مع الاستناد الی الدلیل القطعی والاعتقاد جزم القلب من غیر استناد الی الدلیل القطعی کاعتقاد العامی والظن تجویز امرین احدھما اقوی من الآخر والوھم تجویز امرین احدھما اضعف من الآخر والشك تجویز امرین لامزیۃ لاحدھما علی الآخر انتھی اھ ملخصًا۔
فتاویٰ رشیدیہ جلد دوم ۲۲۲

دوسرے یہ کہ ہنوز جانب راجح پر دل ٹھیک نہ جمے اور جانب مرجوح کو محض مضمحل نہ سمجھے بلکہ ادھر بھی ذہن جائے اگرچہ بضعف و قلت یہ صورت نہ یقین کا کام دے نہ یقین خلاف کا معارضہ کرے بلکہ مرتبہ شک و تردد ہی میں سمجھی جاتی ہے کلمات علماء میں کبھی اسے بھی ظن غالب کہتے ہیں اگرچہ حقیقتاً یہ مجرد ظن ہے نہ غلبۂ ظن فی الحدیقۃ الندیۃ غالب الظن اذا لم یاخذ بہ القلب فھو بمنزلۃ الشك والیقین لایزول بالشك اھ وفی شرح المواقف الظن ھو المعبر عنہ بغلبۃ الظن لان الرجحان ماخوذ فی حقیقتہ فان ماھیتہ ھو الاعتقاد الراجح فکانہ قیل اوغلبۃ الاعتقاد التی ھی الظن وفائدۃ العدول الی ھذہ العبارۃ ھی التنبیہ علی ان الغلبۃ ای الرجحان ماخوذۃ فی ماھیتہ اھ

(۳) ان عقود کو ضمان خطر طریق اور ضمان درک سے ملحق نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ عقود باب ضمان سے نہیں بلکہ باب قرض سے ہیں کما مر۔

(۴) انکم ٹیکس اور اس کے علاوہ دوسرے ٹیکسوں سے بچنے کے لئے بھی بیمہ کی اجازت ہوگی۔

(۵) جن صورتوں میں قانونی حیثیت سے بیمہ کرانا لازمی ہوتا ہے وہ صورتیں اکراہ کی حد میں داخل ہیں لہٰذا ایسے بیموں کے جواز میں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ لقولہ تعالیٰ. الامن اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان۔ (سورۃ النحل آیت ۱۰۶)

—— واللہ تعالیٰ اعلم ——

مولانا ابو علی نظامی
گلشن بغداد بزاری باغ

جان و مال کا بیمہ
اور ان کی شرعی حیثیت

بیمہ: آج کی ترقی یافتہ دنیا کا ایک جانا پہچانا لفظ ہے۔ اس کی تشریح کی چنداں ضرورت نہیں تاہم اُردو کی قدیم اور مستند لغت فرہنگ آصفیہ سے اس کا مفہوم اور اس کی اصطلاحی تعریف ذکر کی جاتی ہے۔

• بیمہ، از بیم اندیشہ خطرہ کا ذمہ، ضمانت، جب سوداگر لوگ نقدی یا جنس وغیرہ کہیں بھیجتے ہیں تو وہ اس شخص کو جو اس کے ضائع یا تلف ہو جانے پر دام بھر دینے کا اقرار کرتا ہے، کچھ کمیشن دیتے ہیں اور اس شرط یا اطمینان کو بیمہ کہتے ہیں۔

(فرہنگ آصفیہ ص ۴۶۹ جلد ا ترقی اردو بیورو دہلی)

یوں تو بیمہ (INSURE) زمانہ قدیم سے چلا آ رہا ہے تاہم موجودہ دور میں رائج بیمہ دو بنیادی حصوں میں بٹا ہوا ہے۔

(۱) بیمۂ زندگی، جسے عرف عام میں لائف انشورنس (LIFE INSURANCE) کہا جاتا ہے۔

(۲) بیمۂ اموال، جسے عرف عام میں جنرل انشورنس (GENERALINSURANCE) کہتے ہیں۔

(۱) بیمۂ زندگی (LIFEINSURANCE)

• بیمۂ زندگی، تاوان کا معاہدہ نہیں کیونکہ موت سے جو حقیقی نقصان ہوتا ہے اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا چہ جائیکہ اس کا ضمان اور تاوان مقرر کیا جا سکے، یہی وجہ ہے کہ ہر شخص کو اختیار ہے

کراپنی زندگی کا بیمہ کسی بھی رقم کا کرائے۔

یہ ایک ایسا معاہدہ ہے جس کے تحت بیمہ کمپنی، بیمہ کرانے والے کی موت پر یا ایک مقررہ مدت گذر جانے کے بعد ان میں سے جو بھی پہلے واقع ہو، ایک مقررہ رقم کی ادائیگی کی ذمہ داری لیتی ہے۔ ایک مقررہ قسط یا پریمیم کی ادائیگی کے بعد بیمہ کرانے والا شخص دو فائدوں کا حقدار ہو جاتا ہے۔ پہلا فائدہ تو یہ ہے کہ اس کی موت واقع ہو جانے پر ایک مقررہ رقم اس کے وارث کو مل جائے گی۔ لہٰذا زندگی بیمہ کا یہ تحفظ کا مظہر ہوا، دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ جو رقم پریمیم کی شکل میں وہ جمع کرتا ہے۔ اس پر سود در سود کے حساب سے سود ہی نہیں ملتا بلکہ وہ انتہائی مستحکم سیکورٹی کی شکل میں جمع رہتی ہے۔ اور مقررہ مدت کے بعد مع منافع واپس مل جاتی ہے۔ (زکوٰۃ و سود ص ۹۲ - ۹۱ ملخصاً)

بیمۂ زندگی قرض ہے

بیمۂ زندگی (LIFE INSURANCE) کے معاہدہ کے تحت جمع کی جانے والی قسطیں (پریمیم) قرض کی قسطیں ہیں، گویا کہ بیمہ دار نے کمپنی کو ایک متعینہ قرض متعینہ قسطوں پر دینے کا وعدہ کیا، اور کمپنی نے متعینہ مدت پورے ہونے پر پوری رقم یکمشت مع منافع (   ) یا مدت متعینہ سے قبل بیمہ کرانے والے کی موت کی صورت میں ایک مقررہ رقم اس کے ورثاء کو دینے کا وعدہ کیا گو کہ اس کی جمع شدہ قسطیں مقررہ رقم سے بہت کم ہوں، اس طرح اس کی جمع شدہ قسطیں اصل قرض، اور بقیہ رقم منافع میں شمار کی جائیں گی۔ بہرحال یہ بظاہر ربا کی ایک صورت ہوتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ معاملات و عقود ان کمپنیوں سے ہوتے ہیں جو حربیوں کی حکومت کے زیر انتظام ہیں، یا خالص کافر حربیوں کی ہیں۔ لہٰذا یہ معاملات بہرحال جائز و مباح ہیں گو کہ بظاہر ربا محسوس ہو رہے ہیں۔ مگر یہ اصطلاحاً ربا نہیں۔ حدیث میں ہے۔

لا ربوٰ بین المسلم والحربی۔   مسلمان اور حربی کے مابین جو معاملہ ہو وہ ربا نہیں

اور اگر قمار ہو جب بھی جائز ہے۔ کیونکہ یہاں کی حکومت عملاً حربیوں کی ہے اور یہاں کے کافر حربی ہیں اور حربیوں کا مال معصوم نہیں مباح ہے لہٰذا جو کمپنیاں خالص کافروں کی ہوتی ہیں ان سے ایسا معاہدہ اور اس سے ملنے والے منافع جائز۔ ہدایہ وغیرہ عامہ اسفار میں ہے۔

لان مالهم مباح فی دارهم فبای طریق اخذه المسلم اخذ مالا مباحا اذا لم یکن فیه غدر

یعنی ان کفار کی رضا سے جس طرح اور جیسے بھی حاصل ہو جائز ہے۔ کہ اس میں غدر و فریب نہیں۔

تین سال تک متواتر قسطوں کی ادائیگی ضروری ہے اور چھوٹ جانے پر مع ہرجانے کی پہلی میعاد سے پانچ سال تک کی مہلت دی جاتی ہے کہ مع سود جمع کردے۔ مگر مدت مقررہ یا موسعہ میں نہ جمع کرنے کی صورت

میں اس کا کھاتہ بند کر کے رقم سوخت [illegible] کر لی جاتی ہے، مذکورہ بالا شرط سے بیمے کی جو خطرناک صورت سامنے آتی ہے وہ قمار کی ہے۔ تاہم اس صورت سے ہونے والے نقصان سے بچنے کے لئے ایک صورت ہے جس سے نفع کا حصول مظنون ہی نہیں بلکہ متیقن ہے جس پر عمل کرنے سے کسی نقصان کا اندیشہ نہیں۔ وہ یہ کہ تین سال کی تمام قسطیں یکمشت ہی جمع کر دی جائیں۔ اس طرح وہ ایک بہت بڑے منافع کا حقدار ہو جائے گا۔ اور ایسی سہولتیں بیمہ کمپنیوں میں دستیاب ہیں۔

یہ خطرناک صورت حال اسی کے ساتھ پیش آسکتی ہے جو معاشی اعتبار سے غیر مستحکم ہو، مگر جو لوگ کسی سروس سے منسلک ہوں یا اعلیٰ یا متوسط تجارت سے جڑے ہوئے ہوں تو یہ وبال ان کے ساتھ فقط موہوم و متردد ہے اور پالیسی کی تکمیل مظنون بظن غالب لہذا ایسے لوگوں کے لئے بہر حال بیمہ زندگی کی اجازت ہوگی۔ رہ گئے وہ لوگ جنھیں مدت مقررہ تک اپنی پالیسی جاری رکھنے میں شک ہو یعنی نہ کسی سروس میں ہوں نہ تجارت میں تو وہ یا تو تین سال کی مکمل قسطیں یکمشت جمع کر کے بیمہ پالیسی کے نفع کا حقدار بنیں یا ان کمپنیوں سے رجوع کریں جن میں یہ خطرناک شرط نہیں۔ جیسے پیرلیس

پیرلیس سنٹر [illegible] بیمہ کا کاروبار کرتا ہے اور حکومت ہند سے رجسٹرڈ ہے۔ پیرلیس کے ایک ایجنٹ نے مجھے بتایا کہ جیون بیمہ نگم میں جو تین سال کی خطرناک شرط ہے وہ پیرلیس کمپنی میں نہیں۔ یعنی بیمہ پالیسی جاری کروانے کے بعد اگر کسی مجبوری کی وجہ سے وہ پالیسی جاری نہ رکھ سکے تو اس کی جمع شدہ رقم مع منافع واپس مل جائیگی۔

خلاصہ یہ ہے کہ بیمہ زندگی میں کسی مسلمان کے عدم نقصان کے ظن غالب کے لئے تین صورتوں میں سے کوئی اپنائی جائے۔

(۱) جو لوگ کسی حکومت یا لمیٹڈ کمپنی کے ملازم ہیں یا اچھی تجارت کر رہے ہیں ان کے لئے تین سال کی شرط سے نقصان فقط موہوم اور منافع مظنون بظن غالب ہے۔

(۲) جو لوگ معاشی استحکام کے اعتبار سے قسم اول میں نہیں آتے وہ (ج۔ا۔ا) کی بیمہ پالیسی لیں اور اگر لینا ہی ہو تو تین سال کی تمام قسطیں یکمشت جمع کر دیں۔ تاکہ نقصان کا خدشہ یکسر ختم ہو جائے۔

(۳) اور یہ بھی نہ کر سکتے ہوں تو ان کمپنیوں سے بیمہ پالیسی حاصل کریں جن میں یہ خطرناک مشروط نہیں ہے مثلاً پیرلیس۔

بیمۂ اموال

بیمہ اموال میں آگ حادثہ اور سمندری بیمے آتے ہیں۔ ان معاہدوں کے ذریعے بیمہ کمپنی ایک مقررہ

صورت میں آگ یا حادثہ وغیرہ سے ہونے والے نقصان کی تلافی کی ذمہ داری لیتی ہے اور بیمہ کرانے والا ایک واجبی رقم بیمہ کمپنی کو پریمیم کی شکل میں ادا کرتا ہے۔ گویا تحفظ و امان کی ذمہ داری کا معاوضہ پریمیم کی شکل میں بیمہ کرنے والا ادا کرتا رہتا ہے اور نقصان کی صورت میں بیمہ کمپنی نقصان کی حد تک اسکی تلافی کرتی ہے۔ لہٰذا یہ سب کفالت و ضمانت کے معاہدے ہیں۔

مذکورہ صورت ضمان خطر کی ہے اور قسطوں میں دی جانے والی رقم سوکرہ (SECURITE) ہے۔ رد المحتار میں ہے واما الخطر من اللصوص والقطاع فهو معلوم له وللتجار لانهم لا يدفعون مال السوكرة الا عند شدة الخوف طمعا فى اخذ بدل الهالك الخ (ج ۳ ص ۲۴۹) اور اسی میں ہے۔ وبما قررناه يظهر جواب ما كثر السوال عنه فى زماننا وهو انه جرت العادة وهو ان التجار اذا استاجروا مركبا من حربى يدفعون له اجرته ويدفعون ايضا مالا معلوما لرجل حربى مقيم فى بلاده يسمى ذلك المال سوكرة على انه مهما هلك من المال الذى فى المركب بحرق او غرق او نهب او غيره فذلك الرجل ضامن له بمقابلة ما ياخذه منهم الخ (ج ۳ ص ۲۷۳)

بیمہ اموال سے حاصل شدہ رقم بلاشبہ جائز ہے۔ ھدایہ ج ۳ میں ہے۔ واما الكفالة بالمال فجائزة معلوما كان المكفول به او مجهولا اذا كان دينا صحيحا الخ (ھدایہ ص ۵۵ ج ۳ باب الکفالۃ) ہدایہ، رد المحتار وغیرہ میں ہے۔ لان مالهم مباح فى دارهم فباى طريق اخذه المسلم اخذ مالا مباحا اذا لم يكن فيه غدر (ھدایہ ص ۶۶ ج ۳ باب الربو)

خلاصہ یہ کہ خواہ بیمہ زندگی ہو خواہ بیمہ اموال ان سے ملنے والی اضافی یا بونس کی رقم ہندوستان یا اس طرح کے دوسرے ملکوں میں جائز ہے اسے لیکر اپنے کسی دینی و دنیوی امر میں صرف کرنا حلال و مباح ہے۔ یوں ہی بیمہ زندگی جس میں غالب پہلو نفع کا ہو بہر حال جائز ہے اور ٹیکسوں سے بچنے کے لئے جو پالیسیاں لی جاتی ہیں وہ تو بہر حال جائز ہیں کہ اس میں کسی قسم کے خطرے اور نقصان کا اندیشہ نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

مولانا محمد حسین خان صاحب
صدر المدرسین دار العلوم محبوب یزدانی
بسکھاری ——— فیض آباد

بیمۂ زندگی و بیمۂ اموال کی شرعی حیثیت

اسلام ایک ہمہ گیر نظام اسلام ایک ایسا جامع اور ہمہ گیر نظام ہے جس میں تمام شعبہائے حیات کے لئے کامل رہنمائی اور رہبری موجود ہے۔ اس میں دیگر نظم و ساتیر کی طرح اس کا اقتصادی نظام بھی انتہائی جامع و متوازن ہے جو تکافل اجتماعی کا ضامن اور اشتراکیت و سرمایہ داری کے ظلم و جور سے پاک و صاف ہے، اس کا اقتصادی نظام اتنا ڈائنامک، متحرک اور تغیر پذیر ہے کہ زندگی کے ہر مرحلے میں اس کا ساتھ دے سکتا ہے اور ہر عصر میں اٹھنے والے نئے مسائل کا حل پیش کر سکتا ہے عہد جدید کی ایک اقتصادی پالیسی بیمہ یا انشورنس کے سلسلے میں بھی اسلام کا واضح نقطۂ نظر موجود ہے۔

بیمہ کی ابتدا بیمہ کی پالیسی جدید عہد کی پیداوار نہیں بلکہ تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ اس پالیسی کا آغاز آج سے صدیوں قبل اندلس کے مسلمانوں نے سمندری کاروبار اور سامانِ تجارت کے تلف ہو جانے اور بحری قزاقوں کے لوٹ لینے کے نتیجے میں کیا تھا۔ پھر رفتہ رفتہ اس پالیسی کو جدید یورپ نے ترقی دے کر پوری دنیا میں پھیلا دیا جو آج اپنی صدہا فاسد پالیسیوں کے ساتھ رائج ہے۔

(بیمۂ زندگی منیم صدیقی ص)

جواب :- موجودہ بیمہ نہ تو امانت ہے نہ کفالت اور نہ ضمانت اور نہ ہی قرض کی صورت پوری طرح اس پر صادق آتی ہے۔ گو کہ بیمہ پالیسی مذکورہ اصناف میں قرض اور قمار سے بہت زیادہ مشابہ ہے۔

بیمہ امانت نہیں ہے بیمہ امانت اس لئے نہیں ہے کہ امانت کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی ہے کیونکہ امانت کی حفاظت مودَع پر واجب ہوتی ہے اور مالک کے طلب کرنے پر اسے دینا واجب ہے جب کہ بیمہ پالیسی میں یہ صورت مفقود ہے۔ نیز اگر بیمہ دار بیمہ کی قسطوں کی ادائیگی کسی مجبوری کی وجہ سے بند کر دے تو انشورنس کمپنی اس کی ادا شدہ رقم کو ضبط کر دیتی ہے حالانکہ امانت کے ساتھ

پہ سلوک نہیں کیا جاتا ۔

بیمہ کفالت وضمانت نہیں

کفالت شریعت میں اسے کہتے ہیں کہ ایک شخص اپنے ذمہ کو دوسرت کے ذمہ کے ساتھ مطالبہ میں ضم کر دے ۔ در مختار علی ہامش رد المحتار ج ۴ ص ۲۷۸ میں ہے :

ضم ذمة الكفيل الى ذمة الاصيل فى المطالبة مطلقا بنفس اوبدين اوعين

اور بلاشبہ بیمہ پر تعریف صادق نہیں آتی ہے ۔ اسی طرح ضمانت کی تعریف بھی بیمہ پر صادق نہیں آتی ہے ۔ اس لئے بیمہ کفالت وضمانت نہیں ۔

بیمہ قرض نہیں

بیمہ قرض اسلئے نہیں ہے کہ اس کی ادائیگی قرض لینے والے پر ہر صورت میں ضروری ہے ۔ لیکن پریمیم کے ذریعہ جمع شدہ رقم کی ادائیگی بیمہ کمپنی پر بہرحال ضروری نہیں ۔ جیساکہ حادثہ بیمہ اور آتشگی بیمہ میں مدت گذر جاتے اور حادثہ پیش آنے کی صورت میں ہوتا ہے ۔

بیمہ ربوٰ ہے

بیمہ اپنی بعض صورتوں میں قرض سے مشابہ ہونے کی وجہ سے ربوٰ ہے ۔ اور اس میں ربوٰ کی دونوں صورتیں پائی جاتی ہیں ۔ جس کا اعتراف خود بیمہ کمپنی والے کرتے ہیں ۔ سوالنامہ کا یہ مختصر اقتباس ملاحظہ ہو ۔

"بیمہ کا دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ جو رقم بہ پریمیم کی صورت میں وہ جمع کرتا ہے اس پر سود در سود کے سبب صرف سود ہی نہیں ملتا بلکہ وہ انتہائی مستحکم سیکورٹی کی شکل میں جمع رہتی ہے اور مقررہ مدت کے بعد مع منافع واپس مل جاتی ہے ۔" (سوالنامہ ص ۳)

ربوٰ کی تعریف اصطلاح شرع میں یوں کی گئی ہے :

الربوٰ فى الشرع عبارة عن فضل مال لايقابله عوض فى معاوضة مال بمال

ربوٰ کی دو صورتیں ہیں (۱) ربوٰ الفضل (۲) ربوٰ النسیہ ۔ اور بیمہ میں دونوں طرح کے ربوٰ موجود ہیں نیز فقہاء کرام نے قرض میں منفعت کی شرط ٹھہرانے کو ربوٰ قرار دیا ہے ۔

علامہ شامی رد المحتار میں فرماتے ہیں کہ :

كل قرض جر نفعا حرام (اى) اذا كان مشروطا ۔ (ج ۴ ص ۱۶۵)

بیمہ قمار ہے

بیمہ قمار کے پوری طرح مشابہ ہے ۔ اس لئے کہ القمار من القمر الذى يزيد وينقص ۔ اور بیمہ کا بھی یہی حال ہے ۔

قمار کی حرمت پر نص صریح موجود ہے جس میں اس فعل کو رجس، اور شیطانی عمل قرار دیا گیا ہے۔
یاایہا الذین اٰمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون۔ (سورہ مائدہ)

جواب :- بلاشبہ بیمہ ربو ہے۔ اور ربو مسلم و غیر مسلم کسی سے لینا جائز نہیں ہے۔
اللہ تعالیٰ نے مطلقاً فرمایا ہے۔ احل اللہ البیع وحرم الربو۔۔۔۔۔۔ یاایہا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وذروا مابقی من الربو۔ (وغیرہا من الآیات القرآنیہ)

حدیث شریف میں ہے کہ
لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٰکل الربو وموکلہ وکاتبہ وشاہدیہ وقال ہم سواء
مجدد ملت اعلیٰحضرت امام احمد رضا نے ربٰو کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے چاہے وہ مسلم سے یا پائے یا غیر مسلم سے۔ یہ اور بات ہے کہ کافر حربی سے ربٰو کا تحقق نہیں ہوگا۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ۔ لاربٰو بین اہل الحرب

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ فتاویٰ رضویہ اور مسائل سود)
لیکن اگر کسی مسلمان نے بیمہ کرالیا تھا تو اس کی رقم حکومت کے کھاتے میں چھوڑنے کے بجائے لے لینا زیادہ بہتر ہے۔ اس لئے کہ اس سے غیر مسلموں کو تقویت ہوگی نیز وہ رقم مشرکانہ رسم و رواج اور بدعقیدگی کے فروغ میں استعمال کی جائے گی۔
اگر یہ بات متحقق ہو جائے کہ بیمہ قمار ہے تو اس کی شرعی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

جواب :- عقد بیمہ کو ضمان خطر طریق، ضمان درک، یا علامہ شامی کے بیان کردہ کوہ کی جائز شکل سے ملحق نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ عقود بیمہ کا بغور جائزہ لینے سے بیمہ کی مروجہ شکل ان تینوں جزوں میں سے کسی پر صادق نہیں آتی ہے۔

عقود بیمہ ضمان خطر نہیں

ضمان خطر طریق کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کسی مسافر سے کہے کہ تم اس راستہ پر سفر کرو یہ راستہ بالکل محفوظ ہے۔ اور اگر تمہارا مال و اسباب لٹ جائے تو میں تمہارے مال کا ضامن ہوں۔ اب اگر اس راہ پر سفر کرتے ہوئے اس مسافر کا مال اسباب لٹ جائے تو وہ شخص اس مال و اسباب کے معاوضہ کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس نے راستہ کی سلامتی بتاتے ہوئے بالصراحت یہ کہا تھا کہ اسباب لٹ جانے کی صورت میں وہ ضامن ہوگا البتہ اگر وہ شخص راہ گیر کو صرف یہ کہتا کہ یہ راستہ سلامتی کا ہے۔ اور پھر اس راہ گیر کا اسباب لٹتا تو وہ شخص ضامن نہ ہوتا کیونکہ اس کے

بیان سلامتی میں ضمانت کا قرار نہیں۔ اب مذکورہ صورت مسئلہ کی رو سے یہ کہنا بالکل درست ہوگا کہ انشورنس کا، ضمان علی خطر الطریق، پر قیاس کرنا غلط ہے۔ کیونکہ راستہ کی سلامتی کی ضمانت دینے والا یہ ضمانت دے رہا ہوتا ہے کہ مسافر کا سامان لٹے گا نہیں جبکہ انشورنس کمپنی بیمہ شدہ شخص یا چیز کے تلف یا ہلاک نہ ہونے کی ضمانت نہیں دیتی۔ بلکہ نقصان یا معاوضہ پورا کرنے کی ضمانت دیتی ہیں۔

عقود بیمہ ضمان درک نہیں چونکہ ضمان درک میں دین کا ہونا ضروری ہے۔ اور بیمہ کمپنی میں جمع شدہ رقم از قبیل دین نہیں ہے ــــ ضمان درک کی تعریف در مختار علی ہامش رد المحتار جلد ۴ صفحہ ۲۹۳ پر یہ کی گئی ہے کہ۔

بما الثت علیہ و بما یدرك فی ھذا البیع و ھذا یسمی ضمان الدرك "

عقود بیمہ سوکرہ نہیں علامہ شامی کے بیان کردہ سوکرہ کو موجودہ بیمہ پالیسی پر قیاس نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے کہ دونوں میں یکسانیت نہیں پائی جاتی ہے۔ دونوں میں دیگر طرح کے فرق کے ساتھ ساتھ بنیادی فرق یہ ہے کہ سوکرہ میں صرف منفعت ہی منفعت ہے۔ خسارہ کی کوئی صورت نہیں ہے۔ جبکہ بیمہ میں خسارہ کا پہلو نمایاں ہے۔

جوابِ ۲ :۔ انکم ٹیکس یا دیگر ٹیکسیز کی ادائیگی ہر شخص پر لازم نہیں ہے اس سے انکم ٹیکس کے لئے بیمہ کی عام اجازت نہیں دی جاسکتی۔ ہاں اگر ٹیکسوں کے لزوم کی صورت میں جتنے مال کا استعمال متعین یا مظنون بظن غالب ہو اور اتنے یا اس سے کم مال کا ضیاع تمام کی تقدیر پر موہوم ہو تو ایسی صورت میں انکم ٹیکس اور دیگر ٹیکسیز سے بچنے کے لئے مال مسلم کی حفاظت کے پیش نظر بیمہ کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

جوابِ ۳ :۔ جن صورتوں میں قانونی حیثیت سے بیمہ کرانا لازمی ہو ان میں شریعت کی جانب سے اس کی اجازت دی جاسکتی ہے۔ کیونکہ الضرورات تبیح المحظورات۔ جبکہ واقعۃً ایسا قانون ہو کہ اس کی عدم تعمیل میں مسلمانوں کے لئے شدید نقصان کا یقین ہو۔

خلاصۂ بحث

اپنی مروجہ پالیسی اور فاسد شرائط کی وجہ سے بیمہ زندگی، بیمہ حادثہ، اور آگ بیمہ کی تینوں صورتیں ناجائز ہیں اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک ربا و قمار اور غرر وضرر جیسے شرعی محرمات پر مشتمل ہے۔

بیمہ کے مویدین کا بیمہ کو ضمان بالخطر، ضمان درک، عقد موالاۃ، بیع بالوفاء اور سوکرہ وغیرہ پر

قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ البتہ جن صورتوں میں قانونی حیثیت سے بیمہ کرانا لازم ہوتا ہے ان کے جواز کا قول کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح اگر زندگی بیمہ سے سوخت کی خطرناک شرط کو ہٹا دیا جائے اور کمپنی سے اصل جمع کردہ رقم ہی لی جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

بیمہ کی دو جائز صورتیں

ان مذکورہ طریقوں کے علاوہ دو اور ایسے طریقے ہیں جن میں جواز کی صورت پائی جاتی ہے۔ اور وہ (۱) اجتماعی انشورنس (۲) تبادلی انشورنس ہیں۔ جو آج دنیا کے مختلف ملکوں میں رائج ہیں۔

اجتماعی انشورنس

اس نظام انشورنس کے تحت دنیا کی مختلف حکومتیں اپنے مزدوروں اور بسا اوقات دیگر کارکنوں کو بڑھاپے، مرض اور ریٹائرمنٹ کی صورت میں کفالت کرتی ہیں اس کی مختلف صورتیں اور شکلیں رائج ہیں۔ مثلاً پنشن، بڑھاپا الاؤنس، بونس، میڈیکل الاؤنس بے روزگاری الاؤنس وغیرہ۔

تبادلی انشورنس

تبادلی انشورنس کا کام تبادلی انجمنیں چلاتی ہیں۔ ان انجمنوں کے تمام حصہ داران کسی نہ کسی صورت میں کسی خاص خطرے کے سدباب کے لئے اکٹھا ہوتے ہیں۔ یہ انجمنیں اپنے تمام شرکاء سے سال کی ابتدا میں ان کے کسی خاص خطرہ کی انشورنس کے معاوضہ کے طور پر ایک مخصوص رقم لے لیتی ہیں پھر انجمن سال بھر میں اپنے شرکاء میں سے کسی کو پیش آمدہ خطرہ یا نقصان کے ازالہ کے لئے وہ رقم خرچ کرتی ہیں۔ اگر وہ رقم اس شخص کی سال کے ابتداء میں دی گئی رقم سے زیادہ ہے تو انجمنیں یا کمپنی باقی کا اس سے مطالبہ کرتی ہیں۔ اور اگر خطرہ کے تحفظ یا نقصان کے ازالہ پر اٹھنے والے اخراجات کم ہیں تو اس کی باقی رقم واپس کر دیتی ہے۔

گویا تبادلی انشورنس میں صرف وقوع خطرہ یا نقصان کے وقت کمپنی اپنے ممبر کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑتی بلکہ اس کی پریشانی کو حل کرتی ہے۔ اسلئے انشورنس کی اس شکل میں موجودہ نظام انشورنس کی قباحت نہیں پائی جاتی ہے۔ اسلام اپنے تکافل اجتماعی میں یہی کام اسلامی معاشرہ کے سپرد کرتا ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ حکم الشریعۃ الاسلامیہ فی عقود التامین للدکتور حامد حسین خان

ان تمام صورتوں کے بعد میرا خیال ہے کہ مروجہ بیمہ زندگی بیمہ اموال اپنی کثیر فاسد پالیسیوں اور شرائط کی وجہ سے ناجائز ہے۔ گو کہ یہ عقد بظاہر بڑا دلکش اور نفع بخش ہے۔ لیکن فی الواقع یہ انتہائی پرفریب اور مانند سراب ہے۔ اس کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں کہ:۔

ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے ؛ سود ایک کا لاکھوں کے لئے مرگ مفاجات ہے

مباحثہ

بر

مسئلہ بیمہ زندگی

مباحثہ

بر مسئلۂ بیمۂ زندگی

بیمۂ زندگی کے مقالات کی خواندگی کے بعد نائب مفتی اعظم ہند حضرت العلام مولانا مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی دامت برکاتہم القدسیہ نے بحث کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا:

بیمۂ زندگی میں اصل یہ دیکھنا ہے کہ اس میں قمار ہے یا ربٰو؟ اس میں ربٰو تو نہایت ظاہر ہے اور قمار اعلیٰحضرت نے فرمایا ہے تو اب جیسے یہ صورت تو واقعی ہے کہ قمار ہے لیکن اس قمار کو دفع کرنے کے لئے مختلف کوششیں کی گئی ہیں مثلاً یہ کہ اگر کسی شخص کو اپنی آمدنی پر اطمینان ہو مثلاً وہ ملازم ہو یا تاجر ہو اور اس کو اس کا ظن غالب ہو کہ ہم قسط کو وقت پر جمع کر دیں گے تو اس کے حق میں قمار نہیں ہونا چاہیے اور اسی طریقے سے اگر کوئی شخص تین سال کی پوری قسطیں ایک ساتھ جمع کرے تو اب اس کیلئے قمار نہیں رہے گا۔ یہی باتیں اس مسئلہ کے موضوعات میں سے ہیں۔

مولانا صدر الوریٰ صاحب: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اب تک زندگی بیمہ اور مال بیمہ کے متعلق جتنے مقالے پیش کئے گئے تو ان میں بعض میں یہ صراحت کی گئی تھی کہ زندگی بیمہ قسم قرض ہے اس سلسلے میں اور بعض میں قرض ماننے سے انکار کیا اور اس کو عقد کے تحت مندرج کیا۔ بہرکیف قرض ہونے سے متعلق میرے ذہن میں خلجان یہ اٹھتا ہے کہ در مختار میں قرض کی تعریف اس طرح سے مرقوم ہے۔ القرض عقد مخصوص یرد علی دفع مال مثلی لآخر لیرد مثلہ۔ اس عبارت کے تحت علامہ شامی فرماتے ہیں: الظاہر ان المراد عقد بلفظ مخصوص لان العقد لفظ لذا قال ای بلفظ القرض ونحوہ ای الدین و بقولہ اعطنی درھما لیرد علیہ مثلہ۔ علامہ شامی کی اس صراحت سے یہ معلوم ہوا کہ قرض کے لئے مخصوص قسم کے الفاظ متعین ہیں اب وہ کون کون سے الفاظ ہیں اب اسے لفظ قرض یا لفظ دین سے تعبیر کیا یا اس طرح سے کہیں اعطنی درھما لارد علیک مثلہ۔

یعنی تم مجھے اتنا درہم دو تاکہ میں تجھے اسی کے مثل واپس کر دوں اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ زندگی بیمہ کیلئے مخصوص قسم کے الفاظ متعین ہیں کہ جب انھیں تعبیر کی جائے تو قرض کی صورت حال ہو سکتی ہے اور اگر دوسرے الفاظ کے ذریعے تعبیر کی جائے تو اسے قرض نہیں کہیں گے بلکہ اسے عاریت کہیں گے۔

مولانا بدر عالم صاحب :۔ دوسرے لفظ سے کوئی سامان کسی کو دیا تو وہ عاریت ہی رہے گا قرض نہیں جب کہ امام احمد قدس سرہ فرماتے ہیں "عاریت ہے" جب بھی قرض کہ روپیے دینے روپیہ اور عاریت میں بعینہ شئ قائم نہیں رہتی در مختار میں بھی ہے عاریۃ الثمن قرض ضرورۃ استھلاک عینھا بیمہ وغیرہ کے متعلق فتاوی رضویہ جلد ہشتم میں سوال ہوتا ہے تو اعلیٰحضرت فرماتے ہیں چونکہ یہ ربوٰ ہے عاریت ہے قرض ہے اور اس طرح جہاں کہیں بھی ہو صورت قرض ہے۔

مولانا صدر الوریٰ صاحب :۔ اعلیٰحضرت نے یہ فرمایا کہ عاریۃ الثمن قرض نہ کہ عاریۃ قرض ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں پر قرض ہونے کا حکم مطلق عاریت کے اوپر نہیں لگایا بلکہ ثمن کے عاریت پر لگایا اب اس سے لازم نہیں آتا کہ اگر مثمن کو عاریت میں لیا تو قرض ہو گیا اور اس کو ممکن ہے کہ قرض اس لئے کہا کہ چونکہ مثمن کے اندر تعین نہیں ہوا کرتی ہے تو مثمن اگر نقود کو بنایا جائے اور حقیقت میں دراہم و دنانیر ہی ثمن خلقی ہیں اور اس کے علاوہ جو روپئے پیسے آپ کے رائج ہیں وہ ثمن اصطلاحی ہیں اور چونکہ ثمن ہونے کی حیثیت سے ان میں تعین نہیں ہوا کرتی تو اب تعین نہ ہونے کی بنیاد پر ان میں تصرف کرنا جائز ہوا اسلئے وہاں ممکن ہو سکتا ہے کہ جو عاریت ہو وہی قرض بھی ہو لیکن اب اس سے لازم نہیں آتا کہ مثمن اگر ہو تو وہاں پر بھی عاریت ہی یقین ہو جائے اس لئے کہ اگر کوئی مثمن یعنی شئ مثلاً سامان کوئی بطور عاریت لیا تو اب وہاں عاریت لینے والے پر ضروری کہ اس سے انتفاع حاصل کرنے کے بعد بعینہ اسی شئ کو لوٹا دے لیکن اس کے برخلاف قرض میں یہ بات نہیں ہوتی کیونکہ جو مال قرض لیا جاتا ہے اس سے مستقرض بذات خود تصرف کرتا ہے اور اس کا مثل واپس کرتا ہے۔

حضرت مولانا محمد احمد مصباحی صاحب :۔ بیمہ زندگی میں کیا دیتا ہے ثمن دیتا ہے یا مثمن۔ کیا دیا؟ جو دیتا ہے اس کی تعیین کی جائے حقوق سے کوئی فائدہ حاصل ہے؟ کیا کپڑا دیتا ہے؟

حضرت نائب مفتی اعظم :۔ ثمن دیتا ہے۔ دیکھئے ایسا ہے کہ اعلیٰحضرت کے ارشاد کے بعد کوئی بحث نہیں ہو سکتی ابھی جو اعلیٰحضرت نے یہ فرمایا ایک جگہ کہ یہ کسی عقد میں داخل نہیں۔ ابھی جو عبارت مولانا بدر عالم نے پڑھی اس میں یہ ہے کہ یہاں صورت قرض ہے۔

حضرت مصباحی صاحب :۔ اسے تو حقیقت میں قرض ہونا چاہئے کہ ربوٰ متحقق ہوتا ہے۔

حضرت نائب مفتی اعظم ہند :۔ لیکن یہ بحث الگ ہے کہ یہ عاریت ہے یا نہیں دیکھئے ایسا ہے یہاں بحث یہ ہے کہ

لفظ عاریت کا تحقق ہوگا یا نہیں، بیمہ عاریت نہیں یہ تو متفق علیہ ہے یہاں بحث یہ ہے کہ لفظ عاریت سے کوئی مال لے تو وہ قرض ہوا کہ نہیں در مختار کی عبارت کا مطلب یہ کہ کسی نے ثمن مثلی مانگا کہ سو بچاس روپئے دیدو اس نے دیدیا اگرچہ اس نے کہا عاریت لفظ مگر وہ قرض ہے اب اس کے بعد یہ بحث ختم ہوگئی اب بحث کا معاملہ یہ ہے کہ اعلیٰحضرت نے یہ فرمایا کہ کسی عقد کے تحت داخل نہیں ایک جگہ فرمایا کہ صورت قرض ہے اب اس پر آپ حضرات گفتگو کیجئے ان دونوں فتوؤں میں جو تعارض ہے اسے دور کیجئے۔

مولانا آل مصطفےٰ صاحب :۔ فقہائے کرام نے جو قرض کی تعریف کی ہے وہ یہ کہ اپنا سامان دیکر اس کے مثل واپس لے لے اس میں نہ قرض کیلئے کوئی الفاظ متعین اور نہ کچھ۔ صرف عقد قرض کی حقیقت یہ پائی کہ اپنا مثلی مال دیکر دوسرا مثلی مال کو حاصل کرنا اس کے تحت در مختار میں بھی تصریح کیا کہ اگر کسی کو عاریت میں دیا تو عاریت ان کے مالک ضمانت میں وہ بھی اس طور پر قرض ہوگا جیسا کہ مولانا بدر عالم صاحب نے عبارت سنائی اس سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ عقد قرض کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ کسی کو اپنا مثلی مال دیکر اسی کے مثل واپس لینا جیسا کہ عاریت کی بعض صورت اس کے تحت داخل کی اب اس کے لئے کچھ الفاظ متعین ہیں لفظ قرض میرے خیال میں فقہائے کرام کی کوئی عبارت نہیں میں فتویٰ امجدیہ کے حوالے سے یہ بیان کیا تھا کہ یہ کمپنی بیمہ کو جو روپے دیا گیا ہے وہ قرض ہے اس سلسلے میں یہ عبارت نقل کی ہے اس کو امانت نہیں بلکہ قرض سمجھنا چاہئے کہ کمپنی پر گروہی رہے اور اگر کہیں میعاد مقرر کرلی اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ کمپنی کو دیا جانے والا روپیہ یہ خود تمویل کے اندر داخل ہے۔ القرض عقد مخصوص یرد علی مال مثلی لیرد مثلہ رہی بات کہ اعلیٰحضرت اس کو ایک جگہ عقد فاسد مانا اسلئے عقد شرعی میں داخل ہی نہیں اور دوسری جگہ فرمایا نہیں ہے مگر صورت قرض۔

حضرت مفتی شریف الحق صاحب قبلہ :۔ ایسا ہے کہ اس کا نقصان یہ ہے کہ قرض کی تعریف کیا عقد مقصود بلفظ مخصوص جب تعریف یہ ہے کہ یہ عقد ہے لفظ مخصوص کے ساتھ۔

مولانا آل مصطفےٰ صاحب :۔ لفظ مخصوص، نہیں۔

مولانا احمد رالعوری صاحب :۔ شامی میں ہے لفظ مخصوص

حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ :۔ حضرت مولانا احمد رالعوری صاحب نے جو یہ انکشاف فرمایا کہ بغیر مخصوص کے قرض نہیں شاید آپ یہاں اس سلسلے میں جو ہمارے بہار میں ہے کہ کہیں کسی سے ایک من دو من غلہ قرض کے طور پر لیتے ہیں اور پھر اس کی ادائیگی اسی ایک من یا دو من غلے کرتے ہیں تو سوال یہ ہوتا ہے کہ ہمارے بہار میں کئی شکل ہیں یا ایک شکل اس لئے اس بارے میں اس بیع اور قرض میں ممتاز کرنے کے لئے علماء نے جو قید لگائی وہ پائی جائے تو قرض ہے اور اگر نہ تو بیع مثلی ہے۔ اسلئے علماء نے جو قید لگائی ہوگی وہ یقیناً حقیقت

کے موافق ہے۔

مفتی معراج القادری صاحب:۔ میں نے اپنے مقالے میں قرض نہ ہونے پر تقریباً چار دلیلیں پیش کی ہیں میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ان کا اعادہ کردوں ان چار دلیلوں میں سے میری پہلی دلیل جو وہ شاہ کے اسی قول سے مستفاد ہے پہلی دلیل یہ ہے کہ رقم جمع کرنے والے کی نیت قرض دینے کی نہیں ہوتی بلکہ اس کے حاشیۂ ذہن میں یہ تصور بھی نہیں ہوتا کہ اس نے قرض دیا ہے وہ یہی کہتا ہے کہ میں نے اپنے روپے بینک میں جمع کئے ہیں جمع کئے ہیں یہ بولتا ہے یا میں بیمہ کے لیے قسطوار رقم جمع کرتا آیا ہوں کسی بھی رقم جمع کرنے والے نے یہ نہیں کہا ہے کہ میں نے بیمہ کمپنی میں اپنے روپے قرض کے طور پر دیدیے ہیں یا قرض کے طور پر میں نے اتنے روپے رکھے ہیں۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر اسے قرض مانا جائے تو قبل از میعاد مقرض کو حق مطالبہ حاصل ہونا چاہیے اور مستقرض کو اس کے مطالبے پر رقم واپس کرنا لازم ہونا چاہیے کہ قرض میں دائن کو قبل میعاد حق مطالبہ حاصل رہتا ہے۔ ہدایہ میں یہ عبارت " وکل دین حال اذا اجلہ صاحبہ صار مؤجلا لما ذکرنا الا القرض "۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے۔ " وفی التجرید لو اقرض مؤجلا او شرط التاجیل بعد القرض فالاجل باطل ویبقی المال حالاً " اس جزئیے سے بھی معلوم ہوا کہ میعاد مقرر کر کے قرض دے تو میعاد باطل ہے اور مسئلہ دائرہ میں یہ بیمہ کی شکل اگر قرض کی ہو تو بیمہ کرانے والا مثلاً دس پندرہ سال متعینہ مدت کیلئے بیمہ دیتا ہے تو متعینہ مدت باطل ہو اور بیمہ کرانے والے کو قبل از میعاد مطالبہ کرنے پر اس کی جمع شدہ رقم کمپنی کو دینا لازم ہو حالانکہ مدت مقررہ سے قبل ایک پیسہ بھی بیمہ کرانے والا نہیں پا سکتا اور کمپنی پر بھی اپنی شرائط کے مطابق اس کے مطالبے کو پورا کرنا لازم نہیں۔

تیسری دلیل یہ تھی کہ قرض ماننے کی صورت میں یہ بھی خرابی لازم آئے گی کہ اگر قسط کی رقم کمپنی کے ایجنٹ سے ضائع ہو جائے یا وہ ضائع کردے یا وہ خود اپنے مصرف میں لے آئے اور کمپنی میں لے جا کر جمع نہ کرے تو کمپنی کو قسط دینے والے کی ضائع شدہ رقم بھرنا چاہیے کیونکہ بیمہ کرانے والے نے یہ رقم بیمہ کمپنی کو قرض دی ہے نہ کہ اس کے ایجنٹ کو تو اصل مقرض ہے۔ بیمہ کرانے والا یہی سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے بیمہ کمپنی میں رقمیں جمع کی ہیں کوئی کہتا ہے کہ میں سہارا انڈیا میں جمع کر رہا ہوں کوئی کہتا ہے میں جیون بیمہ نگم میں جمع کر رہا ہوں اور یہ ظاہر ہے کہ ایجنٹوں کو بیمہ کمپنی ہی بھیجتی ہے جو گھر گھر جا کر ان کمپنی کا ممبر بناتے ہیں حالانکہ ایجنٹ سے رقم ضائع ہو جانے پر یا رقم جمع نہ کرنے پر بیمہ کرانے والا بیمہ کمپنی سے ایک کوڑی بھی حاصل نہیں کر سکتا اور یہ صورت قرض کے بالکل خلاف ہے۔

فقہاء صاف فرماتے ہیں کہ اگر آقا نے اپنے کسی نوکر سے قرض لانے کے لئے کسی کے پاس بھیجا اور نوکر نے اگر اس شخص سے کہا کہ میرے آقا کو پچاس روپے قرض دیدے یا میرے آقا تجھ سے پچاس روپے قرض مانگتے ہیں تو یہ قرض آقا کے ذمہ ہے۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ولو بعث رجلا ليستقرض الف درهم فاقرضه فضاعت في يده اذا قال الرسول اخرج فلانا ارسل فهي للمرسل وعليه الضمان (جلد ۴ صفحہ [illegible]) ایسا ہی حکم شامی میں ہے۔

چوتھی دلیل یہ ہے کہ بیمہ کی کمپنی پر بہر صورت پریمیم کی رقم کی ادائیگی واجب نہیں اسلئے کہ مثلاً دو ڈھائی سال تک اس نے قسط وار رقمیں جمع کیں اور اس کے بعد اس کو یہ وسعت نہ ہو سکی کہ بقیہ قسطیں جمع کرے تو وہ پہلی جمع شدہ رقم لیپس ہو جاتی ہے اور قرض میں مستقرض پر قرض کی ادائیگی بہرصورت واجب ہو جاتی ہے تو یہ چار دلیلیں میں نے پیش کیں۔

ان میں سے ابھی میری اس دلیل کے متعلق یہ عرض کیا گیا کہ وہ ایک جزئی مسئلہ ہے کہ اگر ایجنٹ کے بجائے تو لیپس کر کے کمپنی میں وہ رقم جمع کر دی جائے تب وہ رقم جو ہے اس کی قرض نہ ہو لیکن ظاہر ہے کہ شاید اس قسم کے کیس ملیں لیکن نوے فیصد یہی طریقہ ہے کہ ایجنٹ کے ذریعہ رقمیں دی جاتی ہیں پھر یہ کہ میری چار دلیلوں میں سے وہ ایک چوتھی دلیل تھی تیسری دلیل جو ہے اب بھی اپنی جگہ باقی ہے اور چوتھی دلیل نوے فیصد تک وہ کام کر رہی ہے اب یہ کہنا کہ اپنا مثلی مال دیکر واپس لینا قرض کی حقیقت ہے اور یہ قرض کی حقیقت جہاں ہوگی وہاں قرض ہوگا تو یہاں وہ بیمہ کرانے والے اپنی رقم جمع کرتے ہیں بیمہ کمپنی میں اور اس کی مثلی رقم واپس کر دیتا ہے مطلب یہ ہوا کہ حقیقی معنی جہاں ہوگا وہاں قرض ہوگا اور جہاں یہ نہیں وہاں قرض نہیں یہ بھی ذکر کیا گیا حالانکہ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے شرائط اور اس کے احکام جو ہیں وہ بھی پائے جائیں ورنہ خود صاحب مقالہ نے اپنے مقالہ میں اس سے انکار کیا ہے کہ بیمہ کرانے والے کی رقم امانت نہیں ہے اور انکار کی دلیل جو پیش کی ہے وہ حکم پیش کی ہے کہ امانت کا جو حکم ہے اور قرض میں جمع شدہ رقم میں یہ حکم نہیں پایا جاتا تو اگر صرف حقیقی معنی ہو لیا جاتا ہے تو اس کی دلیل کی روشنی میں وہ ودیعت اور امانت ہو جائے کیونکہ اس کا معنی وہاں پایا جاتا ہے صرف حکم کی بنا پر اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

مفتی نظام الدین صاحب: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

باتیں بہت طول کی شکل اختیار کرتی جارہی ہیں ان کو سمیٹنا ضروری ہے اور میں نے اب تک جو غلطیاں آپ حضرات کو سمجھا ہے۔ سوچتا ہوں اس کو دور کر دیا جائے۔ ہمارے عزیز محترم جناب [illegible] صدر الورے صاحب نے

بہت معقول بات کہی ہے ماشاء اللہ کہ قرض کی تعریف میں لفظ مخصوص کی قید آئی ہے اور جب لفظ مخصوص ہے تو اعارہ کے ذریعہ سے اگر قرض کا معاملہ کیا جائے تو قرض نہیں اس سلسلے میں آپ کے خیال کو دفع کرنے کے لئے میں ذکر کردوں کہ اعارہ بھی خود قرض کے الفاظ مخصوصہ میں سے ہے اس سلسلے میں ہدایہ کی یہ عبارت زیادہ مفید ہوگی۔ قرض کے سلسلے میں صاحب ہدایہ فرماتے ہیں لانہ اعارۃ وصلۃ فی الابتداء اس کے بعد اور عبارت اس میں یہ ہے یہاں تک کہ لفظ اعارہ سے قرض لینا دینا صحیح ہے اور جو آدمی اعارے کا مالک نہیں ہوگا وہ قرض کا بھی مالک نہیں ہوتا تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ لفظ اعارہ خود قرض کے الفاظ مخصوصہ میں سے ایک لفظ ہے لہذا اگر اعارہ کا لفظ درمیان میں آجائے تو بھی قرض ہی کہا جائیگا کیونکہ قرض کی حقیقت و ماہیت یہاں متحقق ہے۔ قرض شرعاً یہی ہے کہ مال قرض خرچ کرکے اس کا مثل واپس کیا جائے اور دراہم میں یہی ہوتا ہے کہ اصل دراہم کو خرچ کرکے ان کا مثل واپس کیا جاتا ہے لہذا اب اسے گو کہ عاریت کے لفظ سے تعبیر کیا جائے مگر اپنی حقیقت کے لحاظ سے قرض ہی رہے گا۔ العبرۃ فی العقود للمعانی۔

جناب مولانا مفتی سراج القادری صاحب نے کئی ایک نکات بحث اٹھائے اور وہ سب کے سب بہت دقت نظر کے غماز ہیں لیکن اس سلسلے میں کچھ انہیں غلط ہو گیا ہے دیکھئے یہ جو آپ کی پہلی دلیل ہے کہ قرض کہہ کر کے کوئی قرض نہیں دیتا تو کہنے نہ کہنے کا حقیقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا یہ بات سب کے نزدیک مسلم ہے۔ قرض کی تعریف جو ہمارے مولانا صاحبان نے نقل کی ہے وہ تعریف اپنی جگہ پر صحیح ہے اور قرض اس تعریف کے مطابق جو قرض کی حقیقت ہے وہ حقیقت بیمہ والے مسئلے میں بھی پائی جاتی ہے اس لئے جن حضرات نے اسے قرض مانا وہ حقیقت کے لحاظ سے صحیح و درست ہے کیونکہ مدار قول پر نہیں، کہنے پر نہیں بلکہ حقیقت پر ہے۔

دوسری بات آپ نے ارشاد یہ فرمائی کہ، میعاد مقرر کرنے سے میعاد لازم نہیں ہوتی بلکہ مقرض کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ میعاد سے پہلے بھی مطالبہ کرنا چاہے تو مطالبہ کرلے اور مستقرض پر لازم ہوتا ہے کہ واپس کردے لیکن یہاں کمپنی کے آئین کے مطابق مستقرض پابند ہوتا ہے کہ اپنے وقت سے پہلے مطالبہ نہیں کرسکتا، یہ بات اپنی جگہ پر صحیح ہے اب اس سے یہ معلوم ہوا کہ کمپنی کی یہ شرط قرض کے اس معاملے میں ایک طرح کی شرط فاسد ہے اسی طرح نمبر ۴ چار میں آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ قرض کی ادائیگی بہر صورت واجب ہوتی ہے اور قرض لیس نہیں ہوتا اور یہاں قرض لیس ہوتا ہے تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ بیمہ زندگی کی یہی وہ شرط ہے جو زندگی بیمہ کو قرض کے ساتھ ساتھ قمار کی طرف کھینچ لیجاتی ہے اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ زندگی بیمہ

ایک طرف کا قمار ہے اور اسی مفہوم کو بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ قمار بالشرط ہے تو آپ نے یا جس نے بھی اس کو قمار کہا اس کی وجہ یہی شرط ہے تو یہ ایک شرط ہے جو حقیقت قرض سے خارج ہے۔ اب دیکھئے حقیقت اس بات کا تقاضہ کر رہی ہے کہ یہ قرض ہو اور شرط کا تقاضہ ہے کہ یہ قمار ہو ان دونوں کو اکٹھا کرنے سے یہ معلوم ہوا کہ زندگی بیمہ کا معاملہ۔ قرض مع قمار کا ہے۔

اب رہ گئی یہ بات کہ شرعاً قرض میں اس طرح کی شرط کبھی روا نہیں لہذا یہ شرط بھی شرط فاسد ہوئی یعنی آپ کی دوسری دلیل کہ قرض میں میعاد مقرر کرنے سے میعاد لازم نہیں ہوتی اور چوتھی دلیل کہ قرض کی ادائیگی بہرحال واجب ہوتی ہے وہ کبھی لیپس نہیں ہوتا یہ دونوں چیزیں اس بات کا ثبوت فراہم کر رہی ہیں کہ عقد قرض کے ساتھ دو شرائط ہیں اور دونوں کی دونوں شرط فاسد ہیں۔ فتح القدیر کے حوالے سے میں یہ بات بیان کر چکا کہ امام ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ خلاصہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ قرض شرط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا اور یاد رکھنا چاہیئے کہ فتاویٰ خلاصہ فقہ حنفی کی کتب معتبرہ، مستندہ میں سے ہے اور اس کا جو فتویٰ ہوتا ہے وہ مفتیٰ بہ اور واجب العمل ہوتا ہے تو فتاویٰ خلاصہ میں یہ ہے کہ ہم عقود ایسے ہیں جو شرط فاسد سے بھی فاسد نہیں ہوا کرتے بلکہ وہ شرط ہی فاسد اور لغو ہو جایا کرتی ہے ان عقود میں سے صاحب خلاصہ نے ایک عقد عقد قرض کو بھی شمار کیا ہے اور امام ابن الہمام نے ان کی اس رائے کو نقل کر کے برقرار رکھا ہے اس سے یہ معلوم ہوا کہ مذہب حنفی یہی ہے کہ قرض شرط فاسدہ سے کبھی فاسد نہیں ہوتا۔ اسلئے یہ دونوں شرطیں اگرچہ فاسد ہیں لیکن اس کی وجہ سے یہ عقد عقد قرض ہونے سے خارج نہیں ہوگا کیونکہ حقیقت کا تقاضہ یہی ہے کہ عقد عقد قرض ہے شرائط اس سے خارج ہوا کرتی ہیں اب اگر شرطیں فاسد ہیں تو وہ شرطیں خود فاسد ہونگی، لغو اور باطل ہونگی مگر اس کا اثر عقد قرض کی صحت پر کچھ نہیں پڑے گا لہذا یہ عقد عقد قرض ہے ہاں چوتھی دلیل کی بنیاد پر یہ قمار بھی ہے اس لئے جن علماء نے یہ موقف اختیار کیا کہ یہ معاہدہ قرض مع قمار کا ہے وہ اپنی جگہ بہت بجا اور درست ہے۔ اس کے بعد تیسری دلیل یہ دی گئی ہے کہ ایجنٹ بیمہ سے اگر یہ معاہدہ قرض ہو تو عرض کروں گا کہ بیمہ دار اپنی رقم ایجنٹ کے ذریعے کمپنی کو دیتا ہے خود ایجنٹ کو قرض نہیں دیتا، ایجنٹ تو کمپنی کا وکیل ہوتا ہے

حضرت نائب مفتی اعظم زید: دیکھئے حضرات بحث یہ چل رہی تھی جیسا کہ میں کہہ رہا تھا کہ پہلی تنقیح طلب بحث یہی ہے کہ بیمہ کس عقد کے تحت داخل ہے اس سلسلے میں مقالہ نگاروں میں کچھ حضرات کا خیال یہ ہے کہ یہ قرض ہے۔ کچھ حضرات کا خیال یہ ہے کہ قرض نہیں۔ قرض کے انکار پر ان کی دلیلوں کا حاصل یہ ہے کہ اس میں ایسی شرط لگائی گئی جو دین کے منافی ہے شرط فاسد ہے لہذا وہ قرض درست نہیں۔

اس سلسلے میں میں نے ان سب باتوں کو دیکھا تھا کہ یہ سب بحثیں ختم ہو گئیں اگر ہی بات ختم کرنے کی تو مجدد اعظم اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے فتاوی سے آپ کے سامنے ایک فتوی پیش ہے۔ ایک فتوی۔ ہے کہ بیمہ کسی عقد کے تحت داخل نہیں

حضرت علامہ صاحب قبلہ :۔ یہ بالکل قمار ہے۔

حضرت مفتی شریف الحق صاحب قبلہ :۔ فتوی رضویہ جلد ہشتم صـــ۱۱۳ـــ فرماتے ہیں : یہ بالکل قمار ہے اور محض باطل کہ کسی عقد شرعی کے تحت داخل نہیں۔ اگر یہ کسی عقد شرعی کے تحت داخل ہوتا تو جائز ہوتا یوں نہیں فرماتے ہیں کہ یہ بالکل قمار ہے بالکل کا مطلب خالص قمار ہے اور کسی عقد شرعی کے تحت داخل نہیں۔ اب اسی ضمن میں صـــ۱۱۹ـــ میں فرماتے ہیں بہرحال یہاں نہیں مگر صورت قرض اور اس پر نفع مقرر کیا گیا یہی سود ہے اور یہی جاہلیت میں تھا۔ تو اب یہ ہے کہ وہاں یہ فرمایا کہ یہ عقد شرعی کے تحت داخل نہیں اور یہاں فرمایا کہ صورت قرض ہے بظاہر اعلیٰحضرت کے قول پر تعارض لازم آتا ہے اب آپ حضرات تعارض دفع فرمائیں۔

مفتی محمد اعظم صاحب :۔ اعلیٰحضرت نے نہیں فرمایا مگر صورت قرض۔

مفتی شریف الحق صاحب قبلہ :۔ اعلیٰحضرت نے صورت قرض فرمایا ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرض ہے مگر حقیقت میں قرض نہیں اگر حقیقت میں قرض ہوتا تو جائز ہوتا۔

مفتی نظام الدین صاحب :۔ اگر حقیقت میں قرض نہیں تو اس پر بحث ہی کیا چل رہی ہے اور کس چیز پر نفع سود ہوتا ہے اور کس چیز کو اعلیٰحضرت فرما رہے ہیں کہ یہی سود زمانہ جاہلیت میں تھا یہ قرض پر ہی مرتب ہوگا۔

حضرت محدث کبیر :۔ السلام علیکم۔

مرکزی بحثیں بہت ہو چکیں مگر کسی عقد کے اندر آتا ہے یا نہیں آتا اس سے بحث کرنے یا نہ کرنے پر اس مسئلے کا مدار نہیں یہ اپنی جگہ ثابت ہے کہ یہ عقد شرعی نہیں عقد فاسد ہے اور اس کے فساد کے اوپر ایک سب لوگ اپنے اپنے نظریات پیش کرتے رہے اور وجود فاسد دین المسلم والحربی کا جو حکم ہے اس پر مسئلے کا مدار ہے۔ اور اعلیٰحضرت امام اہلسنت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو ارشاد فرمایا یہ بالکل قمار ہے اور محض باطل۔ کسی عقد شرعی کے تحت داخل نہیں اس کا معنی یہ ہے کہ وہ عقد فاسد ہو سکتا ہے مگر عقد مشروع نہیں۔ چنانچہ اس کی تصریح آگے ہو رہی ہے فرماتے ہیں۔

ایسی جگہ عقود فاسدہ بغیر غدر کے جو اجازت دی گئی وہ اس صورت سے مقید ہے کہ ہر طرح ہماہے کہ اپنا نفع ہو۔ یہ لفظ۔ عقود فاسدہ۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ یہ عقد تو ہے مگر یہ عقد شرعی نہ ہو۔ اب مدار اس

بات یہ ہوا کہ عقد فاسد ہے تو عقد فاسد کس وقت جائز ہوتا ہے کس وقت جائز نہیں ہوتا ہے اب صرف اس مقدمے پر قاعدے سے اگر بحث کر لیا جائے تو ان شاء اللہ تعالیٰ قریب ہو جائیں گے اور مولانا معراج صاحب نے جو کچھ ارشاد فرمایا کہ یہ ہوتی ہیں وہ ہوتی ہیں جمع کرتا ہے تو اس سے بحث نہیں اس کا جواب دینے کا کوئی حاصل نہیں ہے صرف بحث برائے بحث رہے گی اور یہاں صرف مسئلے کے جو معنی ہیں اس کی بحث لائی جائے۔

مولانا مفتی معراج القادری صاحب :۔ استاذ گرامی حضرت محدث کبیر صاحب قبلہ نے جو ارشاد فرمایا کہ کسی عقد شرعی کے تحت نہیں۔ یہ عقود فاسدہ سے ہے مطلب اس کا یہ ہوا کہ وہ حقیقتاً کوئی عقد تو ہے لیکن وہ فاسد ہے اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ عقد تو ہے حقیقتاً لیکن فاسد ہے تو معلوم یہ ہوا کہ جو قرض کی صورت نکالی جاری ہے تو وہ قرض شرعی نہیں ہوا اور جیسا کہ مفتی نظام الدین صاحب نے فرمایا کہ جب وہ قرض شرعی نہیں تو ربو کا حکم جو دیا گیا تو وہ کس صورت میں دیا گیا ہے اگر وہ شرعاً قرض نہیں ہے تو اس پر جو منافع ملے وہ ربو نہیں ہوگا۔ ربو اسی وقت ہوگا جب آپ اس کو شرعاً حقیقتاً قرض مان لیں اور اس پر زیادتی لیں۔

حضرت نائب مفتی اعظم ہند :۔ دیکھئے میں نے مفتی صاحب قبلہ کی خدمت میں یہ پیش کیا تھا آپ کا کہنا یہ ہے کہ جب وہ عقد فاسد ہے تو قرض صحیح نہیں ہوا تو اس پر جو زیادتی ہوگی وہ سود نہیں ہوگی۔

میں نے مفتی صاحب سے عرض کیا کہ میں بہت غریب آدمی ہوں مجھ کو ۱۰۰ روپئے قرضاً دیدیجئے اس نے کہا صاحب روپیہ پھنس جائے گا بہرحال گھاٹا ہوگا میں آپ کو سو روپے دوں گا لیکن آپ کو پانچ روپیہ مزید زیادہ دینا پڑے گا میں نے اسکو قبول کر لیا تو یہ عقد شرعی ہے کہ فاسد۔

مفتی معراج القادری ـــــ فاسد ہے۔

مفتی شریف الحق صاحب۔ فاسد ہے؟ زیادتی۔

حضرت مفتی محمد اعظم صاحب قبلہ :۔ ربو ہے۔ سنئے اگر کسی کا جانور مر گیا اور غیر مسلم کے ہاتھ سے بیچ دیا۔

مفتی معراج القادری صاحب :۔ ہاں بیع کی صورت میں آپ اس کو لیجائیں تو ٹھیک ہے بیع کی صورت میں لیجائیں اور اس کے بعد اس بیع کو عقد حقیقی قرار کرکے اس پر زیادتی کو ربو تو اس کی صورت نکالی جائے اور اس کو دیکھا جائے لیکن قرض قرار دیکر کے نہیں۔

مفتی نظام الدین صاحب :۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جو دو فتوے پیش کئے گئے ہیں ان دونوں فتووں میں ذرہ برابر بھی تعارض اور تناقض کا شائبہ نہیں اب اس کی تطبیق سنئے۔

اعلیٰحضرت نے اس فتوے میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ درمختار میں ہے عاریۃ الثمن قرض ضرورۃ استھلاک عینھا۔ اس عبارت کو نقل کرکے اعلیٰحضرت نے صاف فرمایا یہ معاملہ قرض کا ہے اس کے بعد وہ فرماتے ہیں :۔ بہرحال یہاں نہیں مگر صورت قرض۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ محض ظاہر میں قرض ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ صرف قرض کی صورت ہے دوسری کوئی صورت مثلاً بیع وغیرہ کی نہیں۔ یہ بہرحال قرض کی صورت ہے یہ ہے عبارت کا مطلب۔ اور اس کی تائید ان کی اسی عبارت سے ہوجاتی ہے کہ اعلیٰحضرت نے جو جزیہ نقل کیا ہے اس میں قرض کی صراحت ہے۔ اب دوسرا فتویٰ ہے کہ جہیں عقد شرعی کی نفی کی گئی ہے یہاں شرعی کا لفظ لغوی وغیرہ کے مقابلے میں نہیں بلکہ یہ شرعی کا لفظ مشروع کے معنیٰ میں ہے کہ یہ عقد مشروع نہیں اب اس کے بعد ایک اعتراض یہ پیدا ہوا کہ صاحب خلاصہ اور صاحب فتح القدیر نے جو یہ کہا کہ شرط فاسد سے عقد فاسد نہیں ہوتا اور اعلیٰحضرت نے اس کو عقد مشروع نہیں بلکہ عقد فاسد میں شمار کیا ہے۔ اب ان دونوں میں تعارض ہوگا اس کا ازالہ یہ ہے کہ شرط دو طرح کی ہیں ایک شرط ربٰو اور ایک غیر شرط ربٰو۔ شرط ربٰو اگر قرض کے ساتھ ہے تو اب وہ عقد عقد فاسد ہوگا کیونکہ اس کے بارے میں نص صریح موجود ہے اور حدیث رسول ہے کل قرض جر نفعا فھو حرام۔ یا فھو ربٰو لیکن ربٰو کی شرط کے علاوہ جو بقیہ شرطیں رہ گئی ہیں ان کے بارے میں کوئی نص صریح نہیں اسلئے ربٰو کے علاوہ دوسری شرطیں پائی جائیں تو عقد قرض فاسد نہیں ہوگا اور عقد قرض میں ربٰو کی شرط پائی جائے تو ایسی صورت میں یہ عقد قرض فاسد ہوگا اس طرح سے نہ تو اعلیٰحضرت کے فتوؤں میں کوئی تناقض آئے گا اور نہ صاحب فتح القدیر اعلیٰحضرت اور صاحب خلاصہ کی عبارتوں میں کوئی تناقض رہے گا۔ اور بات طیاں ہوکر منقح ہوگئی کہ یہ معاملہ بہرحال قرض کا ہے اور قرض ہی کی صورت ہے اور قرض ہی کیلئے متعین ہے اب اس میں چونکہ قمار ہے اور ایک شرط کی وجہ سے قمار ہو رہا ہے لہٰذا یہ صورت قرض میں قمار کی ہوگی اور چونکہ اس میں ربٰو کی بھی شرط ہے اسلئے عقد قرض فاسد ہے۔

حضرت نائب مفتی اعظم ہند :۔ مفتی صاحب نے جو فرمایا آپ حضرات غور کر لیجئے کہ یہ عقد ہے کہ نہیں یا یہ عقد صحیح نہیں بلکہ عقد فاسد ہے، اگر یہ عقد صحیح ہے اور اس میں قمار بھی لازم ہے تو اب اس پر کسی صاحب کو کچھ فرمانا ہو تو فرمائیں۔

مفتی نظام الدین صاحب :۔ تو اعلیٰحضرت کا قول متعین ہوچکا کہ یہ حقیقۃً قرض ہے اب مولانا معراج احمد صاحب کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اعلیٰحضرت کا جب فتویٰ ہے کہ بہرحال وہ قرض ہے تو اسے سب کو تسلیم کر لینا چاہئے۔ اب اس سلسلے میں اگر کوئی نئی بات کہنا چاہتے ہیں تو ضرور تشریف لائیں ہم آپ کے علم